تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی اسلامک سٹڈیز

فتاویٰ عالمگیری کے قوانینِ دعویٰ و اقرار کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

مقالہ نگار:

عرفان علی

نگران مقالہ:

پروفیسر ڈاکٹر حافظ صالح الدین

ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز

عبد الولی خان یونیورسٹی مردان، خیبر پختونخوا

اکیڈیمک سیشن: ۲۰۱۵ء-۲۰۱۸ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرس عناوین

انتساب

اپنے والد مرحوم اور معزز و محترم اساتذہ کرام کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی مشفقانہ تربیت بھلی لگتی تھی۔ مجھے جو کچھ حاصل ہوا اللہ تعالیٰ کے بعد انہی کی نگرانی اور راہ نمائی کا نتیجہ ہے۔

ہدیۂ تشکّر و امتنان

تمام تشکرات اس خالق کائنات کے لیے ہیں جس نے آسمان وزمین پیدا کر کے ان میں طرح طرح کے مخلوقات کو وجود بخشی۔ اور جس کی توفیق نے زندگی کے ہر مرحلے میں راہ حق کی راہ نمائی فرمائی، اپنی اَن گنت نعمتوں سے نوازا اور اس قابل بنایا کہ فتاوی عالمگیری جیسے عظیم علمی ذخیرے پر تحقیق کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کے بعد تمام اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی اور دینی فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے تحقیق کے مشکل اور کٹھن مراحل میں بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی (فجزاہم اللہ خیرا)، خاص طور پر اپنے استاد محترم اور نگران مقالہ جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ صالح الدین حقانی صاحب جنہوں نے ابتدا سے لے کر انتہا تک بہترین علمی اور فنی مہارت کی طرف بندہ کی رہنمائی فرمائی۔ (فجزاہ اللہ أحسن الجزاء کما یجازی بہ عبادہ الصالحین)

اس کے ساتھ شعبہ علوم اسلامیہ عبدالولی خان یونیورسٹی کے تمام اساتذۂ کرام خصوصاً ڈین جناب پروفیسر ڈاکٹر سلطان آیاز صاحب، ڈاکٹر محمد طاہر صاحب، ڈاکٹر محمد نعیم صاحب، ڈاکٹر ابظاہر خان صاحب، ڈاکٹر کریم داد صاحب، ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب، ڈاکٹر گلزار علی صاحب اور ڈاکٹر زبیر صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جن کی حوصلہ افزائی اور تعاون سے بندہ اپنے تحقیقی کاوش کو تکمیل تک پہنچا سکا۔ (فأجزل اللہ لہم العطاء)

ان حضرات کے علاوہ اپنے ان تمام دوستوں اور احباب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس علمی تحقیقی سفر میں راقم کی راہ نمائی فرمائی۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس کاوش کو قبول کر کے ہم سب کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ (آمین یا رب العالمین)

عرفان علی
پی ایچ۔ڈی سکالر

Author's Declaration

I, **IRFAN ALI** hereby state that my Ph.D thesis titled:

"فتاویٰ عالمگیری کے قوانینِ دعویٰ واقرار کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ"

is my own work and has not been submitted previously by me for taking any degree from **Abdul Wali Khan University Mardan,kp,Pakistan** Or anywhere else in the country/world.

At any time if my statement is found to be incorrect even after my Graduate the university has the right to withdraw my Ph.D degree.

____

Name of Student: **IRFAN ALI s/o Fazl Ullah**

Ph.D Research Scholar(Islamic Studies)

Date:

Plagiarism Undertaking

I solemnly declare that research work presented in the thesis titled:

"فتاوی عالمگیری کے قوانینِ دعویٰ واقرار کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ"

is solely my research work with no significant contribution from any other person. Small contribution wherever taken has been duly acknowledged and that complete thesis has been written by me.

I understand the zero tolerance policy of the HEC and **Abdul Wali Khan University Mardan,kp,Pakistan** towards plagiarism. Therefore,I as an Author of the above titled thesis declare that no portion of my thesis has been plagiarized and any material used as reference is properly referred/cited.

I undertake that if I am found guilty of any formal plagiarism in the above titled thesis even after award of Ph.D degree, the University reserves the rights to withdraw/revoke my Ph.D degree and that HEC and the University has the right to publish my name on the HEC/University Website on which names of students are placed who submitted plagiarized thesis.

Student /Author Signature:_______________

Name: **IRFAN ALI s/o Fazl Ullah**

Ph.D Research Scholar(Islamic Studies)

<u>Thesis Forwarding Sheet by the Supervisor</u>

The thesis titled as:

"فتاویٰ عالمگیری کے قوانینِ دعویٰ واقرار کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ"

submitted by **Mr. Irfan Ali S/O Fazl Ullah** in partial fulfillment of the requirement for the degree of **Ph.D** in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the research work of the scholar and recommend its submission for further process of evaluation and viva-voce examination.

____

Assosiate Professor/Chairperson

DR. Hafiz Salihuddin Haqqani

(Research Supervisor)

Department of Islamic Studies,

Abdul Wali Khan University Mardan.

Dated:

ك

Certificate of approval by the supervisory committee

"فتاویٰ عالمگیری کے قوانینِ دعویٰ واقرار کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ"

By

IRFAN ALI

Registration No: 09-AWKUM-M.Phil-isl-1857

Approved by the supervisory committee

____

Dr. Hafiz Salihuddin Haqqani, Supervisor
Associate Professor&Chairperson
Department of Islamic Studies (AWKUM)

____

Dr. Karim Dad, Associate Professor, Member
Department of Islamic Studies (AWKUM)

____

Dr. Muhammad Tahir, Associate Professor, Member
Department of Islamic Studies (AWKUM)

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES
FACULTY OF ARTS & HUMANITIES
ABDUL WALI KHAN UNIVERSITY,MARDAN
ACADEMIC SESSION.2015-2018

ل

List of publication from the thesis

S.NO	Author	Title	Volume	Category/Impact Factor/No Category
1	Irfan Ali	Shari'ah(Islamic Laws) and Prevailing Laws Concerning to Admission: A Crictal and Comparative study	Islamabad Islamicus Volume:4 Issue:1 Jan-June 2021	HEC Approved in Y Category as per HJRS

ABSTRAC

Islam presents guiding principles regarding all aspects of human lives including the establishment of justice that is crucial to administration of any society. The rule of justice is possible when social life is under a system which safeguards the rights of every stratum of the society. When a dispute is brought to the court, various methods could be adopted to prove a claim, such as bringing witnesses, making confessions, taking oaths, and so on. Court decides the disputes in the light of the laws. These laws are made by government institutions of legislation. Pakistan is an Islamic Republic and Islam is the state religion. The area where Pakistan stands now has a hundreds of years long history of muslim rule.

During the reign of Mughal Emperor Aurangzeb Alamgir, a committee, comprising forty Ulama(Religious scholars), prepared a Fatawa to be used in court of law following the elements of Islamic Law. This Fatawa is known as *Fataw Alamgiri*. It is a comprehensive and widely trusted book of Islamic laws.

Yet, between Pakistan and *Fatawa Alamgiri* there falls the ninety years era of British government. This period turned the matters of courts and preparation of laws in different direction. Pakistan, after its formation had to follow the prevailing laws of British government. But being an Islamic state, a need for the islamization is felt from the very first day. To cope with the situation, *Fatawa Alamgiri* has a lot of Islamic laws which can be codified to fulfill the need of the day.

The dissertation under study is based on the above mentioned aim, yet it is delimited to the two books i.e. *KITAB AL DAAWA* (Book of Plaint) and *KITAB AL IQRAR* (Book of Admission) of *Fatawa Alamgiri* This research codified the said books of Fatawa.
In addition to it, researcher has compared the laws of *Fatawa Alamgiri* and Prevailing Laws of Pakistan concerning Plaint and Admission. The laws compared here are as under:

1. Civil Procedure code,1908
2. The Qanun-e-Shahadat,1984
3. Specific Relief Act,1877
4. Land Revenue Act,1967
5. The Contract Act,1872
6. The Pakistan Penal Code,1860

The findings and conclusion have been presented in the last chapter. Recommendations to reconcile the prevailing laws to *Fatawa Alamgiri* have also been presented.

Key words:Plaint, Admission,Witnesses,Fatawa,Disputes,Legislation,

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس کے احکامات زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ اسلام میں عبادات وفرائض پر جس طرح زور دیا گیا ہے، اسی طرح معاملات کو بھی اہمیت دی ہے۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیوی اور اخروی معاملات میں شرعی احکام اور تعلیمات کی پابندی کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً "[1]

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ"۔

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ عبادات میں کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو اور معاشرتی زندگی اور معاملات میں اپنی من مانی زندگی گزار کر اپنے آپ کو آزاد تصور کرے۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کی پیروی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات اور معاشرت کے رہنما اصول بھی ملتے ہیں۔ ان معاملات میں سے ایک جزدعویٰ اور اقرار ہے، دعویٰ سے مراد ایک ایسی قانونی چارہ جوئی کی ہوتی ہے جو کسی ایک فریق کی جانب سے عدالت میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ اپنے حق کو حاصل کرے، اسی طرح اقرار کرنے کی بنیاد پر عدالتی فیصلے صادر کئے جاتے ہیں۔ تو مدّعی کا دعویٰ اور مقر کا اقرار یا بقاء نسل کی طرف راجح ہوگا، یا بقاء نفس کی طرف اور یا ان دونوں کے توابع کی طرف تینوں صورتوں میں زندگی کو باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کے اصول وقوانین مقرر کیے ہیں تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو اور معاملات کا پہیہ اطمینان کے ساتھ چلتا رہے۔

شریعت نے جان، مال اور عزت کی حفاظت کو مختلف قوانین کے ذریعے یقینی بنایا، اسی طرح انسانوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ شرعی قانون کی روشنی میں اپنے تحفظ جان ومال کے لیے قوانین وضع کریں تاکہ اس کے ذریعے انسان زندگی کی حفاظت اور جرائم کی روک تھام ہو سکے۔ ہر قانون اس صورت میں عمل درآمد کے لیے آسان ہوتا ہے جب اس کا ہر جزواضح ہو۔ اسی وجہ سے عصر حاضر میں وضعی قوانین کی باقاعدہ دفعہ بندی ہوتی ہے۔ عربی میں اس کو "تقنین" اور انگریزی میں اس کو (Codification) کہا جاتا ہے۔

تقنین (Codification)

جس کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

"وضع مواد تشريعية يحكم بها القاضي ولا يتجاوزها[2]"

"شرعی احکام کو ایسے سانچے میں رکھنا کہ قاضی اپنے فیصلے میں اس سے تجاوز نہ کر سکے"۔

واضح رہے کہ فقہ اسلامی کے احکامات وقوانین کی دفعہ بندی کو وضعی قوانین کی طرح کما حقہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ فقہ اسلامی کی ضابطہ بندی سے متعلق فقہاء کا اختلاف رہا ہے اور شاید یہی اختلاف شرعی قوانین کے ضابطہ بندی نہ کرنے کی وجہ بنی ہو۔ البتہ عصر حاضر میں

---

(1) سورۃ البقرۃ، ۲:۲۰۸

(2) حکم تقنین الشریعۃ الاسلامیۃ، عبدالرحمن بن سعد، ص ۱۵، ادارۃ الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۴۲۸=۲۰۰۷ء

فقہاء کرام جواز کے ساتھ ساتھ اس کو ضروری بھی سمجھتے ہیں۔ جواز کے قائلین میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی[3]، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان[4] اور شیخ ابوزہرہ[5] شامل ہیں۔ڈاکٹر یوسف قرضاوی تقنین کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

"احکام شرعیہ کو جدید دیوانی، فوجداری اور انتظامی قوانین کی طرز پر نمبروار انداز سے مرتب صورت میں ڈھالنا تقنین(Codification) کہلاتا ہے"۔

ان کے نزدیک شریعت کے نفاذ کے لیے ان قوانین کی تقنین اور دفعہ بندی ضروری ہے۔ جب تک شریعت اسلامی کے قوانین کو وضعی قوانین کی طرح دفعہ بند نہیں کیا جاتا، اس وقت تک شریعت کا نفاذ اور عدالتی فیصلوں کا عمل احکام شریعت کے مطابق بطریق احسن تکمیل پذیر نہیں ہو سکے گا[6]۔

اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کی ابتدا سلطنت عثمانیہ کے دور میں ہوئی۔ اس دور میں عدالتی حلقوں نے دفعہ بندی کی ضرورت کو محسوس کیا، تو ان کے مطالبے اور خواہش پر مجلس شوریٰ نے فقہاء، ماہرین قانون اور ارکان شوریٰ پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا، جس نے انتھک محنت کے بعد تاریخ اسلامی کا پہلا مدون مجموعہ "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" کے نام سے پیش کیا[7]۔ تاہم یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس طرز پر دیگر کتب فقہ کی دفعہ بندی کی جائے۔

فقہ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو اس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قوانین کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان قوانین کو مختلف مجموعوں اور کتب میں جمع کیا گیا ہے۔ ان مجموعات اور کتب میں جن کتب کو جدت اور ندرت کی بناء پر انتہائی شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سے ایک "الفتاوی الہندیۃ" بھی ہے جو علمی دنیا میں فتاوی عالمگیری کے نام سے مشہور ہے۔ متحدہ ہندوستان میں مشہور مغل فرمانروا اورنگزیب عالمگیر[8] نے جب باقاعدگی سے شریعت کا نفاذ ہندوستان میں کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ کئی مسائل ایسے ہیں کہ جن میں اصل مسئلہ

---

(3) ڈاکٹر یوسف قرضاوی(پیدائش:۱۹۲۶ء)، دو برس کے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ جامعۃ الازہر میں بھی زیر تعلیم رہے، پھر قطر چلے گئے۔ یوسف قرضاوی یورپین کونسل فار فتاویٰ اینڈ ریسرچ کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔[https://en.wikipedia.org/wiki/Yusuf_al-Qaradawi]

(4) ڈاکٹر عبدالکریم زیدان(پیدائش:۱۹۱۷ء—وفات:۲۰۱۴) بغداد میں پیدا ہوئے، فقہ اور اصول فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ صاحب تصنیفات ہیں۔ آپ کے کتب میں الکفالۃ والحوالۃ فی الفقہ المقارن، الفرد والدولۃ فی الشریعۃ، الوجیز فی شرح القواعد الفقہیۃ، احکام اللقطۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ وغیرہ شامل ہیں۔[https://ar.wikipedia.org/wiki/abdulkaareem-zaidan]

(5) شیخ محمد ابوزہرہ مصری(پیدائش:۱۸۹۸ء—وفات:۱۹۷۴ء)، شرعی علوم میں اللہ تعالی نے بڑی مہارت عطا فرمائی، آپ نے کئی کتابیں تالیف کیں جن میں العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی، الجریمۃ فی الفقہ الاسلامی، تاریخ مذاہب الاسلامیۃ اور خاتم النبیین وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔[https://ar.wikipedia.org/wiki/Muhammadabu-zuhra]

(6) ہزارہ اسلامکس، موضوع: اسلامی قوانین کی دفعہ بندی: ایک ناقدانہ جائزہ، ڈاکٹر نیاز محمد، محمد شعیب، شمارہ ۳، ۱۱ تا ۲۴، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ، جنوری تا جون، ۲۰۱۴ء

(7) نفس مصدر، ۲۰

(8) نام محی الدین(پیدائش:۱۶۱۸ء—وفات:۱۷۰۷ء)، اورنگزیب لقب، ان کے والد شاہ جہان نے انھیں عالمگیر کا خطاب دیا۔ مالوہ کی سرحد پر پیدا ہوئے اور نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ مغل بادشاہوں میں اورنگزیب عالم گیر پہلے بادشاہ ہیں جنھوں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ انتہائی علم دوست اور انصاف پسند حکمران تھے۔[ادارہ دائرۃ المعارف، ۲۰: ۶۳، دانش گاہ، پنجاب، لاہور]

تک پہنچنے میں دقت ہوتی ہے کیونکہ ایسی کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے جن میں تمام جزئیات اور نئے پیش آنے والے مسائل کا حل مذکور ہو، توانہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے ملک کے چیدہ علمائے کرام کا ایک بورڈ قائم کیا۔ خود بھی اس بورڈ کے ممبر رہے اور اس وقت کے ایک ممتاز عالم شیخ نظامؒ[(9)] کو اس بورڈ کا کنوینز اور ذمہ دار بنایا۔

آٹھ سال کے عرصے میں اس فتاوی کی تدوین (Compilation) مکمل ہوئی۔ بادشاہ اورنگزیب عالمگیر روزانہ کا مرتب کردہ حصہ شیخ نظامؒ سے پڑھوا کر سنتے تھے اور بوقت ضرورت اس پر جرح وقدح بھی کرتے تھے۔ یہ فتاوی متحدہ ہندوستان میں مرتب ہوا اس لیے اس کو "الفتاوی الہندیۃ" کہا جاتا ہے۔ یہ فتاوی ہدایہ کی ترتیب پر ہے جو جامعیت اور حسن ترتیب کے لحاظ سے دیگر فتاوی سے ممتاز ہے۔ ہر کتاب کے تحت ابواب اور فصول قائم کرکے علومِ اسلامیہ کے محققین کو بہت سی کتابوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ طویل عرصہ گزرنے کے باوجود کتابت وطباعت کے معیار، مسائل کی ترقیم اور تحقیق وتعلیق کے لحاظ سے اس کتاب کی خاطر خواہ خدمت اب تک نہیں ہوسکی ہے۔

اہمیت موضوع (Significance of the Study)

زیر نظر موضوع قوانینِ دعویٰ واقرار سے متعلق ہے، ان قوانین کا تعلق براہ راست انسانی زندگی سے ہے اور مقاصد شریعت (حفظ جان، حفظ نسب، حفظ دین، حفظ مال اور حفظ عقل) کے حصول میں بھی ان کا کردار انتہائی اہم ہے۔ لہٰذا دیکھا جائے تو یہ موضوع ریاست کے ہر ہر فرد کی روزمرہ زندگی سے بالواسطہ یابلاواسطہ متعلق ہے۔

قدیم اسلامی فقہی سرمائے کو عام انسان کے استفادے کے قابل بنانے میں یہ موضوع مددگار ثابت ہوگا، اسی طرح دعویٰ واقرار سے متعلقہ عدالتی معاملات میں قاضی صاحبان کو بھرپور رہنمائی فراہم کرے گا۔

یہ موضوع وضعی اور شرعی قوانین کے درمیان مطابقت کو منظر عام پر لانے کا باعث بنے گا جو مدارس سے تعلق رکھنے والے طبقے کو جدید وضعی قوانین سے روشناس کرائے گا۔ اس کے برعکس جدید تعلیم یافتہ طبقے کو قدیم اسلامی فقہی سرمائے سے استفادہ کا موقع فراہم کرے گا۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ (Review of Literature)

دفعہ بندی کے حوالہ سے اسلامی احکام کو توجہ نہیں دی گئی، فقہ حنفی کے وہ مسائل جن کا تعلق معاملات وتجارت سے ہے، سلطنت عثمانیہ میں پہلی مرتبہ دفعہ وار مرتب کیا گیا، عدالتی حلقوں کے مطالبے سے مجلس شوریٰ نے ماہرین قوانین وفقہاء کرام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی اس کتاب کو "مجلة الأحكام العدلية" سے موسوم کیا گیا، پاکستان میں کراچی کے ایک مکتبہ "نور محمد تجارت کتب خانہ" سے شائع ہوچکی ہے۔

---

(9) شیخ نظام الدین برہان پوری (وفات: ۱۰۹۲ھ)، فتاوی عالمگیری کی مجلس مؤلفین کے صدر تھے جنہیں ملا نظام کہا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ قاضی نصیر الدین برہان پوریؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، جب عالمگیر بلاد دکن میں والی تھے تو انہوں نے شیخ نظام کو اپنے ساتھ وابستہ کرکے اپنے خاص مشیروں میں شامل کر لیا تھا۔ [نزہۃ الخواطر، عبد الحي بن فخر الدين، ۵:۶۵۶، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ۱۴۲۰ھ]

دوسری اہم کاوش عصر حاضر میں مملکت اُردن میں" القانون المدنی الأردنی "اور مصر میں"مخلوط قانون المدنی" کے نام سے فقہی قوانین کی ضابطہ بندی کی گئی ہے۔

اسی طرح مشہور مصری عالم ڈاکٹر سید عبداللہ نے فقہ مالکی اور فرانسیسی قوانین کے تقابل پر مشتمل ایک ضخیم کتاب "المقارنات التشریعیة بین القوانین الوضعیة والتشریع الإسلامی" کے نام سے لکھی ہے۔

پاکستان میں اس حوالہ سے شعبہ اسلامیات کوہاٹ یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمد شعیب نے پی ایچ ڈی سطح پر فتاویٰ عالمگیری کے عائلی قوانین کی ابواب بندی اور ضابطہ بندی پر کام کیا ہے۔ اُردو زبان میں اس کے علاوہ اس طرح کی کوئی کوشش منظر عام پر نہیں آئی ہے۔

لہٰذا زیرِ نظر تحقیق فتاویٰ عالمگیری کے حصہ دعویٰ و اقرار اور پاکستان میں رائج قوانین سول پروسیجر کوڈ(۱۹۰۸ء)اور قانون الشہادت(۱۹۸۴ء) سے تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے، تو زیرِ نظر تحقیق فتاویٰ عالمگیری کے حصہ دعویٰ و اقرار اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابل کرنے سے متعلق یہ پہلی کاوش ہو گی۔

بنیادی طور پر مذکورہ مقالہ لائبریری ریسرچ ہے۔ لہٰذا ملکی سطح پر بڑے بڑے کتب خانوں سے استفادے اور فنی ماہرین کی نگرانی میں موضوع سے متعلق ٹھوس مواد حاصل کرنے اور دستیاب سافٹ ویئر کی مدد سے انٹرنیٹ کے ذریعے نت نئی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے کسی بھی قسم کی تحقیق، تبصرہ، جرائد و رسائل میں مضامین اور اسی طرح اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کے متعلق آراء کو تحقیق میں استعمال کیا گیا ہے۔ وضعی قوانین کے لئے ماہرین قانون اور قانون سے متعلقہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

زیر نظر تحقیقی کاوش چار ابواب اور ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے اوّل میں اس کا تعارفی جائزہ اور آخر میں اس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ حواشی اور حوالہ جات ہر صفحہ کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ آخر میں تحقیقی کاوش کا خلاصہ، اس سے اخذ شدہ نتائج اور ان کی روشنی میں سامنے آنے والی تجاویز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فنی فہارس کے عنوان کے تحت فہرس آیات، فہرس احادیث، فہرس اعلام اور فہرس مصادر و مراجع کو حروفِ تہجی (الف بائی) ترتیب سے درج کیے گئے ہیں۔ دعویٰ اور اقرار کا پاکستان کے وضعی قوانین سول پروسیجر کوڈ(۱۹۰۸ء)اور قانون الشہادت(۱۹۸۴ء) سے تقابل کیا گیا ہے اکثر مقامات پر تو شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں، لیکن جہاں پر وضعی قوانین میں سقم ہیں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اُمید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرما کر عبدالولی خان یونیورسٹی کے لیے مزید ترقی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

عرفان علی

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر

باب اول

فتاویٰ عالمگیری حصہ دعویٰ کے باب ۱ تا باب ۸ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب اوّل کا تعارف

اس باب میں تین فصول ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الدعویٰ کے آٹھ (۸) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں تعریف دعویٰ، شرائط، حکم اورانواع دعویٰ، مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کے پہچاننے کابیان ہے،اس کے علاوہ مال منقول اور غیر منقول میں دعویٰ کی صورتیں کیاہوں گی؟ اور انکار کی صورت میں مدّعیٰ علیہ سے کیسے قسم لیاجائے گا۔اسی طرح وہ کونسی صورتیں ہیں جن میں مدّعیٰ علیہ سے قسم کامطالبہ نہیں کیاجاسکتا۔یہ فصل پچپن (۵۵) دفعات پر مشتمل ہے۔

دوسری فصل میں تنازع کی صورت میں ایک دوسرے کے دعویٰ پر قسم کھانا، کونسے لوگ خصم بن سکتے ہیں یعنی ان لوگوں کے بیان میں جو دوسرے کا خصم بن سکتے ہیں یا نہیں اور دعویٰ کے بعد قاضی کے فیصلے سے پہلے جوامر پیدا ہو اس کی سماعت کے لئے کن کن لوگوں کا حاضر ہونا شرط ہے اور کن کا شرط نہیں ہے اور دعویٰ کو کون سی صورتوں میں دفع کیاجاسکتا ہے اور کون سی صورتوں دفع نہیں کیاجاسکتا۔

اس فصل میں اُنچاس (۴۹) دفعات کاذکر ہیں۔

تیسری فصل میں ان الفاظ کابیان ہیں جو مدّعیٰ علیہ کی طرف سے جواب شمار ہوتی ہیں اور دعویٰ یا گواہوں کے بیان میں تناقض آجائیں تو دعویٰ کی صحت پر کیااثرات مرتب ہوں گے۔اس فصل میں چوبیس (۲۴) دفعات کاذکر کیاگیاہے۔

مجموعی طور پر اس باب اول میں کل ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) دفعات ہیں۔پندرہ (۱۵) مقامات پر وضعی قوانین سے تقابل کیاگیاہے۔

فصل اول

فتاوی عالمگیری حصہ دعویٰ کے باب ۱ سے باب ۳ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

ا

باب ۱: دعویٰ کی شرعی تفسیر، رکن، شرط اور حکم

دعویٰ کی تعریف:

دفعہ ۱: کسی چیز کی اپنی طرف حالت خصومت میں نسبت دینے کو دعویٰ کہتے ہیں ۔[1]

وضاحت:

دعویٰ کا لغوی معنیٰ اپنی ذات کے لئے طلب کرنااور اس کی جمع دعاوی ہے۔بعض کے نزدیک اس کا لغوی معنی ہے کہ ایسا قول جس کے ذریعے غیر پر حق واجب کرنے کا ارادہ کیا جائے۔[2]

تقابل:

پاکستان میں مروّجہ قانون سول پروسیجر کوڈ(۱۹۰۸ء) کے مطابق دعویٰ کی تعریف یہ ہے۔

Plaint is a written memorial tendered to a court in which the plaintiff set forth the cause of actions and seeks judgement and relief from the court.[3]

دعویٰ ایک ایسا مکتوب بیانیہ ہے جس میں مدّعی عدالت سے بنائے مخاصمت کی بنیاد پر اپنے حق کے فیصلہ کا استدعا کرتا ہے۔یہاں شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

شروط دعویٰ:

دفعہ ۲: دعویٰ کی صحت کے لئے مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کا عقل مند ہونا ضروری ہے۔[4]

وضاحت:

فقہاء کے نزدیک نابالغ بچہ اور مجنون مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں نہیں بن سکتے۔اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

”رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب على عقله حتى يفيق وعن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم“[5]

ترجمہ: تین قسم کے لوگوں کا مؤاخذہ نہیں ہوگا: مجنوں جب تک اس کو جنون سے افاقہ نہ ہو، سونے والا جب تک وہ نیند سے بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔

تقابل:

Where the plaintiff or the defendant is a minor or a person of unsound mind.[6]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، لجنۃ علماہند و شیخ نظام، ۴:۲، دارالفکر، ۱۳۱۰ھ

(2) البحرالرائق شرح كنزالدقائق، ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم، ۷:۱۹۱، دارالکتاب الاسلامی، بدون تاریخ

(3) Muhammad Mazhar Hassan Nizami,Civil Procedure Code1908,P:472,Order:7, Rule:1,PLD Publisher Lahor,2015

(4) نفس مصدر ۴:۲

(5) سنن أبي داود، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، کتاب الحدود، باب فی المجنون يسرق او يصيب حدا ، حدیث نمبر:۴۴۰۱، مکتبہ صیدا بیروت۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیحین کے شروط کے مطابق ہے۔(ارواء الغليل فى تخريج احاديث منارالسبيل، محمد ناصر الدین ، البانی، ۲:۵ ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۰۵)

(6) Civil Procedure Code1908,P:472,Order:7Rule:1(d)

سِول پروسیجر کوڈ کے مطابق مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کا عقل مند ہونا ضروری ہے، ہاں اگر نابالغ اور مجنون دعویٰ کرنا چاہے تو ولی کے ذریعے مطالبہ کر سکتا ہے۔ تو شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

دفعہ ۳: خصم کا حاضر ہونا شرط ہے لہذا خصم کی غیر موجودگی میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔[1]

وضاحت:

علمائے احنافؒ کے نزدیک دعویٰ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ خصم موجود ہوں، خصم کی غیر موجودگی میں قاضی کوئی حکم صادر نہیں کرے گا۔ ہاں اگر مدّعی قاضی کو درخواست کریں کہ خصم جہاں پر ہے اس علاقے کے قاضی کو خط لکھیں کہ وہ وہاں خصم کو سن کر اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

امام شافعیؒ[2] کے نزدیک دعویٰ کی صحت کے لئے خصم کا حاضر ہونا ضروری نہیں، کیونکہ اگر مدّعی اپنی دعویٰ کو گواہوں کے ذریعے ثابت کریں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی دعویٰ میں صادق ہے اس لئے فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا۔ اگرچہ مدّعی کے سچّے اور جھوٹے کا احتمال پایا جاتا ہے تاہم گواہوں کے ذریعے اس کے جانب صدق کو ترجیح دیا جائے گا، جس طرح اگر خصم موجود ہوں تو وہ منکر ہو گا یا مقِر، اقرار کرنے کی وجہ سے معلوم ہوا کہ مدّعی اپنی دعویٰ میں صادق ہے تو قضا کو کوئی ضرورت نہیں۔ اگر منکر ہے تو گواہوں سے مدّعی کا صادق ہونا معلوم ہوا لہذا فیصلہ کرنا درست ہوا۔[3]

احنافؒ کی دلیل سیدنا علیؓ[4] کی روایت ہے: ”فإذا جلس بين يديك الخصمان، فلا تقضين حتى تسمع من الآخر، كما سمعت من الأول“[5]

ترجمہ: آپؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا، میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ، آپ مجھے بھیجتے ہو حالانکہ میں کم عمر ہو اور نہ مجھے قضا کے بارے میں علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائے گا آپ جب دو افراد کے درمیان فیصلہ کرتے ہو تو دونوں کی رائے سن کر فیصلہ کروں۔

جب ایک کی عدم موجودگی میں دوسرے کا کلام نہیں سنا جا سکتا تو غائب ہونے کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

تقابل:

The Plaintiff must be present in person or through agent or attorney.[6]

مدّعی کا وکالۃً یا اصالۃً ہونا ضروری ہے۔ شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

---

(1) نفس مصدر، ۲:۴

(2) محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع، ہاشمی، قرشی ۱۵۰ھ کو فلسطین میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ کو وفات پا گئے۔ آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ پہلا فتویٰ بیس سال کی عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ مرتبہ قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔[الأعلام،، خیر الدین بن محمود بن محمد زرکلی دمشقی، ۲۶:۶ دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء]

(3) بدائع الصنائع، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود، کاسانی، ۲۲۲:۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ

(4) سیدنا علیؓ بن ابی طالب، ہاشمی، قرشی، نبی ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے، آپ چوتھے خلیفہ راشد اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۲۳ق ھ کو پیدا ہوئے۔ ۳۵ھ کو خلیفہ بنے اور ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ میں شہید کر دیئے گئے۔[حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ، ۶۱:۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۴ھ]

(5) سنن ابی داؤد، كتاب الأقضية، باب كيف القضا، حدیث نمبر: ۳۵۸۲۔ البانی نے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔(ارواء الغلیل، ۲۲۶:۸)

(6) Civil Procedure Code1908,P:472,Order:7،Rule:1

دفعہ ۴: مدّعی بہ معلوم ہو مجہول نہ ہو۔[1]

وضاحت:

مدّعی بہ معلوم ہو، مجہول ہونے کی صورت میں دعویٰ صحیح نہ ہوگی۔ اس لئے کہ دعویٰ اس وقت صحیح ہوگا جب مدّعی بہ چیز کی جنس بیان کی جائے مثلاً درہم یا دینار ہیں اور اس کی مقدار بیان کی جائے جیسے ۵۰ مثقال ہیں۔ جنس اور قدر کا ذکر کرنا یہ دین کے دعویٰ میں ہے۔ اگر عین کا دعویٰ ہو تو مدّعی حاضر ہونے کی صورت میں اس کی طرف اشارہ کرے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور قاضی مدّعیٰ علیہ کو مجبور کرے گا کہ وہ چیز کو مجلس قضا تک لے کر آئے، اور اگر عین غائب ہے یعنی اس کو مجلس قضا تک لانا مشکل ہے جیسے چکی، تو اب ضروری ہے کہ اس کی قیمت اور وصف ذکر کریں کیونکہ وصف اور قیمت کی وجہ سے چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جس چیز کا مجلس قضا تک لانا ناممکن ہو جیسے زمین تو اس کی حدبندی بیان کی جائے گی۔[2]

دفعہ ۵: دعویٰ سننے کے لئے مجلس قضا شرط ہے۔[3]

وضاحت:

جس طرح گواہی معتبر ہونے کے لئے مجلس قضا کا ہونا ضروری ہے اسی طرح دعویٰ تب سنا جائے گا جب وہ مجلس قضا میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تب فیصلہ کرتے جب مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں حاضر ہوتے۔[4]

تقابل:

The name of the Court in which the suit is brought.[5]

سول پروسیجر کوڈ کے مطابق دعویٰ کی سماعت کے لئے مجلس قضا کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی جس عدالت میں دعویٰ کیا جاتا ہے اس کا ذکر ضروری ہے۔ دونوں قسم کے قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

دفعہ ۶: دعویٰ مدّعی کے زبان سے ہو وکیل کے ذریعے نہ ہو۔[6]

وضاحت:

دعویٰ مدّعی کی زبان سے ہو اگر بغیر عذر کے مدّعی غیر کے ذریعے دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، ہاں اگر مدّعیٰ علیہ اس پر راضی ہو جائے یہ امام ابو حنیفہؒ[7] کی رائے ہے۔

---

(1) نفس مصدر، ۲:۴

(2) فتح القدير، ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد، ۸:۱۵۳، دار الفکر، بدون تاریخ

(3) نفس مصدر، ۲:۴

(4) مسنداحمدبن حنبل، ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل، ۲۶:۲۹، عن عبد الله بن الزبير، قال: قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن الخصمين يقعدان بين يدي الحكم'' حدیث نمبر: ۱۶۱۰۴، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ

(5) Civil Procedure Code1908, P:473,Order :7,Rule:1

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۲:۴

(7) نعمان بن ثابت، تمیمی، کوفہ میں ۸۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ کو وفات پا گئے۔ صغار صحابہؓ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالکؓ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔۔ فقہ حنفی کے امام ہیں، اساتذہ میں عطاء بن ابی رباح، شعبی، جبلۃ بن سحیم، عمرو بن دینار، قتادہ، نافع مولی ابن عمر وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں امام ابویوسف، امام محمد امام زفر کے علاوہ حکم بن عبداللہ، حمزہ الزیات، حیان بن علی، حارث بن نبہان وغیرہ مشہور ہیں۔ [سیراعلام النبلاء، ذہبی، ابوعبداللہ، محمد بن احمد، ۶:۳۹۰ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء]

جبکہ امام ابو یوسفؒ(1) اور امام محمدؒ(2) کے نزدیک صحت دعویٰ کے لئے یہ شرط ضروری نہیں۔(3)

دفعہ ۷: دعویٰ میں تناقض نہ ہو۔(4)

وضاحت:

دعویٰ میں تناقض ہو تو دعویٰ درست نہیں ہو گا، کیونکہ چیز مخالف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا جیسے کوئی اقرار کرے کہ میرے ساتھ یہ چیز فلاں کی ہے قاضی حکم کرے کہ یہ چیز فلاں کے حوالہ کرو۔ اس کے بعد دعویٰ کرے کہ یہ چیز میں نے اس سے خریدی ہے، اور اس کا یہ دعویٰ شراء، اقرار کے زمانے سے پہلے کا ہو تو اس کا یہ قول معتبر نہ ہو گا۔ اس لئے کہ غیر کے لئے اقرار ملکیت شراء کے منافی ہے، اور اقرار شراء کے منافی ہے۔(5)

تقابل:

Where the plaintiff seeks the recovery of money, the plaint shall state precise amount claimed.(6)

مدّعی اپنے دعویٰ میں ریلیف (دادرسی) کا تعین و تخصیص کرے گا جو کہ تضاد و تناقض سے مبرا ہو۔ دونوں قسم کے قوانین میں یکسانیت موجود ہیں۔

دفعہ ۸: مدّعی بہ ایسی چیز ہو جو ثبوت کا احتمال رکھتی ہو لہٰذا اس چیز کا دعویٰ جس کا وجود محال ہو تو یہ دعویٰ باطل ہے۔(7)

وضاحت:

دعویٰ ایسا ہو جو ثبوت کا احتمال رکھتا ہو، اگر ایسی چیز کا دعویٰ ہو جس کا ثبوت حقیقتاً یا عرفاً محال ہو تو دعویٰ باطل ہو گا۔ جیسے کوئی کسی کے بارے میں کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے حالانکہ اس کی عمر کا اس کا بیٹا نہیں بن سکتا یا جس کے بارے میں کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے وہ معروف النسب ہو تو اس کا یہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

یا کوئی ایسا فقیر جس کا فقر مشہور ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا فلاں کے ذمے اتنا قرض ہے، تو اس کا یہ دعویٰ قابل اعتبار نہیں۔(8)

---

(1) ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری کوفی بغدادی (پیدائش: ۱۱۳ھ - ۱۸۲ھ)، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہیں، جو پہلی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کو پھیلایا۔ قاضی القضاۃ بھی رہے، ان کی تصنیفات میں کتاب الخراج، الاثار، النوادر، اختلاف الامصار، ادب القاضی وغیرہ شامل ہیں۔ [وفیات الاعیان، شمس الدین احمد بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر ابن خلکان، ۶:۳۷۸، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۴ء]

(2) ابو عبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی (پیدائش: ۱۳۱ھ - وفات: ۱۸۹ھ)، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں، فقہ حنفی کے امام ہیں، فقہ حنفی میں چھ کتابیں جو ظاہر الروایۃ کے نام سے موسوم ہیں وہ ان کی تصنیف شدہ ہیں۔ اس کے علاوہ الامالی، المخارج فی الحیل اور بلوغ الامانی وغیرہ بھی ان کی کتابیں ہیں۔ [طبقات الفقهاء، ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی، ۱:۱۳۵، دار الرائد العربی، بیروت لبنان، ۱۹۷۰ء]

(3) بدائع الصنائع، ۶:۲۲۳

(4) نفس مصدر، ۴:۲

(5) بدائع الصنائع، ۶:۲۲۳

(6) Civil Procedure Code1908,P:475Order:7,Rule:2

(7) نفس مصدر، ۴:۲

(8) الدرالمختار، ۱:۵۱۰، علاء الدین حصکفی، محمد بن علی بن محمد، ۱:۵۱۰، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ

حکم دعویٰ:

دفعہ ۹: خصم کو "نعم" یا "لا" کے ساتھ جواب دیناواجب ہے۔[1]

وضاحت:

جب دعویٰ صحیح ہو جائے گا تو قاضی خصم سے دعویٰ کے بارے میں سوال کرے گا، اگر وہ اقرار کرے تو قاضی فیصلہ کر دے۔ اگر وہ انکار کرے اور قاضی نے گواہی طلب کی، پھر اگر مدّعی نے گواہی قائم کر دی تو قاضی اس پر فیصلہ کر دے گا۔ اگر مدّعی نے گواہی قائم نہیں کی تو مدّعی اگر حلف طلب کرے تو مدّعیٰ علیہ سے حلف اٹھائے، اگر ایک مرتبہ مدّعیٰ علیہ انکار کر دے یعنی مدّعیٰ علیہ نے کہا، میں قسم نہیں لیتا یا بلا آفت کے خاموش ہو گیا، اور قاضی نے مدّعیٰ علیہ کے نکول (قسم سے انکار) کی وجہ سے فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ صحیح ہو گا۔ یمین کو تین مرتبہ پیش کرنا زیادہ احتیاط والا ہے اور اگر خصم نے انکار کر دیا تو مدّعی پر قسم وارد نہ ہو گا۔[2]

اقسام دعویٰ:

دفعہ ۱۰ جس کے ساتھ احکام متعلق ہو وہ دعویٰ صحیح کہلاتا ہے۔ اور جس کے ساتھ احکام کا تعلق نہ ہو وہ دعویٰ فاسد کہلاتا ہے۔[3]

وضاحت:

دعویٰ صحیحہ کے ساتھ چند امور متعلق ہوتے ہیں:

مدّعیٰ علیہ پر مجلس قاضی میں حاضر ہوناواجب ہے۔ ہر زمانے کے قاضیوں کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور صحابہ کے بعد تابعین نے اسی پر عمل کیا ہیں۔

جب مدّعیٰ علیہ حاضر ہو تو اس پر نعم یا لا کے ساتھ جواب دیناواجب ہے تا کہ اس کی حاضری سود مند ثابت ہو کیونکہ مدّعی علیہ کی حاضری کا مقصد ہی جواب دہی کرنا ہے۔

مدّعی دعویٰ کا اثبات گواہوں کے ذریعے کرے گا۔ اور مدّعیٰ علیہ اگر دعویٰ کا انکار کرے اور مدّعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو مدّعیٰ علیہ پر یمین لازم ہے۔

دعویٰ فاسد کی صورت میں مدّعی سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ دعویٰ کی تصحیح کر کے اثبات دعویٰ گواہوں کے ذریعے کریں۔[4]

تقابل:

جو دعویٰ مدّعی کا مستدعا واضح نہ کرے اور بنائے دعویٰ وبنائے مخاصمت کا بیانیہ نہ ہو تو وہ دعویٰ واجب الاخراج ہوتا ہے۔[5] شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

تعریف مدّعی اور مدّعیٰ علیہ:

دفعہ ۱۱: مدّعی وہ شخص ہے جس کو جھگڑے پر مجبور نہ کیا جاسکے اور مدّعیٰ علیہ وہ ہے جس کو جھگڑے پر مجبور کیا جاسکے۔[6]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۳:۴

(2) الاختيارلتعليل المختار ، مجد الدین، عبد اللہ بن محمود، کتاب الدعویٰ، ۲:۱۰۹، مطبعۃ الحلبی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ

(3) نفس مصدر، ۳:۴

(4) الهداية في شرح بداية المبتدي، ابوالحسن، برھان الدین، علی بن ابی بکر، الفرغانی، المرغینانی، ۳:۱۵۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

(5) Civil Procedure Code1908, P:475,Order:7,Rule:2

(6) نفس مصدر، ۳:۴

وضاحت:

جن امور پر مسائل دعویٰ مبنی ہیں، ان میں سب سے اہم بات مدّعی اور مدّعی علیہ کے درمیان فرق کی شناخت ہے۔

کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ مدّعی پر گواہ پیش کرنا اور مدّعیٰ علیہ پر قسم کھانا ہے۔ [(1)] لہٰذا ان دونوں کی معرفت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کی تعریف میں علمائے کرام کا اختلاف ہیں۔

ایک تعریف تو وہ ہے جو اوپر مذکور ہے کہ مدّعی وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور نہ کیا جائے یعنی دعویٰ کرنے کے بعد اگر وہ دعویٰ کو ترک کرنا چاہے تو اس کو ترک کر دے، اس پر کسی طرح کا جبر نہیں ہے اور مدّعیٰ علیہ وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور کیا جائے یعنی مدّعی کے دعویٰ کرنے کے بعد اس پر جواب دینا لازم ہے، خصومت سے پہلو تہی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ تعریف عام بھی ہے اور صحیح بھی۔ [(2)] بعض نے کہا ہے کہ مدّعی وہ ہے جو حجت کے بغیر مستحق نہیں ہوتا، حجت سے مراد گواہی اور نکول (قسم سے انکار) ہے۔ مدّعیٰ علیہ وہ ہے جو اپنے قول سے بغیر کسی حجت کے مستحق بن جائے، یعنی جو وہ یہ کہے کہ یہ چیز میری ہے تو کوئی دوسرا بغیر کسی حجت کے اس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ [(3)]

بعض کے نزدیک مدّعی وہ ہے جو غیر کے قبضے میں موجود چیز کا اپنے لئے دعویٰ کرے اور مدّعیٰ علیہ وہ ہے جو اپنے قبضے میں موجود چیز کا اپنے لئے دعویٰ کرے۔ [(4)]

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مدّعیٰ علیہ منکر ہے اور دوسرا شخص مدّعی ہے۔ امام زیلعیؒ [(5)] نے فرمایا ہے کہ یہ تعریف صحیح ہے لیکن اس میں منکر کو پہچانا مشکل ہے کیونکہ کبھی ایک شخص ایسی بات کرتا ہے جو صورۃً دعویٰ ہوتی ہے اور معناً انکار ہوتی ہے۔ یعنی ایک شخص میں ایک جہت سے دعویٰ اور ایک جہت سے انکار جمع ہو جاتا ہے اور جب ایک شخص میں دعویٰ اور انکار دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو یہ شناخت کرنا لازم ہوگا کہ یہ شخص مدّعی ہے یا منکر۔

اسی صورت میں معنی کے ذریعے ترجیح دی جائے گی یعنی معنی کے اعتبار سے اگر وہ مدّعی ہے تو اس کو مدّعی قرار دیں گے اور اگر معنی کے اعتبار سے منکر تو اس کو منکر کہا جائے گا کیونکہ درحقیقت معانی کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہری صورت اور لفظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر مودع (جس کے پاس امانت ہو) نے کہا کہ میں نے ودیعت واپس کر دی ہے تو اب مودع صورۃً واپس کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے اور معناً ضمان کا منکر ہے کہ میں نے ودیعت واپس کر دی ہے لہٰذا مجھ پر ضمان نہیں ہے۔ پس مودع ظاہراً مدّعی ہے اور معناً منکر ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں چونکہ منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے، اس لئے یہاں مودع کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ [(6)]

---

(1) السنن الصغیر، ابوبکر، احمد بن حسین، البیہقی، ۱۸۹:۴، '' البینة علی المدّعی والیمین علیٰ من انکر '' جامعۃ الدراسات الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۱۰ھ

(2) الهداية في شرح بداية المبتدي، ۱۵۴:۳

(3) فتح القدیر، ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد، ۱۵۴:۸، دار الفکر، بیروت

(4) بدائع الصنائع، ۲۲۴:۶

(5) علامہ فخر الدین عثمان بن علی بن محجن زیلعی (وفات: ۷۴۳ھ) حنفی المسلک تھے، ۷۰۵ھ کو قاہرہ آئے اور درس و تدریس دیتے رہے، اور یہی ان کی وفات ہوئی۔ ان کی تصنیفات میں سے تبیین الحقائق فی شرح کنز الدقائق، ترکۃ الکلام علی احادیث الاحکام اور شرح الجامع الکبیر وغیرہ شامل ہیں۔ [الأعلام، ۲۱۰:۴]

(6) فتح القدیر، ۱۵۴:۸

باب ۲: دعویٰ کی صحت اور عدم صحت کے بیان میں:

دفعہ ۱۲: مدّعی بہ اگر دین ہو تو اس کی جنس، نوع، صفت اور مقدار بیان کرنا ضروری ہے۔(1)

وضاحت:

دعویٰ دین کا اس وقت صحیح ہو گا جب اس چیز کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کا ذکر کر دے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ میرے فلاں آدمی پر ایک من گندم یا جو ہے تو اس کی عمدہ، ردی اور وسط ہونے کو بیان کرے کیونکہ دعویٰ کا فائدہ یہ ہے کہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حجت قائم کر کے مدّعیٰ علیہ پر مدّعی کا حق لازم کیا جائے اور مجہول چیز کا لازم کرنا چونکہ ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ مدّعی بہ کی جنس، نوع، صفت اور مقدار بیان کرنا ضروری ہے۔ سبب وجوب کا ذکر کرنا لازمی ہے کیونکہ سبب وجوب کے ذکر کے بغیر اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، اور اس لئے کہ دیون کے احکامات اسباب کی اختلاف ک ی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔(2)

تقابل:

Where the plaintiff sues for mesne profits, or for an amount which will be found due to him on taking unsettled accounts between him and the defendant, the plaint shall state approximately the amount sued for.(3)

جب مدّعی زر واصلات کا دعویٰ کرے یا اس رقم کا دعویٰ کرے جو مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کے درمیان مجہول ہو تو اس کی مقدار بیان کرنا لازمی ہے۔ یہاں پر شرعی اور وضعی قوانین میں تضاد نہیں پایا جاتا۔

دفعہ ۱۳: دعویٰ میں بیع سلم ذکر کرنے کی صورت میں شرائط سلم ذکر کرنا ضروری ہے۔(4)

وضاحت:

بیع سلم سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس شرط پر فروخت کیا جائے کہ مبیع بائع کے ذمے دین ہو۔(5) تو بیع سلم کی صورت میں شرائط سلم کا رعایت رکھنا ضروری ہے۔ ان کی شرائط ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

۱: جنس بیان کرنا جیسے گندم، جو اور چاول وغیرہ۔

۲: نوع بیان کرنا جیسے گندم سقیہ ہے یا بخسیہ، سقیہ سے مراد وہ گندم ہے جو خود پانی نکال کر سیر اب کیا گیا ہو اور بخسیہ سے مراد وہ گندم ہے جو آسمان کے پانی کے ساتھ سیر اب کیا گیا ہو۔

۳: صفت بیان کرنا جیسے کہ گندم عمدہ ہے یا گھٹیا۔

۴: مقدار بیان کرنا یعنی کیل اور وزن بیان کرنا۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۳

(2) المحيط البرهاني في الفقه النعماني، برہان الدین محمود بن احمد حنفی، ۹:۱۰ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۴ء

(3) Civil Procedure Code1908, P:475,Order:7,Rule:2

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳

(5) مجلة الأحكام العدلية، لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، ۱:۳۱، نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی

۵: مدت بیان کرنا، پانچویں شرط مدت بیان کرنا ہے کہ ایک ماہ کے بعد چاہیے یا دو ماہ کے بعد چاہیے اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے۔ بعض علما نے کہا ہیں کہ تین دن ہے، بعض نے کہا ہے کہ آدھے دن سے زیادہ ہو اور بعض نے کہا کہ جس مدت پر بائع اور مشتری راضی ہو جائے۔

لیکن ان میں راجح اور مفتیٰ بہ قول ایک ماہ کا ہے۔[1] یہ وہ پانچ شرائط ہیں جن میں احناف علمائے کرام کا آپس میں اتفاق ہیں، اور یہ پانچ شرائط حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہ بیع سلم کرتے تھے تو وہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں اجل معلوم تک بیع سلم کرتے تھے۔[2]

یہ رائے احناف کا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک بیع سلم کے لئے مدت شرط نہیں ہے بلکہ بیع سلم نقد بھی ہو جاتا ہے۔

ان شرائط کے علاوہ رأس المال کی مقدار اور مکان ایفاء بیان کرنا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آخری دو شرائط بھی بیع سلم کے لئے ضروری ہے تاہم امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بیع سلم کے لئے ان شرائط کا ہونا لازمی اور ضروری نہیں لیکن علما نے ان میں راجح قول امام ابو حنیفہؒ کا قرار دیا ہے۔[3] تو ہر وہ سبب جس کے شرائط بہت ہو تو ان شرائط کا ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ سبب جس کے شرائط کم ہو تو صرف سبب ذکر کر دینا کافی ہے۔[4]

دفعہ ۱۴: دعویٰ قرض میں قبضہ کرنا اور اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کا ذکر کرنا لازمی ہے، اسی طرح وزنی چیز میں جنس بیان کرنا ضروری ہے۔[5]

وضاحت:

قرض اس عقد مخصوص کا نام ہے جس میں کسی کو مثلی چیز دیا جائے تا کہ پھر وہ اس کی طرح مثلی چیز واپس کر دیں۔[6]

اگر کوئی قرض کا دعویٰ کرے تو دعویٰ قرض میں قبضہ کرنا اور مستقرض کا اپنی ضرورت میں خرچ کرنا ذکر کرے تا کہ بالاجماع یہ مال اس پر قرض ہو جائے اور دعویٰ میں یہ بھی بیان کرے کہ میں نے اپنے ذاتی مال سے اس قدر قرض دیا ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ مستقرض کے ذمہ اس وقت تک قرض نہیں بن سکتا جب تک وہ اس کو اپنی ضروریات میں خرچ نہ کرے، قرض میں مکان ایفاء اور تعین مکان عقد بیان کرنا ضروری نہیں۔[7]

اگر مدّعیٰ بہ وزنی چیز ہو تو اس میں جنس اور مقدار کے علاوہ صفت اور نوع کا تذکرہ بھی ضروری ہے جیسے سونا یا چاندی ہو تو اس کی صفت بیان کریں کہ عمدہ ہے، درمیانہ ہے یا گھٹیا۔ اسی طرح اس کا نوع بیان کریں کہ وہ ہندوستان کے بنے ہوئے ہیں یا برطانیہ کے بنے ہوئے ہیں۔[8]

---

(1) النهر الفائق شرح كنز الدقائق، سراج الدین، عمر بن ابراہیم بن نجیم، ۳:۵۰۳، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ

(2) الجامع المسند الصحيح المختصرمن امور رسول الله ﷺ وسننه وايامه، محمد بن اسماعیل، بخاری، كتاب السلم، باب السلم فی وزن معلوم، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون بالتمر السنتين والثلاث، فقال: من أسلف في شيء، ففي كيل معلوم، ووزن معلوم، إلى أجل معلوم حدیث نمبر: ۲۲۴۰، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ

(3) اللباب فی شرح الکتاب، عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم، ۲:۴۴، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، لبنان

(4) المحيط البرهانی، ۸:۹

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳

(6) الدر المختار، ۵:۱۶۱

(7) البحرالرائق، ۷:۲۰۱

(8) فتح القدير، ۷:۱۵۶

دفعہ ۱۵: دعویٰ بسبب بیع کے ہو تو اس میں صفت کا ذکر کرنا ضروری نہیں، اور اگر دعویٰ قرض کے سبب ہو تو اس میں صفت بیان کرنا لازمی ہے۔(1)

وضاحت:

دعویٰ بیع کی سبب سے ہو تو صفت کا ذکر کرنا ضروری نہیں لیکن اس شرط پر کہ شہر میں ایک ہی نقد رائج و معروف ہو لیکن اگر وقت بیع سے دعویٰ تک اتنا وقت گزر گیا ہو کہ معلوم نہ ہو کہ اس وقت شہر میں کون سا نقد رائج تھا؟ پھر بیان کرنا چاہئے تاکہ خوب شناخت ہو جائے۔

اگر شہر میں مختلف نقود رائج ہوں، مثلاً اگر اس علاقے میں "ہندوستانی" اور "پاکستانی" دونوں روپے استعمال ہوتے ہیں۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ ہندوستانی اور پاکستانی دونوں روپیوں کی مالیت برابر ہو گی، تو اسی صورت میں بیع صحیح ہو گی اور مشتری کو اختیار ہو گا چاہے ہندوستان کا روپے دے یا پاکستان کا۔ لیکن دعویٰ میں کسی نقد کا تعین ضروری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے، کہ دونوں علاقوں کی دراہم مالیت میں برابر نہ ہو گی تو پھر ان دونوں میں جو زیادہ رائج ہو تو مشتری کو وہی دراہم دینا لازمی ہو گا اور دعویٰ اس صورت میں بیان کے بغیر صحیح نہ ہو گا۔

اگر دونوں دراہم رواج میں برابر ہوں یعنی آدھے لوگ بخارا کے دراہم استعمال کرتے ہیں اور آدھے سمرقند کے، تو اسی صورت میں بیان کئے بغیر بیع درست نہیں اور نہ بیان کے بغیر دعویٰ صحیح ہے۔(2)

لیکن اگر دعویٰ بسبب قرض اور تلف کر دینے کے ہو تو ہر حالت میں صفت بیان کرنا ضروری ہے۔(3)

دفعہ ۱۶: اگر میت پر قرض کا دعویٰ کیا جائے اور میت نے اس قدر ترکہ چھوڑا ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد کچھ مال باقی رہے اور ورثاء اس کا انکار کریں تو اس دعویٰ کی سماعت ہو گی، تاہم اس پر قرض کی ادائیگی کا حکم ترکہ میں حصہ ملنے کے بعد ہو گا۔(4)

وضاحت:

اگر کسی شخص پر قرض کا دعویٰ کیا گیا اور پھر یہ ثابت ہوا کہ اس شخص نے مرتے دم تک یہ قرض ادا نہیں کیا، اس نے ورثاء کے ہاتھوں میں اس قدر ترکہ چھوڑا تھا کہ اس سے یہ قرض ادا ہو جائے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ اس دعویٰ کی سماعت ہو گی اگرچہ ورثاء کے اموال معینہ بیان نہ کئے ہو۔ تاہم ورثاء سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ اس وقت نہیں کیا جائے گا جب تک اس کو ترکہ میں حصہ نہ ملا ہو۔

ہاں اگر وارث وصول ترکہ سے انکار کرتا ہے اور مدّعی اس کا اثبات کرتا ہے تو جب تک ترکہ کے اموال معینہ اس طرح واضح نہ کیا جائے کہ اس سے آگاہی حاصل ہو جائے تب تک اس کا دعویٰ درست نہ ہو گا۔ اگر مدیون اس طرح دعویٰ کرے کہ میں نے فلاں کو اس قدر درہم بھیجے ہے، یا فلاں نے میرے حکم کے بغیر اس شخص کو قرض ادا کیا ہے۔ تو یہ دعویٰ صحیح ہے اور اس قسم لی جائے گی۔ لیکن اگر دعویٰ میں کہا کہ آپ کو جو مال فلاں شخص کے ہاتھ سے پہنچا ہے وہ میرا مال ہے تو اس کا دعویٰ درست نہ ہو گا۔(5)

---

(1) نفس مصدر، ۴:۴

(2) النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ابن نجیم سراج الدین عمر بن ابراہیم، ۳:۳۴۵، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۲ء

(3) المحيط البرهانی، ۹:۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۴

(5) قرة عين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ابن عابدین علاء الدین محمد بن عمر، ۸:۲۳۵، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ت ن

دفعہ ۱۷: اگر دعویٰ کفالت بالمال کی وجہ سے ہو تو سبب بیان کرنا ضروری ہے۔ تاہم بیع اور اجارہ کی صورت میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ عقد باہم رضامندی سے ہوا ہے۔(1)

وضاحت:

اگر مثلی چیزوں میں دعویٰ کیا جائے تو جنس، نوع اور قدر کے ساتھ ساتھ سبب بیان کرنا ضروری ہے مثلاً یہ بیان کرے کہ یہ مال بیع سلم کی وجہ سے لازم ہو چکا ہے یا غصب اور استہلاک کی وجہ سے۔ اب اگر کفالت کی وجہ سے مال کا دعویٰ کیا جائے تو بیان سبب ضروری ہے، جیسے اگر عورت کے نفقہ میں مدت معلوم ذکر نہ کیا جائے تو اس کے لئے کفیل بننا درست نہیں، اور یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ مکفول عنہ نے اس کو مجلس کفالت میں قبول کیا۔ اسی طرح اگر عورت نے شوہر کی وفات کے بعد ورثاء پر مال کا دعویٰ کیا تو سبب بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ نفقہ کا دین ہو جو شوہر کی وفات سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر لزوم مال بیع یا اجارہ کی وجہ سے ہو تو سبب بیان کرنے کے ساتھ یہ واضح کرے کہ یہ عقد برضا اور غبت ہوا ہے۔(2)

اگر اجارہ دینے والے کی موت کی وجہ سے اجارہ فسخ ہو گیا اور مال کا دعویٰ کیا، تو اگر اجرت دراہم ہے تو بیان کرنا چاہئے کہ یہ دراہم کون سے ہیں اور عقد کے وقت سے فسخ کے وقت تک رائج تھا۔(3)

دفعہ ۱۸: ثمن کے مطالبہ کا دعویٰ اس وقت صحیح ہو گا جب مبیع پر قبضہ کیا ہو۔(4)

وضاحت:

اگر کسی شخص پر دعویٰ کیا گیا کہ اس نے مبیع پر قبضہ کیا ہے لہذا مجھے ثمن دیا جائے اور مبیع کو بیان نہیں کیا تو ایک قول کے مطابق یہ دعویٰ درست نہیں لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس کا یہ دعویٰ درست ہے۔ اسی طرح مکان کے کرایہ کا دعویٰ کیا اور اجارہ فسخ ہو گیا تھا تو مکان کے حدود بیان کرنا شرط نہیں۔

اگر کسی پر دعویٰ کیا گیا کہ اس نے فلاں چیز کی حفاظت کے لئے مجھے ماہوار مزدوری پر رکھا تھا، اور میں نے اتنی مدت تک اس کی حفاظت کی پس مجھے مزدوری چاہئے اور یہ معین چیز اس مجلس میں موجود نہ ہو تو بھی اس کا یہ دعویٰ درست ہے۔ اگر مبیع غیر مقبوض کے ثمن کا دعویٰ کیا تو اس مبیع کو قاضی کے مجلس میں حاضر کرنا لازمی ہے تاکہ قاضی کے سامنے بیع ثابت ہو۔

اسی طرح ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرے بچپن کے زمانے میں میرے وصی نے آپ کو فلاں چیز اتنے داموں میں فروخت کیا تھا اور مرتے دم تک اس نے ثمن وصول نہیں کیا تھا لہذا آپ مجھے وہ رقم حوالہ کر دے۔ تو بعض کے نزدیک یہ دعویٰ درست نہیں اور دوسرے علما اس دعویٰ کی صحت کا قول کرتے ہیں اور اس وکیل بالبیع کے مسئلے پر قیاس کر کے فرماتے ہیں کہ وکیل بالبیع کے انتقال کے بعد ثمن وصول کرنے کا استحقاق مؤکل کو راجح ہو جاتا ہے۔(5)

دفعہ ۱۹: منقولی اشیاء کو مجلس قضا میں حاضر کرنا چاہئے تاکہ دعویٰ کرتے وقت اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے۔(6)

---

(1) نفس مصدر، ۵:۴

(2) قرةعين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ۳۴:۸

(3) قرةعين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ۳۶:۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۵:۴

(5) المحيط البرهاني، ۱۸:۹

(6) نفس مصدر، ۵:۴

وضاحت:

اگر کسی پر دعویٰ منقولی اشیاء کے بارے میں کیا جائے تو اس کو بتایا جائے گا کہ وہ اس چیز کو قاضی کے مجلس میں لائے تا کہ بوقت دعویٰ اس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، کیونکہ اشارہ تعریف میں زیادہ واضح کرنے والا ہے۔

ہاں اگر منقولی چیز ایسی ہو کہ اس مجلس قضا میں لانا مشکل ہو جیسے اناج کی ڈھیر یا بکریوں کا ریوڑ، تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ خود اس کے پاس جائے یا کسی نائب کو مقرر کرے تا کہ وہ اس چیز کو دیکھ لے۔ اسی طرح اگر مدّعیٰ علیہ انکار کرتا ہو تو مبیع کا حاضر کرنا لازمی ہے ہاں اگر وہ اقرار کرتا ہو تو پھر مبیع کا قاضی کے مجلس میں لانا ضروری نہیں۔

اگر منقولی چیز ایسی ہو کہ وہ ہلاک ہو چکی ہو یا قاضی کے مجلس میں لانے میں مشقت ہو تو دعویٰ کرتے وقت اس کی جنس، صفت اور قیمت ذکر کیا جائے گا۔(1)

فقیہ ابو اللیث(2) سمرقندی کے نزدیک قیمت کے ساتھ مذکر اور مؤنث کو بھی بیان کرنا چاہئے۔(3)

تقابل:

Suits to be instituted where subject matter situate(4)۔

منقولی اشیاء کا مجلس قضا میں حاضر کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کا بیان کرنا کافی ہے۔ یہاں پر شرعی اور وضعی قوانین میں تضاد نہیں ہیں۔

دفعہ ۲۰: چوپائے پر دعویٰ کی صورت میں اگر رنگ وہیئت بیان کرنے میں غلطی سرزد ہو جائے تو اس سے دعویٰ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(5)

وضاحت:

چوپائے کے دعویٰ میں رنگ اور ہیئت کا ذکر کرنا ضروری نہیں، جیسا کہ ایک آدمی نے گدھا غصب کرنے کا دعویٰ کرلیا اور اس کی ہیئت بیان کردی اور اس کے موافق گواہ بنائے، پس مدّعیٰ علیہ ایک گدھا حاضر کیا اور مدّعی نے کہا کہ میں نے اس گدھے کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن اس کی ہیئت بیان کرنے میں اختلاف ہوا، مثلاً گواہوں نے کہا تھا کہ اس کا کان پھٹا تھا اور دیکھنے کے بعد وہ ایسا نہ تھا تو اس سے اس کی گواہی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور نہ دعویٰ کی صحت پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے پر ایک معین غلام غصب کرنے کا دعویٰ کرلیا اور اس کی صفات بیان کئے اب جب غلام کو حاضر کردیا گیا تو مدّعی کے بیان کردہ اوصاف سے اختلاف پایا گیا تو اگر ایسے اوصاف ہو جن میں تغیر و تبدل کا احتمال نہ ہو تو اس کا دعویٰ درست نہ ہو گا۔

اگر چند ایسے معین چیزوں کا دعویٰ کیا گیا جن کی جنس، نوع اور صفت میں اختلاف پایا جاتا ہو اور سب کی قیمتیں اکھٹے بیان کئے تو یہ دعویٰ درست ہے اور تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔(6)

---

(1) اللباب فی شرح الکتاب، عبدالغنی بن طالب میدانی حنفی، ۴:۷۶، المکتبۃ العلمیۃ بیروت، لبنان، ت ن

(2) ابراہیم بن محمد، ابوالقاسم، سمرقندی، لیثی، فقہاء احناف میں سے ہے۔ ۹۰۸ھ میں وفات ہوگئے۔ کنزالدقائق کی شرح مستخلص الحقائق لکھی۔ [الأعلام۱:۶۵]

(3) العنایۃ شرح الھدایۃ، محمد بن محمد بن محمود ۸:۱۶۰، دارالفکر، بدون طبع و تاریخ

(4) Civil Procedure Code1908,P:475,Order:26,Rule:3

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶

(6) المحیط البرہانی، ۸:۳۳۱

دفعہ ۲۱: معین اور موجود چیز کے ہوتے ہوئے دعویٰ میں وصف، نوع اور وزن بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور دین کی صورت میں قدر، نوع اور صفت بیان کرنا ضروری ہے۔[1]

وضاحت:

ہر وہ چیز جو موجود ہو تو دعویٰ میں اس کی طرف صرف اشارہ کیا جائے گا اس کے قدر، نوع اور صفت بیان کرنا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ چیز موجود نہ ہو تو اس کی قدر، نوع اور صفت بیان کرنا لازمی نہیں۔ اس کی وضاحت اس مثال سے ہو جاتی ہے کہ اگر کسی پر انگوروں کی معلوم مقدار کا دعویٰ کیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ انگور موجود ہوں تو اسی صورت میں اس کی طرف اشارہ کرنا کافی ہے اس کے اوصاف، نوع اور مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ قرض ہے تو اس صورت میں صفت، نوع اور مقدار کے ساتھ یہ بھی بیان کرے کہ وہ جیّد ہے یا ردی۔

اگر وہ بازار سے منقطع ہو چکے ہوں تو قاضی دریافت کرے گا کہ وہ کیا چاہتا ہے اگر اس نے کہا کہ انگور تو اس کے دعویٰ کی سماعت نہ ہو گی، اور اگر قیمت چاہتا ہوں تو سبب بیان کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ اگر مطلق بیع ہے تو مبیع موجود نہ ہونے کی وجہ سے بیع فسخ ہو گی، اور اگر سلم، قرض یا تلف کرنے کی وجہ سے ہو تو پھر مطالبہ کر سکتا ہے۔[2]

دفعہ ۲۲: ودیعت کے دعویٰ میں ودیعت کی جگہ بیان کرنا ضروری ہے خواہ اس میں لے جانے کی مشقت ہو یا نہ ہو، اور غصب کی ہوئی چیز میں اگر لے جانے کی مشقت ہو تو بیان کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں۔[3]

وضاحت:

ودیعت کے دعویٰ میں موضع ایداع کو واضح کرنا لازمی ہے کہ یہ کس شہر میں واقع ہے خواہ ودیعت ایسی چیز ہو کہ اس میں باربرداری اور لے جانے کی مشقت ہو یا نہ ہو۔ لیکن دعویٰ غصب کی صورت میں اس وقت جگہ کی تعین ضروری ہے جب اس کی باربرداری کی مشقت ہو۔ ذوات القیم کے غصب اور استہلاک میں غصب کے دن کی قیمت بیان کا ناضروری ہے۔[4]

دفعہ ۲۳: مال شرکت کی ضمانت مثلی ہے اور جو چیز اس سے خریدی گئی اس کی قیمت کے ساتھ ضمان ہوتی ہے۔[5]

وضاحت:

بضاعت ودیعت میں سبب تجہیل کے مرنے کے اگر دعویٰ کیا جائے تو یہ بیان کرنا لازمی ہے کہ موت کے وقت اس کی کیا قیمت تھی۔ اس طرح مال مضاربت کے دعویٰ کی صورت میں اگر مضارب تجہیل کے ساتھ مر گیا تو یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ موت کے دن مال مضاربت نقد تھا یا سامان کی شکل میں، کیونکہ اگر عروض ہو تو پھر اس کو عروض کی قیمت کے دعویٰ کی ولایت حاصل ہو گا۔

مال شرکت کی تجہیل سے مرنے کے دعویٰ میں یہ بیان کرنا چاہئے کہ مال شرکت سے ناواقف تھا یا جو چیز مال شرکت سے خریدی گئی تھی اس سے ناواقف تھا۔ کیونکہ مال شرکت میں ضمان مثلی لازم ہوتا ہے اور جو چیز اس مال مضاربت سے خریدی گئی تھی اس میں ضمان بالقیمۃ لازم ہو جاتا ہے۔[6]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۶

(2) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، عبدالرحمن بن محمد، ۲:۲۵۲، دار احیاء التراث العربی، بدون طبع و تاریخ

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۷

(4) ردالمحتار على الدرالمختار، ۱:۵۱۱

(5) نفس مصدر، ۴:۷

(6) البحرالرائق، ۷:۲۰۲

دفعہ ۲۴:اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھے زبردستی سے بیع پر مجبور کیا گیا تو دعویٰ میں کہے کہ بیچنے اور تسلیم کرتے دونوں وقتوں میں مجھ پر زبردستی کی گئی۔(1)

وضاحت:

اکراہ کا لغوی معنی یہ ہے کہ انسان کو ایسے کام پر مجبور کرنا جو اس کو پسند نہ ہو۔اصطلاح فقہاء میں اکراہ ایک ایسا فعل ہے جس کو مکرِہ کسی دوسرے شخص پر واقع کرتا ہے اور دوسرے شخص کی اس فعل میں رضامندی ساقط ہو جاتی ہے یا رضامندی فوت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا اختیار بھی فوت ہو جاتا ہے۔لیکن مکرَہ کی اہلیت باقی رہتی ہے۔(2)

اب جو یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ مجھے خریدنے پر مجبور کیا گیا اس میں دیکھا جائے گا کہ بیچنے اور حوالہ کرتے وقت اس پر زبردستی کی گئی ہے یا نہیں۔اگر بیچتے وقت اس پر زبردستی کی گئی اور سپرد کرتے وقت کسی قسم کی اکراہ نہیں تھا تو بیع درست ہوگا،ہاں اگر بیچنے اور مبیعہ سپرد کرتے وقت اس کو مجبور کیا گیا ہو تو بیع درست نہ ہوگی کیونکہ اس میں رضامندی ضروری ہوتی ہے۔(3)

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔مسلمان کا مال کسی کے لئے اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں۔

”لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب من نفسه“(4)

ترجمہ:مسلمان کا مال کسی کے لئے اس کی رضامند کے بغیر جائز نہیں۔

اب اکراہ کس کی جانب سے ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا تو اس میں احنافؒ کا آپس میں اختلاف ہیں۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اکراہ تب معتبر ہوگا جب اکراہ کرنے والا سلطان ہوگا کیونکہ غیر سلطان کی طرف سے اکراہ پائے جانے کی صورت میں مکرَہ سلطان سے مدد طلب کر سکتا ہے لیکن اگر مکرِہ خود سلطان ہو تو پھر کس سے مدد طلب کرے گا۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکرِہ ہر کوئی ہو سکتا ہے۔علمائے کرام لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف زمانی تھا۔راجح قول ان میں صاحبینؒ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔(5)

دفعہ ۲۵:زمین کے دعویٰ کی صورت میں حدود ذکر کرے یا اس کے ساتھ شہر اور محلّہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔(6)

وضاحت:

جائیداد(غیر منقولہ چیزوں)کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کون کون سی چیزوں کا ذکر کرنا لازمی ہے۔تو فقہاء کرام کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔زمین کے دعویٰ میں حدود کا ذکر کرنا ضروری ہے اس لئے جب زمین کو قاضی کی مجلس تک لانا مشکل ہے تو اس کے پہچاننے کی یہی صورت ہے کہ اس کے حدود کو بیان کیا جائے۔اب اگر جائیداد ایسی ہو جو مشہور ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک اس کے حدود کا ذکر ضروری نہیں،اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائیداد مشہور ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں حدود کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

---

(1) نفس مصدر،۴:۸

(2) أنيس الفقهاء في تعريفات الألفاظ المتداولة بين الفقهاء، قاسم بن عبد اللہ،۱:۹۹،دار الکتب العلمیہ،۲۰۰۴ء

(3) بدائع الصنائع،۵:۱۷۶

(4) مسندالإمام احمد بن حنبل،ابوعبد اللہ،احمد بن محمد بن حنبل،۳۴:۲۹۹،حدیث نمبر:۲۰۶۹۵،مؤسسۃ الرسالۃ،۱۴۲۱ھ

(5) ردالمحتارعلی الدرالمختار ،۶:۱۲۹

(6) فتاویٰ عالمگیری،۴:۸

ان میں راجح قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔[1]

۲۔حدود اربعہ کا ذکر ضروری ہے یا نہیں۔امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چاروں حدود ذکر کردے یا تین ذکر کردے دونوں صورتوں میں دعویٰ صحیح ہے،

امام زفرؒ[2] کے نزدیک چاروں حدود کا ذکر کرنا ضروری ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو حدود کا ذکر کافی ہے۔[3]

بعض علمائے کرام نے امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے لیکن راجح قول طرفینؒ کا ہے۔[4]

۳۔حدود والوں کے نام بھی ضروری ہے اس لئے کہ تعریف ان کے ناموں کے ذریعے حاصل ہو گی۔

۴۔حدود والوں کی ان کے دادا کی طرف نسبت بھی ضروری ہے اس لئے تعریف اس کے ذریعے مکمل ہو گی اور اگر اصحاب حدود مشہور ہوں تو صرف ان کے نام پر اکتفاء کیا جائے گا اور دادا کا ذکر ضروری نہیں، یہ تفصیل امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

اور یہی راجح قول ہے۔[5]

۵۔اسی طرح دعویٰ زمین میں ضروری ہے کہ اس شہر کا ذکر کرے جس میں یہ زمین ہو پھر محلّہ اور کوچہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، یعنی عام سے خاص کی طرف چلا جائے گا یہ امام محمدؒ کی رائے ہے۔[6]

تقابل:

Where the subject matter of the suit is immovable property.Where the subject matter of the suit is immovable property, the plaint shall contain a descripation of the property sufficient to identify it, and, in case such property can be identified by boundaries or numbers in a record of settlement of survey,the plaint shall specify such boundaries or numbers.[7]

پاکستان کے مرّوجہ قانون سول پروسیجر کوڈ کے مطابق غیر منقول اشیاء کے دعویٰ میں حدود کا ذکر کرنا ضروری ہے اس لئے جب غیر منقولی چیز کو قاضی کی مجلس تک لانا مشکل ہے تو اس کی پہچاننے کی یہی صورت ہے کہ اس کے حدود کو بیان کئے جائے۔اور یا کی گئی سروے میں اس کا موجود نمبر ریکارڈ کرانا۔شرعی اور وضعی قوانین میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

دفعہ ۲۶:راستہ، چاردیواری اور نہر، حدود ہو سکتی ہیں۔[8]

وضاحت:

اگر کسی محدود کا دعویٰ کیا جائے اور اس کی ایک حد یا تمام حدیں مدّعی کی ملک سے ملحق ہو تو حد فاصل بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں اور کون کون سی چیزیں حد فاصل واقع ہو سکتی ہیں اور کون کون سے نہیں۔

---

(1) قرةعين الأخيارلتكملةردالمحتارعلى الدرالمختار،۲۷:۸

(2) امام زفر بن ہذیل بن قیس بصری حنفی (پیدائش:۱۱۰ھ–وفات:۱۵۸ھ)، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں، بصرہ کے قاضی بھی رہے اور بصرہ ہی میں ان کی وفات ہوئی[طبقات الفقهاء، ابو اسحاق، ابراہیم بن علی، شیرازی، ۱:۱۳۵، دارالرائد العربی، بیروت، ۱۹۷۰ء]

(3) فتح القدير،۱۶۲:۸

(4) قرةعين الأخيارلتكملة ردالمحتار على الدر المختار،۲۸:۸

(5) الهداية في شرح بداية المبتدي،۱۵۵:۳

(6) البحرالرائق،۱۹۷:۷

(7) Civil Procedure code1908,P:475,Order:7,Rule.3

(8) فتاویٰ عالمگیری،۱۰:۴

ایک قول یہ ہے کہ حد بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اختلاف ملکیت کی وجہ سے ہر ایک کے حدود جدا ہو گئے۔ اگر مدّ عیٰ علیہ کی ملک سے متصل ہو تو حد فاصل ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ مدّ عی بہ زمین، بیت، منزل یا دار ہو تو فاصل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔
راستہ حد ہو سکتا ہے اور اس کے طول و عرض بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہر حد ہو سکتا ہے یا نہیں تو امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے۔ کہ نہر اور چار دیواری حد نہیں ہو سکتی، تاہم اصح قول یہ ہے کہ نہر خندق کی طرح حد ہو سکتا ہے اور چار دیواری بھی حد ہو سکتا ہے۔
درخت فاصل نہیں ہو سکتا ہاں اگر درخت تمام مدّ عی بہ کو محیط ہو تو پھر حد ہو سکتی ہے۔[1]

دفعہ ۲۷: مستثنیات کی تحدید اس طرح ضروری ہے کہ اس کا امتیاز غیر سے حاصل ہو جائے۔[2]

وضاحت:

مستثنیات سے مراد عام راستہ، مسجد، مقبرہ اور حوض ہیں۔ ان اشیاء کی حد بندی اس طرح ضروری ہے کہ غیر سے اس کا امتیاز حاصل ہو جائے۔
امام سرخسیؒ[3] گاؤں خریدنے میں مسجدوں، مقبروں، عام راستوں اور حوضوں کے حدود و مقدار طول و عرض بیان کرنے کی شرط لگاتے تھے، اور جن دستاویزوں میں ان چیزوں کی استثناء حدود بیان کئے مذکور ہوتی تھی ان کو رد کرتی تھی۔ جو ہمارے زمانے میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ دونوں عقد کرنے والے اس تمام مبیع کو پہچانتے ہوں جس پر عقد ہوا ہوں تو مختار قول یہ ہے کہ یہ بات مردود ہے کیونکہ گواہی کے وقت قاضی کو مبیع معلوم نہیں ہو سکتی پس تعین کرنا ضروری ہے۔[4]

تقابل:

Grounds of exemption from limitation law.[5]

قانون میعاد سے استثناء کے وجوہات کا ذکر کرنا لازمی ہے۔ شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

دفعہ ۲۸: اگر مدّ عی دعویٰ کے موافق حدود بیان کریں تاہم زمین میں موجود پیداوار میں کمی یا زیادتی ذکر کریں تو یہ دعویٰ مسموع ہو گا۔[6]

وضاحت:

مدّ عی اور گواہوں کو حتی الامکان اس بات کی آگاہی ضروری ہے کہ ان کو معلوم ہو کہ یہ بیت مثلاً جس کا دعویٰ کیا گیا ہے کون سے شہر اور محلّے میں واقع ہے۔ اس لئے کہ اگر قاضی نے مدّ عی سے دریافت کیا کہ تو اس کے حدود کو پہچانتا ہے اور اس نے کہا کہ نہیں، پھر اس نے دعویٰ کیا اور حدود بیان کئے تو اس دعویٰ کی سماعت نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں اہل حدود کے نام سے واقف نہیں ہو پھر دوبارہ دعویٰ کر کے اس کو بیان کرے تو اس دعویٰ کی سماعت ہو گی۔

---

(1) البحرالرائق، ۱۹۸:۷

(2) نفس مصدر، ۱۰:۴

(3) شمس الائمہ، محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی (وفات: ۴۸۳ھ)، اساتذہ میں شمس الائمہ حلوانی اور شیخ الاسلام سغدی حنفی مشہور ہیں۔ فقہ حنفی کے امام، متکلم، اور فقیہ تھے، آپ کی تصنیفات میں المبسوط، شرح السیر الکبیر، شرح الجامع الکبیر اور اصل السرخسی شامل ہیں۔
[سلم الوصول الی طبقات الفحول، مصطفی بن عبداللہ القسطنطینی، ۲۶۱:۲، مکتبہ ارسیکا، استانبول ترکیا، ۲۰۱۰ء]

(4) البحرالرائق، ۱۹۸:۷

(5) Civil Procedure Code1908,P:478,Order:7,Rule:6

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۱۱:۴

اگر کوئی محدود کے دعویٰ میں حدود صحیح بیان کرے لیکن اس میں جو فصل ہے اس کے بیان میں غلطی کرے جیسے کہے کہ اس میں درخت ہیں پھر معلوم ہوا کہ اس میں درخت نہیں ہیں تو دعویٰ باطل نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر حدود موافق دعویٰ بیان کئے لیکن مقدار زمین میں غلطی کا مرتکب ہوا یا اس میں جو پیدوار ہوتی ہے اس کو کم یا زیادہ بیان کیا تو دعویٰ مسموع ہو گا۔[1]

دفعہ ۲۹: دعویٰ اور گواہی میں حدود بیان کئے اور محدود کا نام نہ لیا تو دعویٰ او گواہی صحیح نہیں۔[2]

وضاحت:

اگر کسی محدود کا دعویٰ کیا کہ فلاں موضع میں ہے اور حدود بیان کر دیں اور محدود کا نام نہ لیا کہ انگور کا باغ ہے یا زمین ہے یا دار ہے اور گواہوں نے بھی ایسی گواہی دی تو شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ دعویٰ اور گواہ صحیح نہیں ہے.

شمس الائمہ اوزجندیؒ[3] کا فتویٰ منقول ہے کہ مدّعی نے اگر شہر، محلّہ اور موضع کو بیان کیا تو دعویٰ صحیح ہے اور محدود کا بیان چھوڑ دینے سے مدّعیٰ میں جہالت نہیں آتی۔

ظہیر الدین مرغینانیؒ[4] جواب فتویٰ میں تحریر کرتے تھے کہ اگر کسی قاضی نے ایسا دعویٰ سنا تو جائز ہے اور بعض نے کہا کہ شہر، گاؤں اور محلّہ کا ذکر کرنا لازم نہیں ہے۔ رشید الدینؒ[5] نے بیان کیا کہ اس کی وضاحت ضروری ہے کہ کس گاؤں اور جگہ میں ہے تا کہ جہالت مرتفع ہو۔[6]

دفعہ ۳۰: غیر کی ملکیت میں کسی چیز کا دعویٰ کرے تو اس چیز کی پوری تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔[7]

وضاحت:

کسی غیر کی ملکیت میں کسی چیز کا دعویٰ کیا تو اس کی تفصیل بیان کرنا لازمی ہے، جیسے کسی شخص کے گھر میں اپنے بہنے کے راستے کا دعویٰ کیا تو اس کو بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ بارش کے پانی بہنے کی نالی ہے یا وضو کے پانی کا، یہ بھی بیان کرنا ہے کہ گھر کے کون سے حصّے میں ہے مقدم میں یا مؤخر میں۔

اسی طرح کسی گھر میں اپنا راستہ ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی جگہ اور طول و عرض بیان کرنا لازمی ہے۔ اگر دعویٰ کیا کہ فلاں نے میری زمین میں نہر کھود کر اس کے ذریعے اپنی زمین میں پانی لے گیا ہے تو ضروری ہے کہ زمین میں نہر کھودی ہے اس کو بیان کرے، نہر کی جگہ کہ

---

(1) قرة عين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار، ۳۱:۸

(2) نفس مصدر، ۱۱:۴

(3) شمس الائمہ اوزجندی، ابوالمحاسن، حسن بن منصور بن محمود، بخاری، حنفی، بہت سے تصانیف کے مالک ہے۔ اساتذہ میں سے ظہیر الدین، حسن بن علی اور ابراہیم بن عثمان صفاری ہیں۔ اور تلامذہ میں سے جمال الدین، محمود بن احمد حصیری ہے۔ ۵۹۲ھ کو وفات پا گئے۔ آپ کی تصانیف میں سے اَمالی، الواقعات، المحاضر، شرح الزیادات اور شرح الجامع الصغیر ہیں۔ [الأعلام، ۲۲۴:۲]

(4) علی بن عبد العزیز مرغینانی (وفات: ۵۰۶ھ)، لقب ظہیر الدین اور کنیت ابو الحسن ہے، ان کے شاگردوں میں علامہ فخر الدین قاضی خان زیادہ مشہور ہیں، اساتذہ میں امام سراج الائمۃ برہان الدین عبد العزیز بن مازہ اور شمس الدین محمود شامل ہیں۔ فقہ حنفی کے بڑے عالم تھے۔ [الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ۳۶۴:۱]

(5) رشید الدین، اسماعیل بن عثمان بن محمد، حنفی، مشہور عالم تھے۔ تاتار کے زمانہ میں دمشق آئے تھے اور قاضی کے عہدہ سے انکار کیا اور رجب ۷۱۴ھ میں وفات پا گئے۔ [الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة، ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی، ۴۳۹:۱، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ہند، ۱۳۹۲ھ]

(6) تبيين الحقائق، ۲۹۲:۴

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۱۱:۴

بائیں طرف ہے یا دائیں طرف اور نہر کا طول و عرض اور عمق بھی بیان کرے۔ مدّعیٰ علیہ کے اقرار کی صورت میں دعویٰ اقرار سے ثابت ہو گا اور انکار کی صورت میں اس سے قسم لیا جائے گا۔

اگر اپنی زمین میں عمارت بنا لینے کا دعویٰ کیا تو اس کے دعویٰ کی سماعت اس وقت ہو گی جب وہ زمین کو اور عمارت کے طول و عرض کو اور یہ کہ لکڑی کی ہے یا مٹی کی کو بیان نہ کرے۔[1]

دفعہ ۳۱: کسی غیر کی زمین فروخت کر کے سپرد کر دینے سے اس کی قیمت واجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کسی کی موجودگی میں کوئی زمین فروخت کیا جائے اس وقت خاموش رہے اور پھر دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ مقبول نہ ہو گا۔[2]

وضاحت:

کسی کی مال کو ضائع کر دینے سے اس کا ضمان لازم ہو جاتا ہے جیسے گواہوں نے کسی کے لئے گواہی دے دی اور اس کی گواہی پر قاضی نے فیصلہ سنایا، فیصلے کے بعد گواہوں نے کہا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی تھی تو یہ دونوں گواہ اس نقصان کے ضامن ہونگے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی شخص کا گھر فروخت کر کے اس کو مشتری کے سپرد کرے اور مالک مکان دعویٰ کرے تو بائع مالک کے لئے ضامن ہو گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا اصح قول ہے۔ لیکن اگر مالک دعویٰ میں گھر کی قیمت کی وصولی اور بیع کی اجازت کا ذکر کرے تو دعویٰ صحیح ہو گا۔

رشتے داروں کی موجودگی میں زمین فروخت کی جائے اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر کے ایک زمانہ تک اس میں تصرف کرتا رہا۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے کسی اس زمین پر دعویٰ کیا تو ان کا یہ دعویٰ مسموع نہ ہو گا۔ کیونکہ بیع کے وقت خاموش رہنا بمنزلہ رضا کے ہے۔[3]

دفعہ ۳۲: دعویٰ میراث میں ورثاء کی تفصیل اور حصے بیان کرنا لازمی ہے اور مورِث کا نام لینا ضروری ہے۔[4]

وضاحت:

کسی شخص نے ایک گھر پر دعویٰ کیا جو دوسرے کے قبضے میں ہے کہ یہ گھر میرے باپ کا تھا اور مجھے میراث میں چھوڑا ہے اور اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کئے تو اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ مدّعی نے گھر کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ یہ گھر مرنے تک اس کے باپ کے پاس تھا اور اس کو میراث میں چھوڑا ہے اور یہ گواہی بھی دی کہ اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں تو مدّعی کا دعویٰ قبول ہو گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ گواہ اس بات کی گواہی دے کہ یہ گھر مرنے تک اس کے باپ کے پاس تھا تو گھر مدّعی کا ہو گا اگرچہ گواہ اس بات کی گواہی نہ دے کہ یہ گھر اس کو میراث میں چھوڑا ہے کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد مال میراث میں ورثاء کو ملتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ گواہی دے کہ یہ گھر موت کے دن اس کے باپ کے قبضے میں تھا اس صورت میں بھی مدّعی کا ہو گا کیونکہ موت کے وقت قبضہ میں ہونا اس کی بات کی علامت ہے کی یہ اس کی ملکیت ہے۔

لیکن اگر اس کے علاوہ دوسرے ورثاء بھی ہوں تو ان کی وضاحت ضروری ہے اور مورث کا نام بھی بیان کرنا لازمی ہے۔[5]

---

(1) المحیط البرہانی، ۱۶:۹

(2) نفس مصدر، ۱۲:۴

(3) البنایۃ شرح الھدایۃ، ۱۹۵:۱۱

(4) نفس مصدر، ۱۲:۴

(5) بدائع الصنائع، ۲۷۴:۶

تقابل:

List of legal representatives of plaintiff.[1]

میراث کے دعویٰ میں مدّعی کے ذمہ ہے کہ وہ ورثاء کی ایک فہرست مرتب کرے اور اس میں ہر ایک کے حصہ کی وضاحت کرے۔

دونوں قسم کے قوانین میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

دفعہ ۳۴: مدّعی مال معین کا مدّعیٰ علیہ پر دعویٰ کرے اور مدّعیٰ علیہ اپنے اوپر لزوم مال کا اقرار کرے تو دعویٰ تب صحیح ہو گا جب مدّعی یہ کہے کہ یہ میری ملکیت تھی۔[2]

وضاحت:

اگر مدّعی مال معین کا مدّعیٰ علیہ پر دعویٰ کرے اور یہ کہا کہ مدّعیٰ علیہ بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ مال میری ملکیت ہے تو اکثر علما کے نزدیک اس صورت میں اس کا دعویٰ مقبول ہو گا لیکن اگر اس بات کا تذکرہ نہ کرے کہ یہ میری ملکیت نہیں تو اس کا دعویٰ مسموع نہ ہو گا اگر مدّعیٰ علیہ انکار کرے تو انکار کی صورت میں اس سے قسم لی جائے گی۔

ملکیت کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اقرار خبر ہے اور خبر صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے اس لئے اس کے ذریعے غیر پر کوئی چیز لازم نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کا دعویٰ کیا جائے اقرار کے سبب تو یہ دعویٰ صحیح نہ ہو گا۔[3]

باب ۳: قسم کے بیان میں:

تعریف یمین: لغت میں قسم بمعنی قوت کے آتا ہے، شریعت میں قسم سے مراد خبر کے ایک طرف کو اللہ تعالیٰ کے نام مضبوط کرنا ہے۔

اور فقہاء کی اصطلاح میں کسی امر کو اللہ تعالیٰ کے نام یا اوصاف میں سے مؤکد کرنا قسم کہلاتا ہے۔[4]

دفعہ ۳۵: نفس دعویٰ سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ مدّعی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے گا اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدّعیٰ علیہ سے قسم لیا جائے گا۔[5]

وضاحت:

کسی پر دعویٰ کیا جائے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو گا۔ مدّعیٰ علیہ اقرار کرے گا یا انکار۔

اقرار کی صورت میں تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ لیکن اگر انکار کرے تو مدّعی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے گا اور گواہوں کی گواہی سے اس چیز کی ملکیت مدّعی کے لئے ثابت ہو جائے گی۔ اب اگر مدّعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ سے قسم لیا جائے گا۔[6]

تو مدّعی کے ذمے گواہ پیش کرنے ہیں اور مدّعیٰ علیہ کے ذمے قسم کھانا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ مدّعی گواہ پیش کرے گا اور مدّعیٰ علیہ قسم کھائے گا۔[7]

---

(1) Civil Procedure Code1908,P:496,Order:7,Rule;26

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۳

(3) البحرالرائق، ۷:۱۹۶

(4) أنيس الفقهاء في تعريفات الألفاظ المتداولة بين الفقهاء، ۱:۶۱

(5) نفس مصدر، ۴:۱۳

(6) الهداية، ۳:۱۵۵

(7) سنن ترمذی، أبواب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في أن البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه، حدیث نمبر: ۱۳۴۱، امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے۔

اس حدیث سے تقسیم معلوم ہوتا ہے مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کے افعال کا۔ یہی احناف ؒ کی رائے ہیں۔

اس کے برعکس جمہور علمائے کرام ؒ فرماتے ہیں کہ اگر معاملہ اور قضیہ حدود اور قصاص کے علاوہ اموال میں ہو اور مدّعی کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو مدّعی دوسرے گواہ کی تکمیل کے لئے خود ایک قسم کھا سکتا ہے۔ تا کہ گواہی مکمل ہو جائے اور مدّعی کا دعویٰ ثابت ہو جائے۔[1]

جمہور نبی کریم ﷺ کی اس ارشاد گرامی سے استدلال کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مدّعی نے دعویٰ کر دیا اور اس کے پاس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دو گواہ نہ ہوں تو وہ ایک گواہ پیش کرے اور ایک قسم کھائے تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور مال حاصل ہو جائے گا۔

اس حدیث کے جواب میں احناف ؒ لکھتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس روایت میں انقطاع ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے پھر بھی درست نہیں کیونکہ یہ روایت عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔

تیسرا یہ کہ اس حدیث کا تعلق حفظ دماء سے ہے یہ ضابطہ نہیں بلکہ ایک معروضی فیصلہ تھا جس کے پیش نظر یہ حکم آیا ہے واقعہ اس طرح ہے کہ بنو عنبر کے کچھ کفار میدان جہاد میں پکڑے گئے تھے جب وہ مدینہ لائے گئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم جس وقت پکڑے گئے اس وقت ہم مسلمان تھے اس پر ان کے پاس ایک گواہ تھا اور دوسرے گواہ کے لئے ان سے قسم لی گئی تو شبہ آ گیا جس سے ان کے خون کی حفاظت ہو گئی یا یہ حدیث صلح کی کسی صورت پر محمول ہے۔[3]

تقابل:

The burden of proof in a suit or proceeding lies on that person who would fail if no evdidence at all were given on either side.[4]

پاکستان کے مروّجہ قانون الشہادت (۱۹۸۴ء) کے مطابق دعویٰ کو ثابت کرنا مدّعی کے ذمہ ہے۔ اور ثبوت دعویٰ کے دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ مدّعی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے۔

دوسرا یہ کہ مدّعیٰ علیہ اقرار کرے۔ لیکن اگر مدّعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ گواہ پیش کرے گا۔ اس قانون میں مدّعیٰ علیہ پر قسم پیش کرنے کا تصور نہیں پایا جاتا۔ جس طرح اسلامی قانون میں مدّعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدّعیٰ علیہ سے قسم لینے کا جو تصور ہے۔ تو شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہے۔

---

(1) البنایہ شرح الهدایہ،۳۲۵:۹

(2) المسندالصحیح المختصربنقل العدل عن العدل الیٰ رسول اللہ صلی الله علیه وسلم ،ابوالحسن، مسلم بن حجاج،کتاب الحدود،باب القضا بالیمین والشاهد، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بيمين وشاهد" حدیث نمبر:۱۷۱۲،داراحیاء التراث العربی،بیروت

(3) عمدةالقاری شرح صحیح البخاری، بدرالدین عینی، ابومحمد، محمود بن احمد،۲۴۵:۱۳،داراحیاء التراث العربی،بیروت

(4) Muhmmad Iqbal,The Qanun-e-Shahadat1984,P:186,P:186,Chapter:9, Article:118, PLD Publishers,Lahore,2016

دفعہ ۳۶: مدّعی کی درخواست پر مدّعیٰ علیہ سے قسم لیا جائے گا لیکن چند مسائل میں مدّعی کی کہنے سے پہلے قاضی مدّعیٰ علیہ سے قسم لے گا۔[1]

وضاحت:

ہر قسم دعویٰ میں مدّعی کے طلب کرنے پر قاضی مدّعیٰ علیہ سے قسم لے گا یا چند مسائل اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

تو طرفینؒ کے نزدیک ہر قسم دعویٰ میں مدّعی کی درخواست پر مدّعیٰ علیہ سے قسم لیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ ان سے چار مسائل کا استثناء کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان مسائل میں مدّعی کی درخواست سے قبل قاضی مدّعیٰ علیہ سے قسم لے گا۔

ایک یہ کہ: شفیع اگر قاضی سے شفعہ کا حکم طلب کیا تو قاضی اس سے قسم لے گا کہ واللہ میں نے شفعہ طلب کیا جس وقت مجھے خریداری کی خبر معلوم ہوئی۔

دوسرا یہ کہ: باکرہ عورت نے بلوغت کے بعد نکاح کا فسخ کرنا چاہا اور قاضی سے تفریق کی درخواست کی تو اس سے قاضی قسم لے گا کہ تو نے بلوغت کے وقت سے ہی جدائی اختیار کر لی تھی۔

تیسرا یہ کہ: اگر عیب کی وجہ سے مشتری مبیع کو واپس کرے تو اس سے قاضی قسم لے گا کہ جب سے تو نے دیکھا ہے تب سے تو عیب پر راضی نہیں ہے اور نہ بیع کے لئے پیش کیا ہے۔

چوتھا یہ کہ: عورت نے قاضی کو درخواست کی کہ اس کا شوہر غائب ہے لہذا اس کے مال سے میرے لئے نفقہ مقرر کر دے تو قاضی اس کو کہے گا کہ تو قسم کھا کہ تیرے شوہر نے جاتے وقت تجھے نفقہ نہیں دیا تھا۔

استحقاق کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خصم کے طلب کرنے کے بغیر مستحق سے قسم لے گا کہ واللہ کہ نہ میں اس کو فروخت کیا ہے اور نہ اس کو ہبہ کیا ہے جبکہ طرفینؒ اس خصم کی درخواست کے بغیر قسم نہیں لے گا۔

مذکورہ بالا مسائل میں طرفینؒ اور اما ابو یوسفؒ کا اختلاف تھا، البتہ اس مسئلے میں سب کا اتفاق ہیں کہ میت پر قرض کا دعویٰ کیا جائے تو وصی اور وراث کے کہنے کے بغیر اس سے قسم لیا جائے گا۔[2]

دفعہ ۳۷: گواہوں کی موجودگی میں قسم نہیں لی جائے گی لیکن چند مسائل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ اگر گواہ موجود ہو لیکن مجلس قضا میں حاضر نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ سے قسم نہیں لیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

جب کوئی بات براہین اور دلائل سے واضح ہو جائے تو قسم کھانے کی ضرورت نہیں مگر چند مسائل میں گواہوں سے بغیر مدّعی کے کہنے کے قسم لی جائے گی۔ ان مسائل کی تفصیل درجہ ذیل ہیں۔

ایک یہ کہ: ہر وہ حق جس میں میت کے ترکہ میں دعویٰ کیا جائے اور گواہوں سے اس کو ثابت کرے تو خصم کی درخواست کے بغیر اس سے قسم لی جائے گی۔ کہ واللہ! میں نے اپنا وصول نہیں کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ: مبیع میں گواہوں سے استحقاق ثابت کرنے والے کو مدّعیٰ علیہ سے قسم لینے کا اختیار ہے کہ واللہ! میں نے اس کو فروخت نہیں کیا، نہ ہبہ کیا، نہ صدقہ کیا اور نہ یہ عین میری ملک سے خارج ہوئی ہے۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۱۴:۴

(2) ردالمحتارعلی الدرالمختار، ۵۴۸:۵

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۱۴:۴

تیسرا یہ کہ: جو شخص کسی بھاگے ہوئے غلام کا گواہوں سے دعویٰ کرے اس سے قسم لی جائے گی کہ واللہ! یہ غلام میری ملک میں ابھی تک باقی ہے بیع کر دینے یا ہبہ کر دینے خارج نہیں ہوا ہے۔[1]

اگر مدّعی نے دعویٰ کیا اور کہا کہ میرے گواہ شہر میں ہیں اور مدّعیٰ علیہ سے قسم کی درخواست کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے قسم نہیں لی جائے گی لیکن اس سے کہا جائے گا کہ تین دن کے لئے اپنی ذات کا کفیل دے تا کہ تو غائب نہ ہو جائے کہ مدّعی کا حق برباد ہو اور یہ ضروری ہے کہ کفیل ثقہ ہو اور گھر اس کا معروف تا کہ کفیل لینے کا فائدہ حاصل ہو۔

اگر مدّعی نے کہا کہ میرے گواہ نہیں ہے یا غائب ہے تو اس صورت میں کفیل لینے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس کا فائدہ ہے کہ گواہوں کی موجودگی کے وقت وہ حاضر ہو جائے اور یہ معدوم چیز میں محال ہے اور غائب بھی معدوم کی طرح ہوتا ہے۔[2]

دفعہ ۳۸: مدّعیٰ علیہ کے نکول کی وجہ سے مدّعی کا مال اس پر لازم ہو جائے گا تاہم مدّعیٰ علیہ پر ایک بار قسم پیش کرے گا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ قاضی اس پر تین مرتبہ قسم پیش کرے۔[3]

وضاحت:

مدّعی کے بینہ پیش نہ کرنے کی صورت میں اگر مدّعیٰ علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدّعیٰ علیہ کے انکار قسم کی وجہ قاضی مدّعیٰ علیہ کے خلاف حکم دے گا اور مدّعی نے جو کچھ اس پر دعویٰ کیا، قاضی اس کو مدّعیٰ علیہ کے ذمہ لازم کرے گا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مدّعیٰ علیہ کے انکار کرنے قاضی کو فیصلہ دینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ قسم مدّعی پر لوٹائی جائے گی۔ چنانچہ اگر مدّعی قسم کھا گیا تو قاضی اس کے حق میں صادر کر دے گا اور اگر مدّعی نے بھی انکار کر دیا تو مقدمہ خارج ہو جائے گا۔ بہر حال مدّعی کے قسم کھانے کی صورت میں اس کے حق میں فیصلہ اس لئے صادر کیا جائے گا کہ مدّعیٰ علیہ کا قسم سے انکار کرنا اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ شاید مدّعیٰ علیہ جھوٹی قسم سے پرہیز کرنا چاہتا ہو یا سچی قسم سے احتیاط کرنا چاہتا ہو۔ الغرض مدّعیٰ علیہ کا حال مشتبہ ہو گیا اور اس احتمال اور اشتباہ حال کے ساتھ مدّعیٰ علیہ کا انکار مدّعی کے حق میں حجت واقع نہیں ہو سکتا ہے اور مدّعی کا قسم کھانا مدّعی کے حق پر ہونے کی بین دلیل ہے۔ لہٰذا مدّعی کی قسم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قاضی مدّعی سے قسم کا مطالبہ کرے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مدّعیٰ علیہ کا قسم انکار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مدّعیٰ علیہ مدّعیٰ بہ کو دلیری اور جرأت کے ساتھ دینا چاہتا ہے۔ یعنی یہ کہتا ہے کہ مدّعی کا دعویٰ غلط ہے لیکن میں قسم نہ کھا کر مدّعیٰ بہ ادا کر دوں گا یعنی ناحق طور پر ادا کرنا گوارا ہے لیکن قسم کھانا منظور نہیں ہے۔ یا مدّعیٰ علیہ اس کے دعویٰ کا اقرار کرنا چاہتا ہے، یعنی یہ کہتا ہے کہ مدّعی کا دعویٰ درست ہے، لہٰذا میں جھوٹی قسم نہ کھاؤں گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوئی تو وہ شریعت کی واجب کردہ قسم کو ادا کرنے کے لئے اور اپنے اوپر سے ضرر کو دور کرنے کے لئے قسم کا اقدام ضرور کرتا۔ پس اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مدّعی کے دعویٰ کا اقرار کرتا ہے، یا قسم کو چھوڑ کر دلیری سے مدّعیٰ بہ ادا کرنا چاہتا ہے۔[4]

قاضی کے لئے مناسب ہے کہ وہ مدّعیٰ علیہ سے یوں کہے کہ میں تجھ پر تین بار قسم پیش کرتا ہوں، پس اگر تو نے قسم کھائی تو فبہا، ورنہ تو میں تجھ پر اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس کا مدّعی نے دعویٰ کیا ہے اور یہ ڈرانا اس کو انکار قسم کے حکم کی خبر دینے کے لئے ہے کیونکہ یہ پوشیدگی کا مقام ہے۔ پس جب قاضی نے مدّعیٰ علیہ پر تین بار قسم پیش کی تو انکار کی وجہ سے اس کے خلاف حکم کرے گا اور تین بار قسم کا پیش کرنا

---

(1) البحرالرائق، ۷:۲۰۴

(2) العناية شرح الهداية، ۸:۱۹۳

(3) نفس مصدر ۴:۱۴

(4) العناية شرح الهداية، ۸:۱۷۹

امام خصافؒ [1] نے ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط اور اظہار عذر میں مبالغہ ہے۔ بہر حال مذہب تو یہ ہے کہ اگر ایک بار پیش کرنے کے بعد انکار کی وجہ سے قاضی نے حکم دے دیا تو یہ بھی جائز ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے اور وہی صحیح ہے اور اوّل اولیٰ ہے۔ [2]

اگر مدّ عیٰ علیہ نہ انکار کرتا ہے اور نہ اقرار تو قاضی اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ مدّ عیٰ علیہ انکار کرے یا اقرار۔ [3]

دفعہ ۳۹: نکاح، رجعت، ایلاء رجعت، رقیّت، استیلاد، ولاء، نسب، حدود اور لعان میں مدّ عیٰ علیہ سے قسم نہیں لیا جائے گا۔ [4]

وضاحت:

نو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں مدّ عیٰ علیہ سے قسم لینے اور نہ لینے میں علمائے احنافؒ کا آپس میں اختلاف ہیں۔ ان میں دو چیزیں یعنی حدود اور لعان ایسے ہیں کہ ان میں بالاتفاق مدّ عیٰ علیہ سے قسم نہیں لیا جائے گا۔ باقی سات چیزوں میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدّ عیٰ علیہ سے قسم نہیں لیا جائے گا یعنی اگر مدّ عی کے پاس گواہ نہ ہو تو مقدمہ خارج کر دیا جائے گا اور قاضی کو مدّ عی کے حق میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ان میں بھی مدّ عیٰ علیہ سے قسم لیا جائے گا، فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہیں۔

جن سات چیزوں میں اختلاف ہیں ان کی تفصیل درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نکاح۔ مرد نے کسی عورت پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے، یا عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد اس کا منکر ہے۔

۲۔ رجعت۔ مرد نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور اس کی عدت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد مرد نے دعویٰ کیا کہ میں نے عدت کے زمانہ میں رجعت کر لی تھی، مگر عورت اس کی منکر ہے، یا عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے عدت کے زمانہ میں رجوع کیا تھا، مگر مرد اس کا منکر ہے۔

۳۔ ایلاء رجعت۔ زمنہ ایلاء گزرنے کے بعد مرد نے دعویٰ کیا کہ میں مدت ایلاء میں اس کو رجوع کر چکا ہوں اور عورت اس کی منکر ہے، یا عورت نے رجوع کرنے کا دعویٰ کیا اور مرد نے اس کا انکار کیا۔

۴۔ رقیّت۔ ایک شخص نے مجہول النسب آدمی کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور مجہول النسب نے اس کا انکار کیا، یا مجہول النسب نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا غلام ہوں اور اس نے اس کا انکار کیا۔

۵۔ استیلاد۔ ایک باندی نے اپنی مولیٰ پر دعویٰ کیا کہ میں نے ان کے نطفہ سے ایک بچہ جنا ہے اور مولیٰ نے اس کا انکار کیا۔

۶۔ نسب۔ ایک شخص نے ایک مجہول النسب پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا میرا باپ ہے اور مجہول النسب نے اس کا انکار کیا، یا مجہول النسب نے اس بات کا دعویٰ کیا اور اس شخص نے انکار کیا۔

---

(1) ابو بکر، احمد بن عمرو، جو خصاف کے نام سے مشہور ہے۔ حنفی عالم ہے۔ آپ نے الحیل، الشروط الکبیر، الرضاع، العصیر واحکامہ، احکام الوقوف اور ادب القاضی جیسے کتابیں تصنیف کی ہے۔ آپ نے وہب بن جریر، واقدی، ابی نعیم، عمرو بن عاصم اور دوسرے حضرات استفادہ کیا ہے۔ بغداد میں ۲۶۱ھ میں وفات پاگئے۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۰:۲۸۵)

(2) المبسوط، شمس الائمہ، سرخسی، محمد بن احمد، ۱۷:۳۴، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

(3) قرۃ عين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار، ۸:۴۱

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۵

۷۔ ولاء۔ ایک شخص نے ایک مجہول النسب آدمی کے بارے میں دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو آزاد کیا ہے اور میں اس کا مولیٰ ہوں، مگر مجہول النسب نے اس کا انکار کیا، یا مجہول النسب نے اس بات کا دعویٰ کیا اور اس نے اس کا انکار کیا۔ (1)

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مدّ عیٰ علیہ کا قسم کھانے سے انکار ایک طرح سے مدّعی کے دعویٰ کا اقرار ہے کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدّ عیٰ علیہ مدّعی کے دعویٰ کا انکار کرنے میں بالکل جھوٹا ہے، اس لئے کہ اگر مدّ عیٰ علیہ انکار دعویٰ میں جھوٹا نہ ہوتا تو وہ قسم کھانے کا اقدام ضرور کرتا کیونکہ قسم کھانے میں تین فائدے ہیں:

ایک تو یہ کہ مدّ عیٰ علیہ اپنے اوپر شریعت کے واجب شدہ حق یعنی قسم کو ادا کرنے والا ہوتا۔

دوم یہ کہ اپنے اوپر سے تہمت کذب کے ضرر کو دور کرنے والا ہوتا۔

سوم یہ کہ مال مدّ عیٰ بہ کو اپنے ملک میں باقی رکھنے والا ہوتا۔

ان فوائد کے باوجود قسم کھانے سے پہلو تہی کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدّ عیٰ علیہ انکار دعویٰ میں بالکل جھوٹا ہے، اور مدّ عیٰ علیہ کا انکار مدّعی کے دعویٰ کا اقرار ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مدّ عیٰ علیہ کا قسم سے انکار کرنا بذل یعنی دلیری کے ساتھ دینے کا ارادہ ہے اور بذل کی صورت میں قسم واجب نہیں رہتی، کیونکہ قسم سے مقصود جھگڑے کو دور کرنا ہے اور بذل کی صورت میں بھی جھگڑا دور ہو جاتا ہے، لہٰذا بذل کو قسم واجب نہ ہوگی۔ (2)

دفعہ ۴۰: حدود اور لعان میں بالاتفاق مدّ عیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی، البتہ سرقہ اور قصاص کی صورت میں قسم لی جائے گی۔ (3)

وضاحت:

حدود اور لعان میں مدّ عیٰ علیہ سے قسم نہ لینے پر علمائے احنافؒ کا آپس میں اتفاق ہیں، البتہ سرقہ اور قصاص کی صورت میں مدّ عیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔

اگر چور قسم کھا گیا تو چور پر نہ تو مال واجب ہوگا اور نہ قطع ید واجب ہوگا اور اگر اس نے قسم سے انکار کر دیا تو وہ مال کا ضامن ہوگا لیکن اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ چور کے فعل سرقہ سے دو باتیں متعلق ہوتی ہیں: ایک تو مال مسروق کا ضمان، دوم قطع ید۔ قسم سے انکار چونکہ مال کے ضمان میں کارآمد ہوتا ہے یعنی انکار قسم سے ضمان واجب ہو جاتا ہے اس لئے چور پر ضمان واجب ہو جائے گا اور انکار قسم سے چونکہ حد واجب نہیں ہوتی اور قطع ید بھی ایک حد ہے اس لئے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ (4)

اگر ایک شخص دوسرے پر قصاص کا دعوی کیا، مدّعی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش نہ کر سکا اور مدّ عیٰ علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور اگر قسم کھا گیا تو وہ قصاص سے بری ہو جائے گا اور اس نے نفس سے کم میں قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا بشرطیکہ اس نے عمداً جرم کیا ہو اور اگر مدّ عیٰ علیہ قصاص نفس سے کم میں قسم کھانے سے انکار کیا تو مدّ عیٰ علیہ کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک وہ قسم کھائے یا قصاص نفس کا اقرار کرے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہیں۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ انکار قسم سے نفس اور مادون النفس دونوں صورتوں میں مدّ عیٰ علیہ پر دیّت لازم ہوگی۔ بہر حال قسم سے انکار ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہوتا ہے اور شبہ سے قصاص ثابت نہ ہوتا، لہٰذا مدّ عیٰ علیہ کے اس انکار قسم سے قصاص ثابت نہ ہوگا۔ البتہ دیّت کا

---

(1) فتح القدير، ۱۸۱:۸

(2) العناية شرح الهداية، ۱۸۳:۸

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۱۶:۴

(4) بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة، برہان الدین، علی بن ابی بکر، مرغینانی، ۱۶۵:۱، مکتبۃ ومطبعۃ محمد علی صبیح، قاہرہ

مال واجب ہو جائے گا کیونکہ مال شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتا ہے، خاص طور پر جبکہ قصاص کا ممتنع ہونا ایسے سبب سے ہو جو سبب من علیہ القصاص یعنی مدّعیٰ علیہ کی طرف سے پایا گیا ہو۔(1)

دفعہ ۴۱: اللہ کی نام کے ساتھ قسم کھانے سے پہلے احتیاط لازمی ہے البتہ قسم کو حالات کی رعایت رکھتے ہوئے اللہ کے اوصاف سے مؤکد کرنا لازمی ہے۔(2)

وضاحت:

قسم اللہ کے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے نام کے ساتھ قسم نہیں ہوتی ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے اللہ کے سوا کسی پر قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (3)

کہ تم میں سے اگر کوئی شخص قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے کیونکہ جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام سے قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔

قسم کو اللہ کے اوصاف ذکر کر کے مؤکد کیا جا سکتا ہے اور اوصاف کے ذکر کے ساتھ قسم کو مؤکد کرنا تغلیظ کہلاتا ہے، مثلاً قاضی یہ الفاظ کہے، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حاضر و غائب کو جاننے والا ہے، وہی رحمان ور حیم ہے جو پوشیدہ اور باطن کو علانیہ اور ظاہر کی طرح جانتا ہے، فلاں شخص کا تجھ پر یا تیری جانب اس مال میں سے جس کا مدّعی نے دعویٰ کیا ہے اور وہ اس قدر مال ہے، نہیں ہے اور نہ اس میں سے کچھ ہے۔

قسم دلانے سے مقصود یہ ہے کہ مدّعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تا کہ مدّعی کا حق ثابت ہو جائے چونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں: بعض لوگ ایسے نیک اور دین دار ہوتے ہیں کہ وہ صرف اللہ کے ساتھ قسم کھانے کی جسارت نہیں کرتے، لہذا ایسے حضرات کے حق میں قسم کو غلیظ کرنے کے لئے اللہ کے علاوہ دوسرے اوصاف زیادہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض لوگ ادنیٰ درجہ کی تغلیظ سے قسم کھانے سے رُک جاتے ہیں۔

بعض ایسے بد دین قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ وہ بغیر زیادتی تغلیظ کے باز نہیں آتے۔ پس قاضی لوگوں کے حالات کی رعایت کر کے الفاظ قسم میں کمی اور زیادتی کرنے کا مجاز ہے۔ اگر مدّعیٰ علیہ صلاح اور تقویٰ سے مشہور ہو تو اس پر تغلیظ نہ کرے اور دوسروں پر تغلیظ کرے۔(4)

دفعہ ۴۲: ہر مذہب والے سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لی جائے گی۔(5)

وضاحت:

قسم میں یہ ضروری ہے کہ جس سے قسم لی جائے تو اس سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لی جائے گی، جیسے قاضی، یہودی سے اس طرح قسم کھلائے کہ اس خدا کی قسم جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری۔

نصرانی سے اس طرح قسم کھلائے کہ اس خدا کی قسم جس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری۔

---

(1) الأختيارلتعليل المختار ،عبداللہ بن محمود، ۲:۱۱۳، مطبعۃ الحلبی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ

(2) نفس مصدر، ۴:۱۶

(3) سنن ترمذی،ابواب النذوروالأيمان،باب ما جاء في كراهية الحلف بغيرالله، حدیث نمبر:۱۵۳۵، من حلف بغيرالله فقد كفرأوأشرك، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(4) فتح القدير ،۸:۱۹۵

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

أنشدك بالله الذي أنزل التوراة على موسى، أهكذا تجدون حد الزاني في كتابكم(1)

ایک بار نبی کریم ﷺ اس یہودی کے پاس سے گذرے جس کا منہ لوگ زنا کی سزا میں کالا کئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے یہودی کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا تمہاری کتاب میں زنا کی یہی سزا ہے؟ سب نے کہا ہاں۔ اس کے بعد آپ ﷺ یہودی کے ایک عالم عبد اللہ بن صوریا کو بلایا اور کہا کہ تمھیں اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورا اتاری ہے، کیا تمہاری کتاب میں میں حد زنا یہی ہے؟ ابن صوریا نے کہا، نہیں بلکہ ہماری کتاب میں حد زنا رجم ہے اور دیکھو محمد ﷺ! اگر آپ ﷺ مجھ کو قسم نہ کھلائے تو میں بھی آپ کو اس کی خبر نہ دینا۔

ابن صوریا نے کہا دراصل واقعہ یہ ہے کہ شرفاء اور غیر شرفاء کے درمیان (اپنی طرف سے) تقسیم کی گئی ہے کہ اگر کوئی شریف آدمی اس کا مرتکب ہو گا تو اس کا منہ کالا کیا جائے گا، اور اگر کسی غیر شریف نے یہ حرکت کی تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور رجم کو ہم نے بالکل رک کر دیا، حالانکہ تورات میں رجم کا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے پورا واقعہ سن کر اس زانی کو رجم کرنے کا حکم فرمایا اور معصومانہ اور عاشقانہ انداز میں یوں فرمایا۔ "اے اللہ! میں پہلا آدمی ہوں جس نے تیرا حکم زندہ کیا حالانکہ یہود اس کو دفن کر چکے تھے۔

قاضی، آتش پرست سے ان الفاظ کے ساتھ قسم لے گا۔ "باللہ الذی خلق النار" اس خدا کی قسم جس نے آگ کو پیدا کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مجوسی آگ کی حرمت اور عظمت کا اعتقاد رکھتا ہے۔ پس وہ بھی جھوٹی قسم کھانے سے باز رہے گا اور قسم کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

بت پرست کو سوائے اللہ کے نام کے کسی کی قسم نہیں دلائی جائے گی کیونکہ کفار سب کے سب اللہ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان سے ان کے عبادت خانوں میں قسم نہ لی جائے گی کیونکہ قاضی وہاں حاضر نہ ہو گا بلکہ قاضی کو وہاں جانے سے روکا جائے گا۔(2)

دفعہ ۴۳: گونگے کا اشارہ جب معروف ہو تو وہ نطق کے درجہ میں ہوتا ہے۔(3)

وضاحت:

گونگے کو اس طرح قسم دلایا جائے گا کہ قاضی اس کو کہے گا کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اگر اس آدمی کا تجھ پر یہ حق ہو اور گونگا اپنا سر اثبات میں ہلا دے۔ اس سے یوں قسم نہ لی جائے کہ واللہ تجھ پر اس آدمی کے اتنے دراہم نہیں ہیں اور وہ سر ہلا دے کہ ہاں۔ اس لئے جب گونگے کے اشارے نفی اور اثبات میں معروف ہو تو وہ سب احکامات میں نطق کی طرح ہوتے ہیں۔

اگر گونگا بہرا بھی ہو تو لکھ کر اس سے جواب طلب کرے گا۔(4)

دفعہ ۴۴: مدّعی سے ضرر دفع کرنے کے لئے حاصل مراد پر قسم لی جائے گی۔(5)

وضاحت:

اس کو سمجھنے سے پہلے ایک ضابطہ کا جاننا ضروری ہے کہ سبب کی دو صورتیں ہیں:

یا تو سبب دور کرنے سے دور ہو جائے گا یا نہیں۔ اگر دوسرا ہے تو بالا جماع سبب پر قسم لی جائے گی اور اگر اوّل ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ حاصل معنی پر قسم لینے سے سے مدّعی کو ضرر ہو گا یا نہیں۔ اگر اوّل ہے تو بھی سبب پر قسم لی جائے گی اور اگر دوسرا ہے تو طرفینؒ کے

---

(1) صحيح مسلم،كتاب الحدود،باب رجم اليهودأهل الذمةفى الزنا، حدیث نمبر:۱۷۰۰

(2) اللباب في الجمع بين السنة والكتاب، جمال الدین، ابو محمد علی بن ابی یحییٰ زکریا، ۲:۵۷۱، دارالقلم، بیروت، ۱۴۱۴ھ

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷

(4) تبيين الحقائق، فخر الدین عثمان بن علی حنفی زیلعی، ۴:۳۰۱، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق قاہرہ، ۱۳۱۳ھ

(5) نفس مصدر، ۴:۱۸

نزدیک حاصل معنی پر قسم لی جائے گی اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک سبب پر، لیکن اس شرط پر کہ مدعیٰ علیہ سبب کے ساتھ تعریض نہ کرے۔[1]

بیع، غصب، نکاح اور طلاق کی صورتوں میں حاصل معنی پر قسم لی جائے گی اور سبب پر قسم نہیں لی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سبب پر قسم لی گئی تو مدعیٰ علیہ کو ضرر پہنچے گا، پس مدعیٰ علیہ سے ضرر دفع کرنے کے لئے حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔[2]

جیسے ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے غلام خریدا ہے، مدعی کے پاس گواہ نہ ہو اور مدعیٰ علیہ انکار کرتا ہے تو اس سے اس طرح قسم لی جائے گی۔ کہ بخدا! میرے اور اس کے درمیان اس چیز پر بیع نہیں ہوا ہے۔

ایک آدمی دوسرے پر غصب کا دعویٰ کرے اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی، کہ بخدا! یہ مدعی مجھ پر شئ مغصوب کی واپسی کا استحقاق نہیں رکھتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کر دیا یا اس کا برعکس ہوا۔ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی۔ کہ بخدا! ہم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں ہے۔

اگر عورت نے مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے طلاق دی ہے اور مرد اس کا انکار کرتا ہے۔ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ سے ان الفاظ پر قسم لی جائے گی۔ کہ بخدا! یہ عورت مجھ سے اس وقت اس وجہ سے بائنہ نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کرتی ہے۔

حاصل پر قسم لینا طرفینؒ کا قول ہے امام ابویوسفؒ کے نزدیک مذکورہ تمام صورتوں میں سبب پر قسم لی جائے گی، مگر جب مدعیٰ علیہ مذکورہ چیزوں کے ساتھ تعریض کرے، جیسے یوں کہے کہ کبھی بیع ہو جانے اقالہ کے ذریعے فسخ کیا جاتا ہے تو پھر حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔

طرفینؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ حاصل معنی پر قسم لی جائے گی لیکن اس شرط پر کہ سبب ایسا ہو جو کسی دور کرنے والے سے دور ہو سکتا ہے، جیسے بیع اقالہ سے، غصب ہبہ اور بیع سے، نکاح خلع سے اور طلاق تجدید نکاح کے بعد دور ہو جاتی ہے۔ بہر حال اگر سبب ایسا ہو جو دور کرنے سے دور ہو جاتا ہو تو اس صورت میں طرفینؒ کے نزدیک حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔ ہاں اگر حاصل معنی پر قسم لینے پر مدعی کی رعایت نہ ہوتی ہو تو اس وقت بالاجماع سبب پر قسم لی جائے گی۔

جیسے ایک عورت کو شوہر نے تین طلاق دی ہوں اور وہ شوہر سے عدت کے نفقہ کا دعویٰ کرتی ہے یا ایک شخص جوار کی وجہ سے دعویٰ کرتی ہے اور مدعیٰ علیہ شافعی المسلک ہو۔ تو دونوں صورتوں میں حاصل معنی پر نہیں بلکہ سبب پر قسم لی جائے گی، کیونکہ حاصل اگر اس نے حاصل معنی پر قسم کھائی اور یوں کہا کہ بخدا! مجھ پر اس کا نفقہ عدت نہیں، یا مجھ پر اس کے واسطے شفعہ جوار نہیں ہے تو وہ اپنے اعتقاد کے موافق اپنی قسم میں سچا ہو گا اور مدعی یعنی عورت اور مدعی شفعہ کے حق میں رعایت ترک ہو جائے گی اور سبب ایسا ہو جو دور کرنے سے دور نہ ہو تا ہو تو بالاجماع سبب پر قسم لی جائے گی۔[3]

دفعہ ۴۵: ہر وہ حق جو غیر مدعیٰ علیہ پر واجب ہو تا ہے وہاں سبب پر قسم لی جائے گی۔[4]

وضاحت:

جو حق مدعیٰ علیہ کے علاوہ پر کوئی چیز واجب کرے، جیسے قتل خطاء اور وہ جرم جس کے عوض ارش واجب ہو تا ہے تو اس میں سبب پر قسم لی

---

(1) ردالمحتار علي الدرالمختار، ۵:۵۵٦

(2) قرةعين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار، ۸:٦۸

(3) فتح القدير، ۸:۱۹۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲

جائے گی۔ اور جس جنایت کی وجہ سے مدّ عیٰ علیہ پر دیت اور ارش لازم آتا ہے وہاں حاصل سبب پر قسم لی جائے گی۔[1]

دفعہ ۴۶: دعویٰ اگر مدّ عیٰ علیہ کے فعل پر واقع ہو تو قطعی قسم لی جائے گی اور اگر غیر کے فعل پر ہو تو علم پر قسم لی جائے گی۔[2]

وضاحت:

مدّ عیٰ علیہ کے فعل پر دعویٰ واقع ہو تو قطعی قسم لی جائے گی، جیسے یہ دعویٰ کرے کہ تو نے میری یہ چیز چورائی ہے یا غصب کرلی ہے۔ اور اگر مدّ عیٰ علیہ کے غیر پر دعویٰ کیا جائے تو علم پر قسم لی جائے گی، جیسے کسی میت پر دین کا دعویٰ کرے اور وارث حاضر ہو۔ اسی طرح اگر دعویٰ کرے کہ تیرے باپ نے یہ چیز مجھ سے چرائی ہے یا غصب کرلی ہے تو وارث سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی۔[3]

دفعہ ۴۷: مدّ عی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدّ عیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔[4]

وضاحت:

مدّ عی کو اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے گواہ پیش کرنا لازمی ہے، کیونکہ صرف دعویٰ سے حقوق ثابت نہیں ہوتے۔ لیکن جب مدّ عی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدّ عیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"ألك بينة قال لاقال فلك يمينه"[5]

ترجمہ: کیا تیرے پاس گواہ ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اب تیرے واسطے اس مدّ عیٰ علیہ کی قسم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بینہ نہ ہونے کی صورت میں قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ گواہوں سے دعویٰ میں جانب صدق راجح ہوا اور مدّ عی سے تہمت دور ہوگئی، لیکن گواہ پیش کرنے سے عاجز آنے کی صورت میں مدّ عی اس سے قسم لینے کا مطالبہ کرے تو مدّ عیٰ علیہ قسم لیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مدّ عیٰ علیہ سے قسم لینے کے لئے مدّ عی کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ قسم مدّ عیٰ علیہ پر مدّ عی کا ایک حق ہے اور اس کی دلیل مذکورہ حدیث ہے جس میں "لک یمینہ" کے الفاظ ہے، یعنی تیرے واسطے مدّ عیٰ علیہ کی قسم ہے۔[6]

دفعہ ۴۸: مدّ عیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ کرنا مدّ عی کا حق ہے لیکن اس سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں۔[7]

وضاحت:

قسم کا مطالبہ مدّ عی کا حق ہے لیکن چند چیزیں ایسی ہیں جن میں مدّ عیٰ علیہ سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

وہ صورتیں یہ ہیں:

---

(1) البحرالرائق، ۲۱۰:۷

(2) نفس مصدر، ۲۲:۴

(3) المحیط البرهانی، ۱۶۲:۸

(4) نفس مصدر، ۲۴:۴

(5) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وعیدمن اقتطع حق مسلم بیمین، ۱۲۳:۱، حدیث نمبر: ۱۳۹

(6) الهدایة ۱۵۵:۳

(7) نفس مصدر، ۲۴:۴

۱۔کسی نے دعویٰ کیا کہ مدّعیٰ علیہ نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح بچپن میں میرے ساتھ کیا تھا اور مدّعیٰ علیہ اس سے انکار کرتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔

۲۔مولیٰ پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ اپنی باندی کا نکاح کیا تھا۔

۳۔قرض دار کا وصیت کا دعویٰ کرنا، اور مدّعیٰ علیہ انکار کرے۔

۴۔دین کا دعویٰ وصی پر کرنا۔

۵۔پڑوس کی وجہ سے شفعہ کرنے کی دعویٰ کی صورت میں۔

۶۔شرکت کا دعویٰ کرنے کی صورت میں مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کا اختلاف پیدا ہو جائے۔

۷۔وکیل سے دو مسائل میں قسم نہیں لی جائے گی:

الف۔خریدنے کے وکیل نے مبیعہ کو عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہا اور اس پر دعویٰ کیا گیا کہ مؤکل عیب پر راضی ہو گیا تھا۔

ب۔قرض وصول کرنے والے وکیل پر قرض دار نے دعویٰ کیا کہ مؤکل نے مجھے قرض سے بری کر دیا تھا اور وکیل سے قسم کا مطالبہ کیا تو مطالبہ نہیں کر سکتا۔(1)

دفعہ ۴۹: قسم لینے کا دارومدار دعویٰ کی صحت پر ہے۔(2)

وضاحت:

بائع نے پہلے ثمن قبضہ کرنے کا اقرار کیا اور پھر کہا کہ میں نے وصول نہیں کیا ہے۔اس صورت میں اگر وہ مشتری سے قسم لینے کا مطالبہ کرے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔

ان کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ دعویٰ میں تناقض ہے تو تناقض کی وجہ سے دعویٰ درست نہیں تو عدم صحت دعویٰ کی وجہ سے اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابو یوسفؒ قسم کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات گواہی دینے کے لئے ثمن کا اقرار کیا جاتا ہے اگرچہ حقیقت میں اس پر قبضہ نہیں کیا گیا ہو تو احتیاط کے طور پر قسم لیا جا سکتا ہے۔امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کیا جائے۔(3)

دفعہ ۵۰: دعویٰ میراث میں وارث سے قطعی قسم نہیں لی جائے گی بلکہ اس کے علم پر قسم لی جائے گی۔(4)

وضاحت:

کسی نے میراث میں کوئی چیز پائی اور اس پر کسی نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور مدّعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ یعنی وارث سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی۔کہ بخدا! میں نہیں جانتا کہ یہ چیز جو میرے قبضہ میں ہے، وہ اس مدّعی کی ملک ہے یعنی مدّعی سے قطعی قسم نہیں لی جائے گی، یہی حال ہبہ کی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وارث کو علم نہیں جو اس مورث نے کیا ہے یعنی وارث کو معلوم نہیں کہ اس کے مورث نے اس چیز کو کہاں سے اور کیسے حاصل کیا ہے اور جب ایسا ہے تو اس سے قطعی قسم کیسے لے جا سکتی ہے۔(5)

---

(1) البحرالرائق،۷:۲۰۹

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۲۸

(3) المبسوط للسرخسی،۱۸:۶

(4) نفس مصدر،۴:۲۹

(5) البناية شرح الهداية،۹:۳۴۹

دفعہ ۵۱: صرف دعویٰ سے قابض کی ملکیت ختم نہ ہو گی مگر یہ کہ وہ مدّعی کے حق میں اقرار کرے۔[1]

وضاحت:

کسی کے قبضہ میں کوئی چیز ہے دو آدمیوں نے اس پر دعویٰ کیا ہر ایک کہتا ہے کہ یہ میری ملکیت ہے۔ تو قاضی قابض سے پوچھے گا وہ جس کے حق میں اقرار کرے تو اس کو دینے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر دوسرا قابض اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو جائز نہیں اور اس کی خصومت مقرلہ سے ہو گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ استخلاف کا فائدہ نکول ہے جو کہ اقرار اور بدل ہے۔ لیکن جب وہ چیز اس کی ملکیت سے نکل گئی تو اس کی طرف سے بدل کیسے دیا جا سکتا ہے؟[2]

اگر ایک مدّعی نے کہا کہ اس نے مجھے غصب کی تھی اور دوسرے نے کہا کہ یہ میری ہے میں نے اس کو ودیعت دی ہے۔ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غصب کی صورت میں قسم لی جائے گی اور ودیعت کی صورت میں قسم کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قسم کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔[3]

دفعہ ۵۲: جہاں استخلاف کا فائدہ ہو وہاں پر قسم نہیں لی جائے گی۔[4]

وضاحت:

دو آدمیوں نے ایک عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کو قاضی کی مجلس میں حاضر کیا تو اس نے ایک کے لئے اقرار کیا اور دوسرے کے لئے انکار کیا۔ تو جس کی نکاح سے وہ انکار کرتی ہے اس کے لئے اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ نکاح میں استخلاف جاری نہیں ہو سکتا اور صاحبینؒ کی نزدیک وجہ یہ ہے کہ دوسرے کے لئے اقرار کرنے سے پہلے کے لئے اقرار جائز نہیں، تو اس صورت میں استخلاف کا کوئی فائدہ نہیں۔

جس آدمی کے لئے عورت نے اقرار کیا تو اس قسم لینے اور نہ لینے میں علما کی دو آراء ہیں:

۱۔ قسم نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے کہ استخلاف کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲۔ قسم لی جائے گی۔ کیونکہ نکول کی صورت میں قاضی اس سے مطالبہ کرے گا کہ اس عورت کو چھوڑوں۔

اگر مقرلہ نے قسم کھائی تو عورت سے قسم نہیں لی جائے گی۔ تاہم انکار کی صورت میں عورت سے قسم لی جائے گی، اقرار کی صورت میں تو مقرلہ کی بیوی ہو گی اور نکول کی صورت میں قاضی نکاح اول کے باطل ہونے کا حکم لگائے گا اور نکاح ثانی کا حکم کیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۵۳: مال سے بری ہونے کا دعویٰ کرنا اقرار ہے۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا۔ مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھے مدّعی نے اس دعویٰ سے بری کیا ہے تو یہ مال کا اقرار ہے۔ اس لئے کہ

---

(1) نفس مصدر، ۲۹:۴

(2) المحیط البرھانی، ۱۸۰:۸

(3) مجمع الأنھر ۲۶۱:۲

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۳۰:۴

(5) المحیط البرھانی، ۲۰۴:۸

(6) نفس مصدر، ۳۱:۴

مال ثابت ہونے کے بعد بری ہونے کا قول کیا جاتا ہے۔[1]

دفعہ ۵۴: استخلاف میں نیابت جاری ہوتی ہے اور قسم میں نیابت جاری نہیں ہوتا۔[2]

وضاحت:

کئی افراد پر قسم لازم ہو جائے تو ایک کے قسم کھانے سے دوسروں کے ذمہ ساقط نہ ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ استخلاف میں نیابت جاری ہوتا ہے اور یمین میں نیابت جاری نہیں ہوتا۔[3]

جیسے وارثوں پر قسم آئے تو ایک شخص کا قسم لینا سب کا قائم مقام نہیں ہو گا بلکہ سب سے قسم لی جائے گی۔

دفعہ ۵۵: جہالت کی صورت میں ہر ایک کے لئے قسم کھائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی نے ایک عورت اور اس کی لڑکی سے دو عقدوں میں نکاح کیا اور پھر کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ پہلی کون سی ہے تو ہر ایک کے لئے اس سے قسم لی جائے گی۔ کہ واللہ! دوسری سے پہلے میں نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا ہے۔ قاضی کو اختیار ہے کہ جس عورت سے چاہے شروع کرے اور اگر چاہے تو دونوں میں قرعہ ڈالے۔

اگر ایک عورت کی نسبت یہ قسم کھالی تو دوسری عورت کا نکاح ثابت ہو گا۔ اگر پہلی عورت کی قسم سے انکار کیا تو اسی کا نکاح لازم ہوا اور دوسری کا نکاح باطل ہو گا۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا نکاح پہلے واقع ہوا ہے۔[5]

---

(1) لسان الحکام،۱:۲۳۳

(2) نفس مصدر،۴:۳۱

(3) مجلة الأحكام العدلية،۱:۳۵۴

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۳۱

(5) المحيط البرهانی،۸:۲۸۷

فصل دوم

فتاوی عالمگیری حصہ دعویٰ کے باب ۴ سے باب ۶ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۴: تحالف کے بیان میں:

دفعہ ۱: اگر مشتری اور بائع کا ثمن اور مبیع میں اختلاف ہوا تو ثمن میں بائع کا بیّنہ اولیٰ ہو گا اور مبیع میں مشتری کا بیّنہ اولیٰ ہو گا۔[1]

وضاحت:

بائع اور مشتری نے مقدار ثمن یا مقدار بیع میں اختلاف کیا۔ جیسے مشتری نے دعویٰ کیا کہ ثمن ایک سو درہم ہیں اور بائع نے دعویٰ کیا کہ ثمن دو سو درہم ہیں، یا بائع نے دعویٰ کیا کہ بیع ایک من گندم ہے اور مشتری نے دعویٰ کیا کہ بیع دو من گندم ہے۔ پس دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کیا اور دوسرا عاجز آ گیا تو جس نے گواہ پیش کیا ہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ دوسری جانب میں صرف دعویٰ ہے اور اس جانب میں دعویٰ پر گواہ بھی موجود ہے اور صرف دعویٰ سے گواہ قوی ہے کیونکہ گواہ قاضی پر حکم صادر کرنے کو لازم کرتا ہے اور محض دعویٰ لازم نہیں کرتا ہے۔ بہر حال جب گواہ قوی ہے تو جس جانب میں گواہ ہے اسی جانب میں حکم صادر کر دیا جائے گا۔

اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو جس کا گواہ زیادتی کو ثابت کرے گا اس کے مطابق حکم دیا گا کیونکہ شریعت میں بیّنات کو ثابت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ لہذا جس کا گواہ زیادتی کو ثابت کرے گا اسی کو قبول کیا جائے گا اور جو گواہ کمی کو ثابت کرے گا اسی کو رد کیا جائے گا۔

اگر ثمن اور مبیع دونوں میں اختلاف ہوا جیسے بائع نے کہا کہ میں نے اس کتاب کو تیرے ہاتھ ایک سو دینار کے عوض فروخت کیا ہے اور مشتری کہے کہ تو نے اس کتاب اور قلم دونوں کو پچاس دینار کے بدلے فروخت کیا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دیا تو ثمن کی مقدار میں بائع کا گواہ قبول کیا جائے گا اور مبیع کی مقدار میں مشتری کا گواہ قبول کیا جائے گا۔

اگر اس صورت میں کسی کے پاس گواہ نہ ہو تو قاضی مشتری سے کہے گا کہ یا تو، تو اس ثمن پر راضی ہو جائے جس کا بائع مدّعی ہے ورنہ ہم عقد بیع کو فسخ کر دیں گے اور قاضی بائع سے کہے گا یا تو، تو اس مبیع کو سپرد کر دے جس کا مشتری مدّعی ہے ورنہ ہم اس عقد کو ختم کر دیں گے کیونکہ اس سے مقصود جھگڑے کو ختم کرنا ہے اور یہ جھگڑا ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ کیونکہ عام طور پر عاقدین فسخ بیع پر راضی نہیں ہوتے۔ پس جب قاضی کے آگاہ کر دینے سے ان کو فسخ کا علم ہو گا تو دونوں باہم رضامندی کی کوشش کریں گے اور دونوں کے باہم راضی ہونے سے بھی چونکہ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے، اس لئے قاضی یہ طریقہ اختیار کرنے کا بھی مجاز ہو گا۔[2]

پھر اگر بائع اور مشتری دونوں راضی نہ ہوئے تو قاضی ان دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لے گا اور یہ باہمی قسم کا حکم قبضہ سے پہلے قیاس کے موافق ہے کیونکہ بائع ثمن زیادہ ہونے کا مدّعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور مشتری اس ثمن کے عوض جو اس نے ادا کر دیا ہے، تسلیم مبیع کے وجوب کا مدّعی ہے اور بائع اس کا منکر ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ دوونوں میں سے ہر ایک منکر ہے اور منکر پر قسم عائد ہوتی ہے لہذا ہر ایک سے قسم لی جائے گی۔

پس اگر دونوں قسم کھا گئے یا دونوں نے قسم سے انکار کر دیا تو بیع فسخ کر دی جائے گی، اگر ایک نے انکار کر دیا اور ایک قسم کھا گیا تو انکار کرنے والے کے خلاف دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

مشتری کے قبضہ کے بعد دونوں سے قسم لینا قیاس کے خلاف اس لئے ہے کہ جب مبیع مشتری کے قبضہ میں صحیح سلامت آ گئی تو وہ کسی چیز کا مدّعی نہیں ہو گا بلکہ صرف بائع ثمن زیادہ ہونے کا مدّعی ہو گا اور مشتری اس کا منکر ہو گا۔ حاصل یہ کہ قبضہ کے بعد صرف مشتری منکر ہے

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳۲

(2) مختصر القدوری، ابو الحسین، قدوری، احمد بن محمد بن احمد، ۱:۲۱۷، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۸ھ

اور قسم منکر سے لی جاتی ہے، لہٰذا قبضہ کے بعد صرف مشتری سے قسم لی جانی چاہیئے۔ لیکن چونکہ دونوں سے قسم لینا نص حدیث سے ثابت ہے، اس لئے قبضہ کے بعد بھی دونوں سے قسم لی جائے گی۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے۔ جب بائع اور مشتری ثمن میں اختلاف کرے اور مبیع موجود ہو تو دونوں قسم کھا کر بیع فسخ کرے گے۔[1]

جب دونوں بیع کرنے والے اختلاف کریں اور مال بعینہ موجود ہو تو باہم قسم کھائیں اور مبیع واپس کریں۔

قاضی سب سے پہلے کس سے قسم لے گا تو اس میں علما کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ قاضی پہلے مشتری سے قسم لے اور پھر بائع سے قسم لے یہی امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مشتری کا انکار سخت ہے اور سخت اس لئے ہے کہ جب مشتری سے ثمن کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ دو چیزوں کا انکار کرتا ہے ایک وجوب ثمن کا اور دوسرا وجوب اداء کا۔ جب ایسا ہے تو اس کا انکار سخت ہوا اس لئے کہ پہلے مشتری سے ثمن ہی کا مطالبہ ہوتا ہے تو اس کا انکار بھی پہلے ہوگا اور قسم سے انکار کی وجہ سے اس پر ثمن لازم کیا جائے گا۔[2]

دفعہ ۲: مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد اگر مبیع کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے اور پھر بائع و مشتری کے درمیان ثمن میں اختلاف واقع ہو جائے تو مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔[3]

وضاحت:

بیع میں ایجاب و قبول کے بعد مبیع پر قبضہ کر لیا گیا لیکن مبیع کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا اس کے بعد بائع و مشتری کا ثمن میں اختلاف ہوا تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

مسئلے کی صورت یہ ہو گی کہ کسی شخص نے اپنے دو غلام ایک عقد کے تحت فروخت کئے اور مشتری نے ان دونوں پر قبضہ کر لیا، پھر ان دونوں غلاموں میں سے ایک ہلاک ہو گیا، اس کے بعد بائع و مشتری نے مقدار ثمن میں اختلاف ہو گیا۔

بائع نے کہا کہ میں نے دونوں غلام دو ہزار کے عوض فروخت کئے ہیں اور مشتری نے کہا کہ میں نے تجھ سے ان دونوں کو ایک ہزار کے عوض خریدا ہے تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، مگر یہ کہ بائع اس بات پر راضی ہو جائے کہ وہ زندہ غلام کو لے لے گا اور تلف شدہ کی قیمت میں سے اس کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہے کہ زندہ غلام کے بارے میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی اور تحالف کے بعد زندہ غلام میں عقد بیع فسخ کر دیا جائے گا اور تلف شدہ غلام کے حصہ ثمن میں مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ زندہ اور تلف شدہ دونوں غلاموں پر دونوں سے قسم لی جائے گی اور عقد فسخ کرنے کے بعد زندہ غلام بائع کی طرف سے واپس کر دیا جائے گا اور تلف شدہ غلام کی قیمت واپس کر دی جائے گی۔[4]

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل مبیع کا تلف ہونا باہمی قسم سے مانع نہیں ہے تو بعض مبیع کا تلف ہونا بدرجہ اولیٰ ممتنع ہوگا۔

---

(1) شرح مشكل آلاثار، طحاوی، ابو جعفر، احمد بن محمد، إِذَااخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الثَّمَنِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ، تَحَالَفَاوَتَرَادَّاالْبَيْعَ'' حدیث نمبر:۲۳۸۹، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۵ھ

(2) الهداية، ۳:۱۶۰

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳۳

(4) المحیط البرهانی، ۶:۴۴۸

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ باہمی قسم کا ممتنع ہونا اس وجہ سے ہے کہ مبیع تلف ہو گئی ہے لہٰذا جس قدر تلف ہوئی ہے اسی قدر میں تحالف ممتنع ہو گا۔ اس میں ان دونوں سے قسم لی جائے گی اور تلف شدہ غلام میں تحالف نہ ہو گا بلکہ اس کے ثمن میں مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔ ہاں اگر بائع اس بات پر راضی ہو گیا کہ تلف شدہ غلام کا حصہ بالکل چھوڑ دے تو اس وقت پورا ثمن زندہ غلام کے مقابلے میں ہو گا گویا مبیع یہی غلام تھا اور تلف شدہ غلام عقد سے خارج ہو گیا اور اس طرح بیع بھی موجود ہو گی اور اس کا ثمن بھی معلوم ہو گا اور مبیع موجود ہونے اور ثمن معلوم ہونے کی صورت میں چونکہ تحالف جائز ہے اس لئے اس صورت میں دونوں سے قسم لی جا سکتی ہے۔(1)

دفعہ ۳: مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد دونوں نے اقالہ کیا، پھر بائع اور مشتری کا ثمن میں اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں گے۔(2)

وضاحت:

بیع ہونے کے بعد بائع نے ثمن اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا پھر بائع اور مشتری نے بیع کو فسخ کر دیا لیکن بیع فسخ کرنے کے بعد بائع نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا بلکہ ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو گیا۔

مشتری نے کہا کہ ثمن ایک ہزار تھا اور بائع نے کہا کہ پانچ سو تھا تو ایسی صورت میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی اور تحالف کے بعد اقالہ ختم کر دیا جائے گا اور پہلی بیع عود کر آئے گی حتیٰ کہ بائع کا حق اس ثمن سے متعلق ہو جائے گا جو ثمن مشتری نے بائع کو دیا تھا اور مشتری کا حق اس مبیع سے متعلق ہو جائے گا جو مبیع مشتری کے قبضہ میں ہے۔ اگرچہ یہ حدیث میں ہے۔ جب بائع اور مشتری ثمن میں اختلاف کرے اور مبیع موجود ہو تو دونوں قسم کھا کر بیع فسخ کرے گے۔ بیع مطلق کو شامل ہے، اقالہ کو نہیں۔ کیونکہ حدیث تو بیع مطلق یعنی بیع من کل وجہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اقالہ من کل وجہ بیع نہیں ہے کیونکہ اقالہ غیر عاقدین کے حق میں اگرچہ بیع جدید ہے لیکن عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے۔ تو اقالہ میں تحالف نص سے ثابت نہیں بلکہ قیاس سے ثابت ہے، کیونکہ اقالہ کے بعد بائع نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے اور قبضہ سے پہلے تحالف بیع کی صورت میں قیاس کے مطابق ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے اقالہ میں بھی قبضہ سے پہلے تحالف ثابت کر دیا گیا۔ ہاں اگر اقالہ کے بعد بائع نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحالف جاری نہ ہو گا البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جاری ہو گا۔

اگر عقد سلم کی صورت میں رب السلم (مشتری) نے مثلاً دس درہم مسلم الیہ (بائع) کو دے دیئے پھر دونوں نے عقد سلم کو فسخ کر دیا، اس کے بعد دونوں نے ثمن کی مقدار میں اختلاف کیا۔ مسلم الیہ نے کہا کہ ثمن پانچ درہم تھے اور رب السلم نے کہا کہ دس درہم تھے تو اس صورت میں مسلم الیہ کا قول مع الیمین معتبر ہو گا کیونکہ رب السلم پانچ درہم زیادہ کا مدّعی ہے اور مسلم الیہ اس کا منکر ہے اور گواہ موجود نہیں ہے، لہٰذا منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا، نہ یہاں تحالف ہو گا اور نہ بیع سلم عود کرے گی کیونکہ سلم میں اقالہ نقض اور ٹوٹنے کا احتمال نہیں رکھتا اس لئے کہ اقالہ اس مسلم فیہ (مبیع) کو ساقط کرنے کا نام ہے جو ابھی مسلم الیہ کے ذمہ میں دین ہے۔ پس جب اقالہ کے ذریعے مسلم فیہ ساقط کر دی گئی تو سلم کیسے عود کر سکتی ہے؟ کیونکہ سلم کے لئے مسلم الیہ کے ذمہ مسلم فیہ کا ہونا ضروری ہے۔(3)

دفعہ ۴: معقود علیہ کے حاصل کر لینے سے پہلے اجارہ میں مؤجر (اجارہ پر دینے والے) اور مستاجر (اجرت پر لینے والے) نے اختلاف کیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اگر اجرت میں اختلاف ہوا تو مستاجر سے قسم کی ابتدا کی جائے گی۔(4)

---

(1) المحیط البرهانی،٦:٤٤٨

(2) فتاویٰ عالمگیری،٤:٣٤

(3) بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة،١:١٦٦

(4) نفس مصدر،٤:٣٥

وضاحت:

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ مؤجر اور مستاجر نے اجرت کی مقدار پر اختلاف کیا یا معقود علیہ یعنی منفعت کی مقدار میں اختلاف کیا اور یہ اختلاف منافع حاصل کرنے سے پہلے واقع ہو تو اس صورت میں دونوں سے قسم لے کر اجارہ فسخ کر دیا جائے گا۔ اجرت اور معقود علیہ کے ذکر کرنے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر اختلاف میعاد کی مقدار میں ہو تو اس صورت میں تحالف نہ ہو گا بلکہ زیادتی کے منکر کا قول مع الیمین معتبر ہو گا۔(1)

تحالف کی دلیل یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع یعنی ثمن یا مبیع میں اختلاف قیاس کے مطابق ہے اور اجارہ منفعت پر قبضہ کرنے سے پہلے قبضہ مبیع سے پہلے کی نظیر ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک عقد معاوضہ ہے۔ پس منفعت حاصل کرنے سے پہلے اجارہ میں اختلاف ایسا ہو گیا جیسا کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع میں اختلاف، تو جس طرح بیع میں تحالف جاری ہوتا ہے اسی طرح اجارہ میں بھی تحالف جاری ہو گا۔

اگر اختلاف اجرت میں واقع ہوا ہو تو مستاجر کی قسم سے ابتدا کی جائے گی، کیونکہ مستاجر ہی زیادتی اجرت کے وجوب کا منکر ہے اور اگر منفعت میں اختلاف ہوا ہو تو مؤجر کی قسم سے ابتدا کی جائے گی کیونکہ زیادتی منفعت کا وہی منکر ہے۔ پس اگر دونوں میں سے کسی نے قسم سے انکار کر دیا تو اس پر اس کے ساتھی کا دعویٰ لازم ہو گا، کیونکہ اس کا انکار بذل ہے یا ساتھی کے دعویٰ کا اقرار ہے۔ اگر دونوں میں دونوں نے گواہ قائم کیا تو دیکھا جائے گا کہ اختلاف اجرت میں ہے یا منفعت میں ہے۔ اگر اختلاف اجرت میں ہوا تو مؤجر کا گواہ قبول کیا جائے گا کیونکہ زیادتی اجرت کو اسی کا گواہ ثابت کرتا ہے اور اگر اختلاف منفعت میں ہوا تو مستاجر کا گواہ قبول ہو گا کیونکہ منفعت کی زیادتی اسی کا بینہ ثابت کرتا ہے۔

اگر اختلاف اجرت اور منفعت دونوں میں ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا بینہ اس زیادتی میں قبول ہو گا جس کا وہ مدّعی ہے۔(2)

اگر اجارہ میں منافع حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو بالاجماع دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مستاجر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ جب معقود علیہ معدوم ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک تحالف ممتنع ہو گا اور یہاں معقود علیہ چونکہ منفعت ہے اور منفعت وصول کرنے کے بعد باقی نہیں رہی، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اجارہ میں معقود علیہ ہلاک اور معدوم ہو گیا۔ امام محمدؒ کے نزدیک بیع میں تحالف کا غیر ممتنع ہونا اس لئے ہے کہ مبیع کی قیمت بیع کے قائم مقام ہوتی ہے، پس وہ دونوں قیمت پر قسم کھائیں گے اور اگر اس جگہ تحالف جاری ہو اور عقد فسخ کر دیا گیا تو کوئی قیمت نہیں ہے کیونکہ منافع بذات خود قائم نہیں ہوتے بلکہ عقد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہو گئی کہ عقد نہیں ہے اور جب تحالف ممتنع ہو گیا تو مستاجر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اس لئے کہ مدّعیٰ علیہ وہی ہے۔

اگر عقد اجارہ میں کچھ منافع حاصل کرنے کے بعد مؤجر اور مستاجر نے اجرت میں اختلاف کیا تو دونوں سے قسم لے کر بقیہ میں عقد اجارہ فسخ کر دیا جائے گا اور گذشتہ زمانہ کے بارے میں مستاجر کا قول معتبر ہو گا۔(3)

دفعہ ۵: مہر میں میاں بیوی کا اختلاف پیدا ہو جائے تو جس کے پاس گواہ ہو تو اس کا قول مقبول ہو گا اگر دونوں گواہ پیش کرے تو جو زیادتی کو ثابت کرے اس کا قول معتبر ہو گا۔ گواہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں سے قسم لی جائے گی۔(4)

---

(1) کنزالدقائق، نسفی، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد، ۱:۵۰۰، دارالبشائر الاسلامیۃ، دارالسراج، ۱۴۳۲ھ

(2) اللباب فی شرح الکتاب، ۴:۴۹

(3) الھدایۃ، ۳:۱۶۰

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳۵

وضاحت:

میاں بیوی نے مہر کی مقدار میں اختلاف کیا، چنانچہ شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت کے ساتھ ایک ہزار کے بدلے نکاح کیا ہے اور عورت نے دعویٰ کیا کہ اس مرد نے میرے ساتھ دو ہزار کے بدلے نکاح کیا ہے۔ پس جس نے اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کئے اس کا قول قبول کیا جائے گا کیونکہ اس نے دعویٰ بینہ سے ثابت کر دیا ہے۔

عورت نے گواہ قائم کئے تو اس کا قبول ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ زیادتی کی مدّعی ہے اور مدّعی کا بینہ قبول ہوتا ہے، لہٰذا اس کا بینہ قبول ہو گا۔ شوہر نے اگر گواہ پیش کئے تو وہ چونکہ صورۃً مدّعی ہے اس لئے اس کے گواہ قبول کئے جائے گے کیونکہ بینہ قبول ہونے کے لئے اتنا کافی ہے۔

اب اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کا بینہ قبول ہو گا کیونکہ عورت کا بینہ زیادتی مہر کا ثابت کرتا ہے لیکن اس وقت مقبول ہونگے جبکہ عورت کا مہر مثل اس سے کم ہو جس کا عورت دعویٰ کرتی ہے ورنہ اگر مہر مثل اس کے برابر ہو جس کا عورت دعویٰ کرتی ہے یا اس سے زیادہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کا بینہ قبول ہوتا ہے۔[1]

اگر مرد و عورت دونوں گواہ قائم کرنے سے عاجز آ گئے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں سے قسم لی جائے گی مگر نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ کیونکہ تحالف کا اثر یہ ہو گا کہ مہر کے سلسلے میں دونوں کا دعویٰ معدوم ہو جائے تو گویا ایسا ہو گا کہ مہر کا ذکر سرے سے کیا نہیں اور مہر کا ذکر نہ کرنا صحت نکاح کے لئے مخل نہیں ہے اس لئے کہ مہر نکاح میں تابع ہوتا ہے۔ پس تحالف سے مہر کا تسمیہ تو معدوم ہو جائے گا لیکن نکاح فسخ نہیں ہو گا جب نکاح فسخ نہیں ہوا اور مہر کا ذکر معدوم ہو گیا تو جھگڑا ختم کرنے کے لئے مہر مثل کو حکم بنا دیا جائے گا۔

چنانچہ اگر مہر مثل شوہر کے اقرار کردہ مہر کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو جس قدر مہر کا شوہر نے اقرار کیا ہے، اسی قدر کا حکم دیا جائے گا کیونکہ ظاہر حال شوہر کے قول کا شاہد ہے اور ظاہر حال جس کا شاہد ہو وہ مدّعیٰ علیہ ہوتا ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں مدّعیٰ علیہ کا قول معتبر ہو گا، لہٰذا اس صورت میں بھی مدّعیٰ علیہ یعنی شوہر کا قول معتبر ہو گا اور وہ مہر واجب ہو گا جس کا اقرار شوہر نے کیا ہے۔

اگر مہر مثل اس قدر ہو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہو تو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے، اسی کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں ظاہر حال عورت کا شاہد ہے اور اگر مہر مثل درمیانی ہو یعنی شوہر کے اقراری مہر سے زیادہ ہو اور عورت کے دعوی کردہ مہر سے کم ہو تو عورت کے واسطے مہر مثل کا حکم دیا جائے گا کیونکہ جب دونوں قسم کھا گئے تو نہ مہر مثل سے زائد ثابت ہو گا اور نہ اس سے کم ثابت ہو گا یعنی شوہر کے قسم کھانے کی وجہ سے مہر مثل سے زائد ثابت نہ ہو گا اور عورت کے قسم کھانے کی وجہ سے مہر مثل سے کم نہ ہو گا۔ پس نہ مہر مثل سے زیادہ ثابت ہوا اور نہ کم ثابت ہوا تو مہر مثل کا حکم دیا جائے گا۔[2]

یہ تفصیل امام کرخیؒ[3] کے قول کے مطابق ہے اس کے تخریج کے مطابق اوّلاً تحالف، پھر تحکیم ہے، جبکہ امام ابو بکر رازیؒ[4] کے تخریج کے مطابق اوّلاً مہر مثل کو حکم بنایا جائے پس مہر مثل جس کے قول کا شاہد ہو گا اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر مہر مثل دونوں کے

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۶۵:۵

(2) مختصرالقدوری، ۲۱۸:۱

(3) امام کرخی۔ ابو الحسن عبید اللہ بن حسین بن دلال بن دلھم کرخی (پیدائش: ۲۶۰ھ – وفات: ۳۴۰ھ) کرخ جدان کے خاندان سے تعلق تھا، بغداد میں فقہ حنفی کا علم حاصل کیا، اساتذہ میں قاضی اسماعیل بن اسحاق، احمد بن یحیی حلوانی، محمد بن عبد اللہ بن سلیمان حضرمی مشہور ہیں۔ اسی طرح شاگردوں میں ابن حیویہ، ابن شاہین، ابن الثلاج، قاضی ابو محمد بن الاکفانی شامل ہیں۔ [تاریخ بغداد، ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی، ۳۵۲:۱۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ]

(4) احمد بن علی، رازی، ابو بکر جصاص بغداد میں ۳۰۵ھ کو پیدا ہوئے۔ بغداد میں رہائش تھی اور وہیں ۳۷۰ھ کو وفات پا گئے۔ اپنے عہد میں احنافؒ کے سرخیل تھے۔ [الأعلام، ۱۷۱:۱]

دعویٰ کے درمیان ہو تو دونوں سے قسمیں لے کر مہر مثل واجب کر دیا جائے گا۔ صرف ایک صورت میں وہ تحالف کے قائل نہیں جب مہر مثل زوجین میں سے کسی کا شاہد نہ ہو یعنی مہر مثل زوج کے اقراری مہر سے زائد ہو اور عورت کے دعوی کردہ مہر سے کم ہو۔

اگر مہر مثل شوہر کے اقراری مہر کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اور اگر مہر مثل عورت کے دعوی کردہ مہر کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو تو عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔[1]

باب ۵: وہ لوگ جو دوسرے کے ساتھ خصم اور عدم خصم بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں کے بیان میں۔

دفعہ ۶: مودِع مودَع، مستعیر معیر، مستاجر مؤجر اور راہن و مرتہن کا حاضر ہونا ضروری ہیں۔ اگر مودِع مودَع پر، راہن مرتہن پر یا مؤجر مستاجر پر دعویٰ کریں۔[2]

وضاحت:

دعویٰ میں عام طور پر دو قسم کے افراد ہوتے ہیں: ایک مالک اور دوسرا وہ جس کے قبضے میں وہ چیز ہوتی ہیں۔ تو دعویٰ رہن میں راہن (کیونکہ وہ مالک ہوتا ہے) اور مرتہن (اس کے قبضے میں مرہونہ ہوتی ہے) کا حاضر ہونا لازمی ہے۔ دعویٰ اجارہ میں مستاجر (اجرت پر لینے والا) اور آجر (اجرت پر دینے والا) کا حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ آجر مالک اور مستاجر قابض ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر شفیع شفعہ کرے اور یہ مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے ہو تو بائع (قابض) اور مشتری (مالک) کا حاضر ہونا لازمی ہے۔ عاریت کی صورت میں معیر اور مستعیر کا موجود ہونا ضروری ہے۔

زمین کے دعویٰ میں کاشتکار کے حاضر ہونے کا یوں حکم ہے کہ اگر کاشتکار کا ہو تو وہ مثل مستاجر کے ہے اس کا حاضر ہونا شرط ہے۔ اگر بیج کاشتکار کا نہ ہو پس اگر کھیتی اُگی ہے تو بھی یہی حکم ہے، اور اگر اُگی نہیں ہے تو یہ حکم اس وقت ہے کہ زمین پر ملک مطلق کا دعویٰ ہو۔

اسی طرح کسی نے دعویٰ کیا کہ اس نے میری یہ زمین غصب کرلی ہے اور وہ کاشتکار کے ہاتھ میں ہے تو اس کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ مدّعی اس پر فعل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر بیع کے بعد بائع نے زمین پر قبضہ کر لیا اور پھر کسی مستحق نے آکر دعویٰ کیا تو بائع اور مشتری کا موجود ہونا لازمی ہے۔[3]

دفعہ ۷: مدّعی یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز میری ہے اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز فلاں نے میرے پاس امانت رکھوائی ہے یا عاریت پر دی ہے یا رہن رکھی ہے یا غصب کی ہے اور یا اجرت پر دیا ہے۔ ان صورتوں میں مدّعیٰ علیہ کو دیکھا جائے گا اگر نیک آدمی ہو تو خصومت ختم ہو جائے گی اور اگر چکر باز ہو تو خصومت ساقط نہ ہو گی۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی کے پاس موجود مبیع (کتاب) پر کسی نے دعویٰ کیا کہ یہ میری ہے اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھے یہ کتاب فلاں نے ودیعت دی ہے یا فلاں نے عاریت پر دی ہے یا فلاں نے میرے پاس رہن رکھوائی ہے یا میں نے فلاں سے غصب کی ہے یا فلاں نے مجھے اجرت پر دی ہے اور مدّعیٰ علیہ نے اس پر گواہی قائم کر دی تو اب مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کے درمیان جھگڑا ختم ہو جائے گا اس لئے کہ مدّعیٰ علیہ نے گواہی کے ذریعے اس بات کو ثابت کر دیا کہ اس کا قبضہ جھگڑے کا قبضہ نہیں ہے اور جس شخص کے پاس جھگڑے والا قبضہ نہ ہو تو وہ خصم نہیں ہوتا، لہٰذا مدّعیٰ علیہ خصم نہیں ہے۔

---

(1) البناية شرح الهداية، ۳۶۹:۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۳۶:۴

(3) المحيط البرهاني، ۲۶۲:۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۳۷:۴

اگر مدّعی نے کہا کہ یہ چیز میری ہے اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز میں نے فلاں سے خریدی ہے تو اب خصومت ختم نہیں ہوگی اور مدّعیٰ علیہ خصم ہوگا۔ اس لئے جب مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز میں نے فلاں سے خریدی ہے تو گویا اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ چیز مدّعیٰ علیہ کی ملک ہے تو مدّعیٰ علیہ خصم ہے لہٰذا مدّعیٰ علیہ سے خصومت ساقط نہ ہوگی۔[1]

دفعہ ۸: مدّعی مدّعیٰ علیہ پر فعل کا دعویٰ کرے تو مدّعیٰ علیہ خصم رہے گا۔[2]

وضاحت:

اگر مدّعی کہے کہ یہ چیز میری ہے اور تو نے اس چیز کو مجھ سے غصب کیا ہے یا مجھ سے چوری کیا ہے تو اب خصومت ساقط نہ ہوگی اور مدّعیٰ علیہ خصم رہے گا اگرچہ مدّعیٰ علیہ اس پر گواہی قائم کردے کہ مجھے یہ چیز فلاں نے ودیعت میں دی ہے اس لئے کہ مدّعی نے مدّعیٰ علیہ پر فعل کا دعویٰ کیا ہے اور وہ فعل غصب اور چوری ہے اور جب مدّعیٰ علیہ پر فعل کا دعویٰ ہو تو مدّعیٰ علیہ خصم بنتا ہے۔[3]

دفعہ ۹: مدّعی مدّعیٰ علیہ پر کسی چیز کا دعویٰ کرے، مدّعیٰ علیہ کہے کہ یہ چیز فلاں نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے اور مدّعیٰ علیہ اس پر گواہ قائم کرے لیکن گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ مدّعیٰ علیہ کے پاس ایسے شخص نے ودیعت رکھی جس کو ہم نہیں پہچانتے تو گواہی قبول نہ ہوگی اور خصومت باقی رہے گی۔[4]

وضاحت:

مدّعی نے کہا کہ یہ چیز میری ہے اور یہ چیز مجھ سے چوری کرلی گئی تھی اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ چیز فلاں نے میری پاس ودیعت رکھوائی ہے اور مدّعیٰ علیہ نے اس پر گواہی قائم کردی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خصومت ساقط نہ ہوگی اور مدّعیٰ علیہ خصم رہے گا، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک خصومت ساقط ہوجائے گی۔

اسی مسئلے میں جب مدّعیٰ علیہ گواہ پیش کرے اور گواہوں نے کہا کہ اس کے پاس ایسے شخص نے ودیعت رکھوائی ہے جس کو ہم نہیں پہچانتے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور خصومت باقی رہے گی اور مدّعیٰ علیہ خصم رہے گا کیونکہ جب گواہوں نے کہا کہ ہم ودیعت رکھنے والے شخص کو نہیں جانتے تو اس بات کا احتمال ہے کہ مدّعی وہی شخص ہو جس نے ودیعت رکھوائی تھی جب اس طرح ہے تو خصومت ساقط نہ ہوگی اور گواہی رد کردی جائے گی۔ اور اگر گواہ کہے کہ ہم مودِع کو چہرے سے پہچانتے ہے لیکن اس کا نام و نسب سے نہیں جانتے تو اب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خصومت ساقط ہوجائے گی۔ کیونکہ گواہ مودِع کو چہرے سے پہچانتے ہیں تو گواہوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ مودِع یہ مدّعی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرا شخص ہے، تو جب مودِع دوسرا شخص ہے تو خصومت ختم ہوجائے گی۔[5]

امام محمدؒ کے نزدیک خصومت ساقط نہ ہوگی اس لئے کہ گواہوں نے کسی معین شخص کا ذکر نہیں کیا تو معرفت حاصل نہ ہوئی، اس لئے خصومت برقرار رہے گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف اس وقت ہے جب مدّعیٰ علیہ نے مودِع کا نام و نسب بیان کیا تھا اور گواہوں نے اس کو ذکر نہ کیا، اور اگر مودِع کو مجہول ذکر کیا تو گواہی بالاجماع قبول نہ ہوگی۔[6]

---

(1) فتح القدير،۸:۲۳۸
(2) نفس مصدر،۴:۴۷
(3) فتح القدير،۸:۲۴۳
(4) نفس مصدر،۴:۴۹
(5) العناية شرح الهداية،۸:۲۴۳
(6) بدائع الصنائع،۶:۲۳۱

دفعہ ۱۰: دعویٰ شفعہ کی صورت میں یہ کہا جائے کہ مدّعیٰ علیہ نے اس کو خریدا ہے یا فروخت کیا ہے تو مشتری یا بائع کا موجود ہونا ضروری ہے اور وکیل پر دعویٰ کی صورت میں مؤکل کا حاضر ہونا لازمی ہے۔[1]

وضاحت:

کوئی دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ مدّعیٰ علیہ نے اس گھر کو خریدا ہے اور اس پر قبضہ کیا ہے میں اس کا شفیع ہوں اور شفعہ طلب کرتا ہوں اور یا اس طرح دعویٰ کرے کہ یہ گھر تو نے فروخت کیا ہے اور ابھی تک سپرد نہیں کیا ہے اور میں شفعہ طلب کرتا ہوں تو پہلی صورت میں بائع کا حاضر ہونا لازمی ہے اور دوسری صورت میں مشتری کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

اگر وکیل نے گھر خرید کر قبضہ کر لیا اور پھر شفیع وکیل سے اس گھر کو شفعہ میں لینا چاہے تو اس صورت میں مؤکل کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے اور وکیل کے قبضہ نہ کرنے کی صورت میں شفیع اس کو نہیں لے سکتا جب تک مؤکل یا اس کا وکیل اور یا بائع حاضر نہ ہو۔[2]

دفعہ ۱۱: غاصب پر دعویٰ ملکیت کی صورت میں ذوالید کا حاضر ہونا ضروری ہے خواہ ذوالید مشتری ہو یا بائع ہو اور یا مستاجر۔ یعنی دعویٰ عین میں خصم صرف صاحب ید ہوگا۔[3]

وضاحت:

اگر غاصب پر دعویٰ کیا جائے تو یہ دعویٰ درست ہوگا اگرچہ وہ چیز غاصب کے پاس موجود نہ ہو اور جس کے قبضہ میں وہ چیز ہو اس کا حاضر ہونا لازمی ہے۔ جیسے کسی نے دوسرے شخص کا گھوڑا غصب کیا اور پھر اس گھوڑے کو آگے بیچا تو اگر مالک اس گھوڑے کو واپس کرنا چاہے تو اس شخص پر دعویٰ کرے گا جس کے قبضے میں وہ موجود ہو اور اگر مالک اس کی قیمت کا طلب گار ہو تو پھر غاصب پر دعویٰ کرے گا۔[4]

دفعہ ۱۲: میت کا مال وصیت کا دعویٰ کرنے کی صورت میں حاصل کیا پھر کسی ثلث مال میں وصیت کا دعویٰ کیا تو پہلے دعویٰ کرنے والا اس دوسرے کا خصم ہوگا۔[5]

وضاحت:

ایک آدمی مر گیا اور مال متروکہ کے لئے ایک وارث چھوڑا، تو ایک آدمی نے گواہ قائم کرکے یہ دعویٰ کیا کہ میت نے اس کے لئے ثلث مال کی وصیت کی ہے اور وارث منکر ہے تو قاضی گواہوں کے ہوتے ہوئے میت کے مال میں وصیت نافذ کردے گا۔ وارث نے تہائی مال موصیٰ لہ کو دے دیا پھر دوسرے شخص نے آکر یہ دعویٰ کیا کہ میت نے اس کے لئے تہائی مال کی وصیت کی ہے حالانکہ وارث موجود نہیں اور مدّعی نے موصیٰ لہ کو حاضر کیا تو قاضی اس کو خصم قرار دے کر گواہوں کی موجودگی میں حکم دے گا کہ آدھا مال اس دوسرے مدّعی کو دے، اگر وہ مال موصیٰ لہ کے پاس موجود ہو۔

اب اگر اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور مدّعی نے وارث حاضر کیا اور وارث نے اس کی وصیت سے انکار کیا تو دوبارہ گواہوں کو حاضر کرنا ضروری نہیں، بلکہ قاضی حکم کرے گا کہ وارث کے مال سے پانچواں حصہ لے لوں پھر یہ دونوں (مدّعی اور وارث) موصیٰ لہ سے آدھا مال کر اس کے پانچ حصے کریں گے ایک حصہ مدّعی کو اور چار حصے وارث کو ملیں گے۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳۷

(2) المحیط البرهانی، ۹:۱۸۵

(3) مجلة الأحكام العدلية، ۱:۳۲۶

(4) البحر الرائق، ۷:۱۹۵

(5) نفس مصدر، ۴:۳۸

اگر موصیٰ لہ غائب ہو اور مدّعی نے وارث کو حاضر کیا تو قاضی وارث کے خلاف فیصلہ کرے گا کیونکہ وارث میت کا نائب ہے۔ وارث کے خلاف فیصلہ کرنا موصیٰ لہ کے خلاف فیصلہ کرنا ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ پہلے موصیٰ لہ نے اقرار کیا ہو کہ میرے پاس جو مال ہے یہ مجھے میت کی طرف سے وصیت میں ملا ہے۔

اگر موصیٰ لہ یہ کہے کہ میں نے یہ مال اپنے باپ سے میراث میں پایا ہے اور میت نے مجھے کوئی وصیت نہیں کی تھی اور نہ اس سے کوئی مال مجھے ملا ہے تو اس صورت میں یہ مدّعی کا خصم قرار دیا جائے گا۔ اگر موصیٰ لہ کہے کہ یہ مال میرے پاس اس نے ودیعت رکھی ہے یا یہ کہا کہ میں نے اس سے غصب کر لیا ہے تو ان دونوں کو ایک دوسرے کا خصم قرار نہیں دیا جا سکتا۔[1]

اسی طرح کسی شخص میت کے وارث پر دعویٰ کیا کہ میت نے میرے لئے اس باندی کی وصیت کی ہے، قاضی نے گواہوں کی وجہ سے باندی کو موصیٰ لہ کے سپرد کیا۔ اب دوسرے شخص نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ میت نے میرے لئے اس باندی کی وصیت کی تھی اور گواہوں نے یہ بیان دیا کہ میت نے پہلی وصیت سے رجوع کیا تھا، تو قاضی اس باندی کو مدّعی کے سپرد کر دے گا۔ اگر گواہوں نے رجوع کا ذکر نہ کیا ہو تو آدھی باندی دوسرے کو دلائے گا۔

اگر کسی نے دوسرے آدمی سے مال قرض لیا یا غصب کیا اور وہ مال بعینہٖ قائم ہیں تو ایک شخص نے گواہ قائم کر کے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں مر گیا ہے اور اس نے اس مال کا میرے لئے وصیت کی ہے، اب جس شخص کے پاس مال ہے وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کا مال میرے پاس ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ مال کا مالک فلاں شخص مر گیا ہے یا نہیں تو دونوں میں خصومت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک میت کا کوئی وصی یا وارث حاضر نہ کریں۔ اگر قابض مال کہتا ہے کہ یہ مال میرا ہے اور میرے پاس میت کا کچھ مال نہیں ہے تو اس صورت میں مدّعی کے لئے خصم قرار دیا جائے گا۔[2]

دفعہ ۱۳: ودیع مشتری کے لئے خصم نہیں ہو گا ہاں اگر مشتری ملکیت کا دعویٰ کریں اور قابض اس سے منکر ہو تو پھر یہ آپس میں خصم ہونگے۔[3]

وضاحت:

ایک شخص اس طرح دعویٰ کریں کہ فلاں آدمی نے یہ گھر تم سے میرے لئے خریدا ہے اور قابض بیع سے انکار کرتا ہے تو مدّعیٰ علیہ کی گواہی مقبول ہو گی یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ مشتری حاضر ہو اور خریدنے سے منکر ہو۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر قابض نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کے ہاتھ جس کو تو نے اپنا وکیل بنایا ہے فروخت کیا تھا اور وہ اب حاضر نہیں تو مدّعی اور قابض میں خصومت نہیں ہو گی۔ یا یوں کہا کہ جس سے تو خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے میں نے اس کو فروخت کیا تھا اور رقم وصول ہونے تک یہ میرے قبضے میں ہے یا کہا کہ یہ میرے پاس ودیعت ہے تو بھی ان دونوں میں خصومت نہیں ہو گی۔[4]

دفعہ ۱۴: ایک آدمی نے رہن کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے بیع کا دعویٰ اس وقت کیا جبکہ بائع موجود نہ ہو تو مدّعی رہن اس کے مستحق ہونگے۔ ہاں اگر مدّعی بائع کی خرید قابض کی خرید سے پہلے واقع ہوئی ہو تو مدّعی اسبق مقدم ہو گا۔[5]

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۱۷۸

(2) البحرالرائق، ۸:۴۹۹

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۳۹

(4) المحیط البرہانی، ۹:۱۸۵

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۴۰

وضاحت:

ایک گھر ایک شخص کے قبضہ میں تھا دوسرے آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ فلاں آدمی کا گھر ہے اور اس نے ان پیسوں کے عوض جو میرے ان پر واجب الاداء تھے رہن رکھا اور میں نے یہ گھر اس کو بطور عاریت کے دے دیا اور اس پر گواہ قائم کئے، اور قابض نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ جس پر مدعی رہن کا دعویٰ کرتا ہے میں نے یہ گھر اس سے خریدا ہے اور گھر کا مالک اس وقت موجود نہیں تو مدعی رہن اس کا مستحق ہوگا۔(1)

اگر رہن کی بجائے اجارہ لینے کا دعویٰ کیا تو بھی یہی حکم ہے لیکن اگر کوئی آدمی دعویٰ کرے کہ میں نے یہ گھر مالک مکان سے ایک مہینے پہلے خریدا ہے اور اس کی خرید قابض کی خرید سے پہلے واقع ہوئی تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص باندی خرید کر اس کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس پر قبضہ کرلے پھر کسی نے اس پر استحقاق کا دعویٰ کیا، اس کے بعد بائع نے کہا جس نے تجھ سے استحقاق میں لی ہے اس نے میرے ہاتھ فروخت کی یا میری ملک ہونے کا اقرار کرلیا تو قاضی مشتری کو اختیار دے گا چاہے خود متولی خصومت ہو یا رد کرکے بائع سے اپنے پیسے وصول کریں۔(2)

دفعہ ۱۵: اگر مدعی نے مدعیٰ علیہ پر گواہ قائم کئے، گواہوں کی موجودگی میں مدعیٰ علیہ نے بھی مدعی کے حق کا اقرار کیا تو قاضی فیصلہ اقرار کی بنیاد پر کریں گا۔(3)

وضاحت:

بینہ حجۃ مطلقہ ہے جس کا ظہور بقضائے قاضی عتق، تدبیر، استیلاد، نکاح اور نسب جیسے امور میں ہر شخص کے حق میں ہوتا ہے کیونکہ بینہ کا حجت ہونا قضائے قاضی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہوتا ہے تو اس کا حکم تمام کے حق میں نافذ ہوگا۔ اس کے برعکس اقرار حجت قاصرہ ہے کیونکہ اس کا حجت ہونا مقر کے اقرار کے ذریعے ہوتا ہے اور مقر کو صرف اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے نہ کہ غیر پر، لہٰذا اس کا اقرار اس پر حجت ہوگا غیر پر نہیں۔(4)

اب اگر ایک حکم اقرار اور بینہ دونوں سے ثابت ہوجائے، جیسے مدعی نے دعویٰ کرنے کے بعد گواہ قائم کئے لیکن مدعی کے گواہ قائم کرنے کے بعد مدعیٰ علیہ نے اقرار کردیا کہ جس چیز پر دعویٰ کیا گیا تھا وہ مدعی کا ہے۔ اب قاضی اقرار کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا یا گواہوں کی گواہی پر۔

تو قاضی اقرار کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا کیونکہ گواہ تو منکر کے لئے اور وہ تو اقرار کرتا ہے ہاں اگر قاضی چاہے تو بینہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر کریں، تاکہ اگر خصم اپنے اقرار سے پھر جائے تو مدعی اس کے نقصان سے بچ جائے۔(5)

دفعہ ۱۶: جو آدمی کسی چیز کی ثبوت میّت کی طرف سے اپنے لئے کرتا ہے تو وہ ہر اس آدمی کا خصم ہوگا جو اسی چیز پر دعویٰ کریں۔(6)

---

(1) قرة عين الأخيار لتكملة ردالمحتار على الدر المختار، ۸:۳۸

(2) المحيط البرهانی، ۹:۱۸۶

(3) نفس مصدر، ۴:۴۱

(4) ردالمحتار على الدر المختار، ۵:۱۹۶

(5) البحرالرائق، ۶:۱۵۲

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۴۱

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ یہ گھر فلاں کا ہے اور وہ ایسا غائب ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں،اس نے حفاظت کے لئے کسی دوسرے فرد کو دیا تھااور اس دوسرے فرد نے میرے قبضے میں دیا ہے تو یہ آدمی اس کا خصم ہو گا جو اس گھر پر دعویٰ کریں۔

ہاں اگر اس بات کی خوب شناخت کی جائے کہ یہ فلاں غائب نے اس کے قبضہ میں دیا تھااور اس کا اصل مالک غائب ہے اسی پر گواہ قائم کئے تو پھر اس کے اور مدّعی کے درمیان خصومت نہ ہو گی۔[1]

دفعہ ۱۷: مضاربت میں نفع کی صورت میں اگر کوئی استحقاق کا دعویٰ کرے تو مضارب خصم ہو گا اور نفع نہ ہونے کی صورت میں رب المال خصم قرار دیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضارب اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

اب عقد مضاربت میں نفع حاصل ہوئی ہو اور کوئی اس میں استحقاق کا دعویٰ کرے تو جس قدر اس میں نفع ہوئی ہو اسی قدر میں مضارب اس کا خصم ہو گا رب المال کا حاضر ہونا لازمی نہیں۔

اگر اس عقد مضاربت میں کوئی نفع نہ ہوئی ہو تو پھر خصم رب المال قرار دیا جائے گا۔کیونکہ مال مضاربت کی ہلاکت کی صورت میں اول ربح کی طرف پھیرا جائے گا اور اگر اس سے اس نقصان کا ازالہ نہ ہو سکے تو پھر مال مضاربت سے نقصان پورا کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۱۸: جب مفسد مقارن کی وجہ سے بعض میں عقد فاسد ہو جائے تو پورا عقد فاسد ہو جائے گا اور اگر فساد عارضی ہو تو باقی میں عقد فاسد نہ ہو گی۔[4]

وضاحت:

عقد کے ساتھ ایسی چیز کا اتصال ہو جائے جو مفسد ہو تو فساد اگر دوام کے ساتھ برقرار رہے تو پورا عقد فاسد ہو جائے گا اور اگر عارضی ہو تو جس حصہ سے اس کا اتصال ہو تو وہ فاسد ہو جائے گا۔[5]

ایک آدمی نے دوسرے سے ایک چاندی کا لوٹا دو دینار کے عوض خریدی اور لوٹے پر قبضہ کر لیا اور ایک دینار ادا کیا پھر دوسرا دینار دینے سے پہلے جدا ہو گئے، یہاں تک کہ آدھی مبیع کی بیع فاسد ہو گئی تو یہ فساد باقی آدھی میں تعدی نہیں کرے گی پھر کسی نے آکر دعویٰ کیا کہ آدھی مبیع میری ہے تو مشتری اس کا خصم قرار دیا جائے گا۔اگر مستحق نے بائع کی موجودگی میں آدھی مبیع پر اپنی ملکیت گواہوں کے ذریعے ثابت کی تو مشتری بائع پر چوتھائی مبیع واپس کر دے گا اور بائع مشتری کو آدھا حصہ اس قدر کا جس کا وہ سبب صحیح کے ساتھ مالک ہوا ہے واپس دے گا اور مشتری کو کوئی اختیار نہ ہو گا۔

---

(1) بدائع الصنائع،۶:۲۳۱

(2) نفس مصدر،۴:۴۱

(3) الأختيارلتعليل المختار،۳:۲۴

(4) نفس مصدر،۴:۴۲

(5) ردالمحتارعلى الدرالمختارشرح تنويرالأبصار،۱:۵۷۰

اسی طرح اگر کسی آدمی سے ایک غلام ہی صفقہ میں یوں خرید اکہ نصف غلام سو دینار نقد کو اور آدھا غلام باقی بعوض سو دینار کے بوعدہ عطا کے لئے اور مشتری نے غلام پر قبضہ کر لیا اور بائع غائب ہو گیا پھر ایک شخص نے حاضر ہو کر گواہ قائم کئے کہ آدھا غلام میرا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر کسی نے آدھا غلام بیچا اور آدھا اس کے پاس ودیعت رکھا اور غائب ہو گیا پھر ایک شخص نے آدھے غلام کا دعویٰ کیا تا مشتری اس کا خصم نہیں ہو گا۔ اور اگر مشتری کے ہاتھ آدھا غلام فروخت کیا اور آدھا دوسرے اس کے پاس ودیعت رکھا پھر آدھے غلام میں استحقاق ثابت ہوا تو چوتھائی غلام کا ضامن ہو گا اور وہ خریدے ہوئے کا آدھا ہو گا اور مشتری بائع سے آدھا ثمن واپس کرلے گا۔[1]

دفعہ ۱۴: مقر اپنی اقرار کی وجہ سے ضامن ہو گا۔[2]

وضاحت:

مقر اپنی اقرار کی وجہ سے ضامن ہو گا، ہاں اگر مقر کے اقرار کے بعد مقرلہ نے وہ چیز قسم کھا کر حاصل کر لی پھر کسی نے دعویٰ کیا تو مقرلہ اس کا خصم ہو گا۔ اسی طرح اگر مقر اقرار کے بعد کسی سبب کے عدم وقوع کا اندیشہ ظاہر کریں تو اس کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔[3]

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میرے پاس جو ہزار درہم ہے وہ میں نے تیرے غلام سے غصب کئے ہے یا تیرے غلام نے مجھے ودیعت میں دی ہے، مالک نے کہا کہ یہ دراہم میرے ہے اور تو نے میرے غلام سے غصب نہیں کئے ہے تو مقر یہ مال مولیٰ کو حوالہ کرے گا مگر اس صورت میں نہیں لے سکتا جب مقر غصب اور ودیعت قائم کرے۔ اگر اس کے پاس گواہ نہیں اور مولیٰ نے مال پر قبضہ کیا اور غلام نے آکر مقرلہ کے مملوک ہونے کا انکار کریں تو مقر غلام کے لئے ہزار درہم کا ضامن ہو گا لیکن اس شرط پر اگر غصب کا اقرار کیا ہو ودیعت کی صورت میں ضامن نہیں ہو گا۔

اسی مسئلے میں اگر مولیٰ قسم کھا کر مقر سے یہ دراہم قبضہ کرلے اور پھر وہ غائب شخص آکر غلام ہونے سے انکار کریں تو ہزار درہم مولیٰ سے لے گا اور مولیٰ کو حکم کیا جائے گا کہ اگر تیرا حق ہے تو گواہ قائم کرے اور مقر ضامن نہیں ہو گا۔

اسی طرح ایک آدمی نے کہا کہ مجھ سے تیرے غلام نے یہ مال غصب کرکے تیرے پاس ودیعت رکھا ہے اور قابض نے کہا کہ تو نے سچ کہا لیکن میں تجھے اس لئے نہیں دوں گا کہیں میرا غلام میرے غلام ہونے سے انکار کرے تو اس کے قول کو توجہ نہیں دی جائے گی اور اس پر جبر کیا جائے گا کہ مال مقرلہ کے سپرد کیا جائے۔ پھر غائب نے آکر اس کے غلام ہونے سے انکار کیا تو مقرلہ سے وہ مال لے کر مقر کے حوالہ کیا جائے گا اگر وہ مال مقر کے پاس موجود ہو، اگر مقرلہ اس مال کو تلف کیا ہو تو اس سے ضمان لینے کا اختیار ہے۔

اگر مقر نے کہا کہ یہ مال میرے پاس میرے فلاں غلام نے ودیعت میں رکھا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ مال تیرا ہے یا نہیں، پس مدّعی نے گواہ قائم کئے کہ یہ مال میرا ہے تو گواہی قبول کرکے مال مدّعی کو سپرد کیا جائے گا اور اگر غائب حاضر ہو کر مقر کے غلام ہونے سے انکار کیا تو اپنا مال لے لے گا اور مدّعی سے کہا جائے گا کہ اپنے گواہ دوبارہ پیش کرو ورنہ تیرا حق نہیں ہے۔ اگر مقر قابض مال نے کہا کہ یہ مال تیرا ہے تیرے لئے میرے پاس فلاں شخص نے ودیعت رکھا ہے اور فلاں شخص میرا غلام نہیں ہے پو مدّعی نے گواہ قائم کئے کہ فلاں شخص تیرا غلام ہے تو ان دونوں میں خصومت نہ ہو گی اور گواہی بھی مقبول نہ ہو گی۔[4]

---

(1) المحيط البرهاني، ۱۸۹:۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴۳:۴

(3) المبسوط للسرخسي، ۱۰۶:۱۸

(4) المحيط البرهاني، ۱۹۲:۹

دفعہ ۱۵: عبد ماذون کو ہبہ کی صورت میں واہب رجوع کرے تو جس کے قبضہ میں موہوبہ چیز ہو وہ خصم ہو گا۔(1)

وضاحت:

عبد ماذون کو کوئی چیز ہبہ کر دی گئی پھر واہب نے رجوع کرنا چاہا اور غلام کا مالک غائب ہے تو غلام اس کا خصم ہو گا اور اگر اس کو تصرفات کی اجازت نہ ہو تو مالک کی عدم موجودگی میں وہ خصم نہیں ہو گا، لیکن اگر غلام اور ہبہ کرنے والے کے درمیان اختلاف ہوا غلام نے کہا کہ میں مجور ہوں اور واہب نے کہا کہ تو ماذون ہے تو واہب کا قول معتبر ہو گا۔

اگر وہ موہوبہ چیز مولیٰ کے پاس ہو تو واہب کا خصم مولیٰ ہو گا۔ اگر مولیٰ نے کہا کہ مجھے میرے غلام نے یہ ودیعت رکھنے دی ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ آیا اسے ہبہ کر دی گئی ہے یا نہیں، پس مدّعی نے ہبہ پر گواہ قائم کئے تو مالک اس کا خصم ہو گا۔(2)

باب ۶: دعویٰ دفع کرنے اور نہ کرنے کے بیان میں:

دفعہ ۱۶: مدّعی نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز میری ہے مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ میرے پاس ودیعت، عاریت، اجارہ، رہن یا غصب کی وجہ سے ہے اور اس پر گواہ قائم کئے تو مدّعی کی خصومت باقی نہیں رہے گی۔(3)

وضاحت:

مدّعی دعویٰ کریں کہ فلاں کے پاس یہ چیز میری ہے اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ فلاں غائب نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے، اس کو میرے پاس رہن رکھا ہے، میں نے اس کو اس سے غصب کیا ہے اور اس پر گواہ قائم کئے تو اس کے اور مدّعی کے درمیان کوئی خصومت نہیں ہے۔

قابض گواہوں کے ذریعے دو چیزوں کو ثابت کرتا ہے: ایک غائب کے لئے ملک کا ثابت ہونا لیکن یہ شریعت میں قابل قبول نہیں۔ دوم یہ کہ مدّعیٰ علیہ سے مدّعی کی خصومت دور ہو اور اس بات میں مدّعیٰ علیہ خود خصم ہے، لہذا مدّعیٰ علیہ کے حق میں خصومت کا دور ہونا ثابت ہو جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر قابض کوئی صالح اور نیک آدمی ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا یعنی گواہ قائم کرنے سے اس کے ذمہ سے خصومت دور ہو جائے گی اور اگر یہ شخص حیلہ بازی میں مشہور ہو تو اس کے ذمہ سے خصومت دور نہ ہو گی اگرچہ اس نے گواہ قائم کیا ہو۔

کیونکہ جو شخص حیلہ باز ہوتا ہو تا ہے وہ کبھی چپکے سے اپنا مال کسی مسافر کو دے دیتا ہے کہ مسافر مذکور اس کے پاس علانیہ طور سے ودیعت رکھ کر اس پر گواہ مقرر کر دیتا ہے اور یہ حیلہ اس واسطے کرتا ہے تاکہ دوسرے یعنی مدّعی کا حق باطل ہو جائے اور گواہوں کے ذریعے بھی اس کے لئے اپنا حق ثابت کرنا ممکن نہ رہے۔ پس جب قاضی قابض کو حیلہ بازی میں متہم سمجھے گا تو اس کی طرف سے حجت قبول نہ کرے گا جیسے کوئی فرد حیلہ بازی اور مکاری میں معروف ہے اور اس پر دوسروں کے حقوق اور دیون واجب ہیں۔ پس وہ حق دار اور قرض خواہ لوگ اس کے مال پر دعویٰ کر کے اپنا حق حاصل کریں گے، لہذا اس نے یہ حیلہ نکالا کہ اپنا مال کسی مسافر کو چپکے سے دے دیا اور مسافر نے گواہوں کو بلا کر علانیہ یہ مال اس کے پاس ودیعت رکھ دیا یا رہن رکھ دیا تو اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مسافر تو چلا گیا مگر جب قرض خواہ اس پر دعویٰ کریں گے تو یہ حیلہ باز انہیں گواہوں کو پیش کر دے گا کہ یہ میرا مال نہیں بلکہ فلاں غائب نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے پس وہ قرض خواہوں کی خصومت سے چھوٹ جائے گا۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۴۴

(2) المحیط البرهانی، ۹:۱۹۹

(3) نفس مصدر، ۴:۴۴

امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ جب یہ قابض حیلہ بازی میں معروف ہو تو قاضی اس تہمت کی وجہ اس کے ذمہ سے خصومت دور نہ کرے گا اگرچہ قابض نے گواہ قائم کر دیئے، یہ حکم اس وقت ہے جب گواہوں نے اس مسافر کی نام ونسب سے شناخت بیان کی ہو۔[1]

دفعہ۱۷: مدّعیٰ علیہ سے خصومت تب دفع ہو گی جب گواہ یہ کہے کہ ہم ودیعت رکھنے والے کو نام ونسب اور صورت سے پہچانتے ہیں۔[2]

وضاحت:

مدّعی کی خصومت دور کرنے کے لئے مدّعیٰ علیہ کے گواہوں نے گواہی دی کہ مدّعیٰ علیہ کے پاس ایسے شخص نے ودیعت رکھی ہے جس کو ہم صورت یا نام ونسب سے نہیں پہچانتے تو بالاجماع قابض کے ذمہ سے خصومت دفع نہ ہو گی۔ایک تو وجہ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ ودیعت رکھنے والا یہی مدّعی ہو لیکن گواہوں نے اس کو پہچانا نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ مدّعیٰ علیہ نے مدّعی کو کسی شخص معین کی جانب حوالہ نہیں کیا ہے تاکہ مدّعی اس کی تلاش یا پیچھا کر سکے، پس اگر سے خصومت دور ہو گئی تو مدّعی کو اس سے ضرر پہنچے گا اور اگر گواہوں نے کہا کہ ہم اس ودیعت رکھنے والے کو صورت سے تو پہچانتے ہیں لیکن اس کو نام ونسب سے نہیں پہچانتے تو امام محمدؒ کے نزدیک دوسری دلیل کی وجہ سے یہی حکم ہو گا کہ خصومت دفع نہ ہو گی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خصومت دور ہو جائے گی کیونکہ مدّعیٰ علیہ نے گواہوں کے ذریعے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ غلام یعنی مال متعین اس کے پاس مدّعی کے علاوہ کی جانب سے پہنچا ہے، چنانچہ گواہ اس کو صورت سے پہچانتے ہیں بر خلاف پہلی صورت کے کہ وہاں مدّعی کے علاوہ کی جانب سے ملنا ثابت نہ ہوا تھا۔پس دوسری صورت میں مدّعیٰ علیہ کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہ ہوا بلکہ حفاظت کا قبضہ ہوا اور یہی مقصود ہے اور رہا مدّعی کو ضرر پہنچنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدّعی نے خود اپنے آپ کو ضرر پہنچایا ہے کہ اپنے مدّعیٰ علیہ کو بھول گیا یا مدّعیٰ علیہ کے گواہوں نے اس کو ضرر پہنچایا ہے، بہرحال مدّعیٰ علیہ نے ضرر نہیں پہنچایا۔[3]

اگر گواہوں نے کہا کہ ہم اس کو تینوں طریقوں سے پہچانتے ہیں لیکن ہم اس کو نہ بتلادیں گے اور نہ گواہی دیں گے تو خصومت دفع نہ ہو گی۔اگر اس طرح کہا کہ یہ چیز فلاں غائب شخص کے قبضہ میں تھی لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس نے اس شخص کو دی ہے یا نہیں اور قابض نے کہا کہ مجھے دی ہے تو خصومت دفع ہو جائے گی۔[4]

دفعہ۱۸: جب مدّعیٰ علیہ نے اپنے مالک ہونے کا دعویٰ کیا تو گویا اس نے اپنے خصم ہونے کا دعویٰ کیا۔[5]

وضاحت:

ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس کے قبضہ میں جو غلام ہے وہ میری ملک ہے۔مدّعیٰ علیہ نے یہ سن کر کہا کہ میں اس غلام کو فلاں آدمی سے خریدا ہے جو اس وقت سفر میں ہے تو اس صورت میں یہ قابض اس مدّعی کا خصم ہو گا یعنی قاضی کو اس دعویٰ کی سماعت کا مجاز ہو گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ قابض نے جب یہ کہا کہ میرا قبضہ مالکانہ قبضہ ہے تو اس نے اپنے خصم اور مدّعیٰ علیہ ہونے کا اقرار کر لیا ہے اور اگر مدّعی نے ابتدا میں کہا کہ تو نے یہ غلام میرے پاس سے غصب کیا ہے یا میرے پاس سے چوری کیا ہے تو بھی قابض سے خصومت دور نہ

---

(1) مجمع الأنهرفي شرح ملتقى الأبحر،١:٢٧٠

(2) فتاویٰ عالمگیری،٤:٤٥

(3) ردالمحتارعلى الدرالمختار،٥:٥٦٦

(4) تبيين الحقائق شرح كنزالدقائق،٤:٣١٣

(5) نفس مصدر،٤:٤٥

ہو گی اگرچہ وہ اس پر گواہ قائم کر دے کہ فلاں غائب نے میرے پاس اس کو ودیعت رکھا ہے کیونکہ قابض خصم اس لئے ہوا کہ اس پر فعل غصب یا فعل چوری کا دعویٰ ہے، وہ اپنے قبضہ کی وجہ سے خصم اور مدّ عیٰ علیہ نہیں ہوا ہے۔

اس کے بر عکس ملک مطلق کے دعویٰ کے کہ اس میں قابض اپنے قبضہ کی وجہ سے خصم ہو تا ہے یہاں تک کہ غیر قابض پر ملک مطلق کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر چوری یا غصب وغیرہ کسی فعل کا دعویٰ ہو تو وہ غیر قابض پر بھی صحیح ہو تا ہے۔ (1)

دفعہ ۱۹: مدّ عی نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز مجھ سے چوری ہو گئی ہے اور مدّ عیٰ علیہ نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس اس کو ودیعت رکھا ہے اور گواہ قائم کئے تو خصومت دفع نہ ہو گی۔ (2)

وضاحت:

مدّ عی نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز میرے پاس چوری ہو گئی ہے اور قابض نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس اس کو ودیعت رکھا ہے اور گواہ قائم کر دیئے تو خصومت دفع نہ ہو گی یہ رائے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

ان کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ چوری کا فعل تقاضا کر تا ہے کہ کوئی چوری کرنے والا ہو اور ظاہر یہی ہے کہ چور وہی ہے جس کے قبضہ میں یہ چیز موجود ہے لیکن مدّ عی نے اس کو معین نہیں کیا، ایک تو اس عرض سے اس نے از راہ شفقت اس سے قطع ید کا دفعیہ چاہا اور دوم یہ کہ اس نے پردہ پوشی کا ثواب ملحوظ رکھا۔

پس یہ قول ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے مدّ عیٰ علیہ سے کہا کہ تونے چوری کی ہے اور غصب میں یہ بات نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی حد نہیں ہے لہٰذا اس کے اظہار سے احتراز نہیں کرے گا۔

امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ خصومت دور ہو جائے گی کیونکہ مدّ عی نے اس پر کسی فعل کا دعویٰ نہیں کیا ہے یہ ایسا ہو گیا جیسے مدّ عی نے کہا کہ میرے پاس سے یہ چیز غصب کی گئی ہے یعنی کوئی غاصب بیان نہیں کیا تو بالاتفاق قابض اس کا خصم نہ ہو گا، ایسے ہی چوری کی حال میں قابض مدّ عیٰ علیہ نہ ہو گا۔ (3)

دفعہ ۲۰: مدّ عی نے ایک شخص سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور مدّ عیٰ علیہ نے کہا کی یہ چیز اسی نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو خصومت بغیر گواہوں کے ساقط ہو جائے گی۔ (4)

وضاحت:

مدّ عی دعویٰ کر تا ہے کہ میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور قابض نے کہا کہ اسی نے یہ چیز میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو خصومت بینہ کے بغیر ساقط ہو جائے گی یعنی مدّ عیٰ علیہ کو ودیعت پر گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہ ہو گی، اس لئے کہ جب مدّ عی اور مدّ عیٰ علیہ نے اتفاق کیا کہ اس چیز میں اصلی ملک مدّ عیٰ علیہ کے علاوہ دوسرے شخص کی ہے تو مدّ عیٰ علیہ کے قبضہ میں پہنچنا اسی کی طرف سے ہو گا پس قابض کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہ ہوا مگر یہ کہ اس بات پر گواہ قائم کرے کہ فلاں نے مجھ کو اس پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا ہے تو اس صورت میں قبضہ کر سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے بینہ سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس کو روکنے کا زیادہ مستحق ہے۔ (5)

---

(1) ردالمحتارعلی الدرالمختارشرح تنویرالأبصار ،۵۱۹:۱

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴۶:۴

(3) الهداية ، ۱۶۶:۳

(4) نفس مصدر، ۴۶:۴

(5) المحيط البرهانی، ۱۹۴:۹

دفعہ ۲۱: مدّعیٰ علیہ کسی چیز کا مدّعی کے لئے اقرار کرے پھر ودیعت کا دعویٰ کرے تو خصومت دفع کی جائے گی۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے کے مقبوضہ گھر پر دعویٰ کیا اور قابض نے اقرار کیا کہ یہ مدّعی کا تھا پھر اس نے کہا کہ یہ فلاں شخص نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے یا مدّعیٰ علیہ پہلے ودیعت کا قول کرے اور پھر مدّعی کے لئے اقرار کریں دونوں صورتوں میں خصومت دفع کی جائے گی، اس لئے کہ یہ مدّعی کی ملکیت کی منافی نہیں اور مدّعیٰ علیہ کا قبضہ امانت کے طور پر ہو۔

اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں پس اگر پہلے مدّعی کے لئے اقرار کیا ہے پھر ودیعت رکھنے کا دعویٰ کیا تو مدّعی کو دینے کا حکم دیا جائے گا اب غائب حاضر ہونے کے بعد اس کی تصدیق کرے تو مدّعی کا قبضہ برقرار رہے گا اس لئے کہ اس کا حق سابق ہے لیکن مقرلہ سے کہا جائے گا کہ اس امر کے گواہ لائے کہ تمام گھر اس کا ہے۔

اگر پہلے ودیعت رکھنے کا دعویٰ کیا اور پھر اقرار کیا تو گھر مدّعی کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ مدّعی کا حق ثابت ہے اور غائب کا حق موہوم ہے۔

اسی طرح اگر قاضی کو معلوم ہو کہ غائب نے اس کے پاس ودیعت رکھا ہے تو بھی دونوں میں خصومت نہیں رہے گا۔[2]

دفعہ ۲۲: مطلق ملکیت میں غیر قابض (خارج) کی حجت مقدم ہوگی قابض پر۔[3]

وضاحت:

ایک آدمی نے ملک مطلق کا دعویٰ کیا ان میں سے ایک قابض تھا اور دوسرا خارج، تو احنافؒ اور امام احمدؒ[4] کے نزدیک غیر قابض (خارج) کی حجت مقدم ہوگی اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ[5] کے نزدیک قابض کی حجت مقدم ہوگی۔

جیسے کوئی ملک مطلق کا دعویٰ کریں اور قابض نے کہا کہ یہ گھر میرا تھا میں نے اس کو فلاں شخص کے ہاتھ فروخت یا ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دیا پھر اس نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے تو وہ خصومت سے بری نہیں ہوگا لیکن اگر مدّعی اس کی تصدیق کرے تو بری ہوگا یا قاضی کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ شخص سچ بولتا ہے تو خصومت اس سے دفع ہو جائے گی، پس اگر اس میں سے کوئی بات نہ ہو لیکن قابض نے بیع کے گواہ سنائے تو مقبول نہ ہوں گے۔[6]

دفعہ ۲۳: مال معین کے ضائع ہونے کے بعد اس میں دعویٰ واقع ہوا مدّعیٰ علیہ نے گواہ قائم کئے کہ یہ چیز میرے پاس ودیعت، رہن، مضاربت یا شرکت کی تھی تو مدّعیٰ علیہ کا قول معتبر نہیں ہوگا۔[7]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۴۷

(2) المحیط البرهانی، ۹:۲۵۳

(3) نفس مصدر، ۴:۴۷

(4) احمد بن محمد، ابوعبداللہ، شیبانی، آئمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ان کا تعلق مرو سے تھا۔ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے۔ ۱۶۴ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصول علم میں لگے رہے اور اس سلسلے میں سفر کی تکالیف برداشت کیں۔ خلق قرآن کے مسئلے میں ۲۸ مہینے جیل میں گزارے۔ ۲۴۱ھ کو وفات پاگئے۔ [الأعلام، ۱:۲۰۳]

(5) مالک بن انس بن عامر اصبحی مدنی (پیدائش: ۹۵ھ – وفات: ۱۷۹ھ)، امام دار الهجرۃ سے مشہور ہیں، مذہب مالکی کے مؤسس ہیں۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، آپ کے اساتذہ میں امام نافع، ابن شہاب زہری، ربیعہ بن عبدالرحمن وغیرہ شامل ہیں۔ شاگردوں میں امام محمد اور یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں مؤطا امام مالک کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ [طبقات الفقهاء، ۱:۶۸]

(6) البناية شرح الهداية، ۹:۳۲۶

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۴۸

وضاحت:

اگر کسی کے مال معین کے تلف ہونے کے بعد اس میں دعویٰ واقع ہوا اور مدّعیٰ علیہ نے گواہ قائم کئے کہ یہ چیز میرے پاس ودیعت، رہن ،شرکت یا مضاربت کے طور پر تھی تو مدّعیٰ علیہ کی گواہی قبول نہ ہوگی، اس لئے کہ دعویٰ دین پر واقع ہوا اور اس کا محل ذمہ ہے بخلاف عین کے۔ قاضی کے فیصلہ کے بعد مدّعی، مدّعیٰ علیہ سے ضمان وصول کرے گا۔

لیکن جب غائب حاضر ہوا اور اس نے مدّعیٰ علیہ کے قول کی تصدیق کی تو ودیعت، رہن، اجارہ، مضاربت اور شرکت کی صورت میں مدّعیٰ علیہ اپنا ضمان واپس لے گا اور عاریت، غصب اور سرقہ کی صورت میں نہیں لے سکتا۔ اگر غائب نے قبضہ کا اقرار کیا کہ مجھے ان وجوہات مذکورہ سے پہنچی ہے تکذیب کی تو قابض اس غائب سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اس وقت تک اجارہ، ودیعت، رہن، شرکت اور یا مضاربت میں سے جس کا دعویٰ کیا ہے اس کے گواہ قائم نہ کرے۔

اگر غلام بھاگ گیا اور پھر مدّعی نے اس شخص پر دعویٰ کیا جس سے وہ بھاگ گیا تھا اور مدّعیٰ علیہ نے ان وجوہات بالا کی بنیاد اپنے قبضہ میں ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا حکم بھی مال معین کے تلف ہونے کی طرح ہے ،اگر وہ غلام آیا تو ودیعت، رہن، اجارہ، شرکت اور مضاربت کی صورت میں غائب کی ملکیت میں آئے گا اور چوری، غصب اور عاریت کی صورت میں اس شخص کی ملکیت میں آئے گا جس کے قبضہ میں تھا۔ (1)

دفعہ ۲۴: غلام کا دعویٰ قابض کے دعویٰ کے خلاف ہو یعنی حریت کا ہو تو اسی صورت میں غلام کا قول قبول کیا جائے گا۔ (2)

وضاحت:

رقیت اور آزادی میں اصل آزادی ہے اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں اس قابض کا غلام تھا اور اس نے مجھے آزاد کیا ہے اور قابض اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ غلام فلاں شخص کا تھا اور اس نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے تو اس میں غلام کا قول معتبر ہوگا اور مدّعیٰ علیہ سے اس گواہی قائم کرنے سے جو اس نے قائم کی ہے خصومت دفع نہ ہوگی۔

غلام نے دعویٰ کیا کہ اس فلاں آدمی نے مجھے آزاد کیا ہے اور مالک نے کہا میں نے جس وقت اس کو آزاد کیا تھا اس وقت یہ میری ملکیت میں نہ تھا یعنی یہ کہا کہ میں نے اس کو فلاں آدمی کے ہاتھ فروخت کیا اور پھر اس سے خرید لیا اور آزاد کرنے سے پہلے بیع پر گواہ قائم کئے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی، اور اگر مالک نے کہا کہ میں نے خریدنے سے پہلے تجھے آزاد کیا ہے اور غلام نے کہا کہ نہیں خریدنے کے بعد آزاد کیا ہے تو غلام کا قول قبول کیا جائے گا۔ (3)

دفعہ ۲۵: جس طرح نفس دعویٰ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی اسی طرح ایک گواہ سے بھی کوئی چیز ثابت نہیں ہوتا۔ (4)

وضاحت:

جس طرح نفس دعویٰ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی اسی طرح ایک گواہ سے بھی کوئی چیز ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر گواہ پیش کرنے کے بعد مدّعیٰ علیہ نے اقرار کیا تو دوسرے گواہ کو پیش کرتے وقت پہلے کا حاضر کرنا لازمی نہیں۔ (5)

---

(1) المحیطالبرهانی،۲۰۶:۹

(2) نفس مصدر،۵۰:۴

(3) قرةعين الأخيارلتكملة ردالمحتار على الدر المختار،۱۰۵:۸

(4) نفس مصدر،۵۰:۴

(5) المبسوط للسرخسی،۷۵:۲۰

اسلام نے متوقع نزاعات کے منصفانہ حل کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا اہتمام کرنا لازمی قرار دیا ہے۔ اس میں یہ حکمت ملحوظ ہے کہ قاضی کے سامنے اگر ایک کے بجائے دو گواہ بیان دیں گے تو اس کے لیے واقعے کی حقیقی صورت کا اطمینان بخش علم حاصل کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مزید براں اس سے گواہ کی دست یابی کو حتی الامکان یقینی بنانا بھی پیش نظر ہے کہ اگر ایک گواہ کسی وجہ سے موقع پر دستیاب نہ ہو تو دوسرا گواہ عدالت میں پیش ہو کر گواہی دے سکے۔

تاہم فقہاے احناف نے آیت میں مذکور نصاب شہادت کی پابندی کو عدالت کے لیے بھی لازم قرار دیا ہے۔

حنفی فقیہ ابو بکر الجصاص نے اس کے حق میں دو دلیلیں پیش کی ہیں:

ایک یہ کہ آیت کریمہ میں اس کے بارے میں حکم آیا ہے۔

اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تا کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسرا اسے یاد دلا دے۔[1]

کہ کسی معاملہ کرتے وقت دو گواہ مقرر کرنے اور پھر نزاع کی صورت میں انھیں قاضی کے سامنے پیش کرنے کی دونوں صورتوں کو شامل ہے، اور جب انھیں حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ بھی ان کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہوگا۔

دوسری یہ کہ کسی بھی معاملے میں گواہ مقرر کرنے کا مقصد ہی چونکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نزاع کی صورت میں قاضی کے سامنے گواہی دیں، اس لیے یہ بات بھی اس ہدایت کے تحت داخل ہے کہ نزاع کی صورت میں کسی معاملے کے گواہوں کو عدالت میں پیش کیا جائے اور قاضی کو ان کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند بنایا جائے۔[2]

تو دعویٰ کی اثبات کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے ہاں اگر مدّعی نے ایک گواہ پیش کیا اور اسی کے ہوتے ہوئے مدّعیٰ علیہ نے اقرار کیا تو دوسرے گواہ کو پیش کرتے وقت پہلے گواہ کا دوبارہ حاضر کرنا ضروری نہیں۔ اگر مدّعی نے قابض پر ایک گواہ پیش کئے کہ یہ اس نے قابض سے خریدا ہے اور قابض نے اقرار کیا کہ یہ فلاں شخص نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے اور غائب نے آکر قابض کی تصدیق کی تو قاضی حکم دے گا کہ اس کو غائب کے سپرد کیا جائے پھر مدّعی نے خریدنے پر دوسری گواہ قائم کیا تو اب پہلے گواہ کو دوبارہ حاضر کرنا ضروری نہیں اور ضامن یہ قابض ہوگا نہ کہ وہ غائب شخص جو حاضر ہوا ہے۔[3]

تقابل:

The competence of a person to testify, and the number of witnesses required in any case shall be determined in accordance with the injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah.[4]

قرآن وحدیث میں کسی معاملے کے تصفیہ کے لئے جتنے گواہوں کی تعداد لازمی قرار دی گئی ہے وہی بات وضع قوانین میں بھی مدنظر رکھی گئی ہے۔ یعنی دو مرد اور یا ایک مرد اور دو عورت۔ مذکورہ نصاب شہادت کی پابندی عدالت کے لئے لازم ہے۔ تاہم حدود میں زنا کے لئے چار گواہ لازم ہے اور بعض امور میں ایک آدمی کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔

---

(1) سورۃ البقرۃ۲:۲۸۲

(2) احکام القرآن، الجصاص، احمد بن علی،۱:۶۲۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

(3) المحیط البرہانی،۹:۲۲۰

(4) The Qanun-e-Shahadat1984,P:23,Chapter:2,Article:17

دفعہ ۲۶: مدّعیٰ علیہ اس وقت خصم ہو گا جب اس کا قبضہ ملکیت کا ہو نہ کہ نیابت کا۔[1]

وضاحت:

اگر کوئی دعویٰ کرے کہ یہ چیز میں نے فلاں سے خریدا ہے اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ اسی فلاں آدمی نے مجھے ودیعت میں دیا ہے تو صرف اس کے قول سے گواہوں کے بغیر خصومت دفع ہو گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں اصل مالک کی ملکیت پر متفق ہیں اختلاف اس میں ہے کہ ایک اسی مالک سے خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا ودیعت کا، تو قابض کی ید، ید ملکیت نہیں بلکہ ید نیابت کے ہے۔

لیکن اگر مدّعی اس پر گواہ لائے کہ اس فلاں آدمی نے مجھے اس کے وصول کرنے کا وکیل بنایا ہے تو اس کا دعویٰ درست ہو گا کیونکہ اس نے دلیل سے ثابت کیا ہے کہ اس کو امساک کا حق حاصل ہے۔[2]

دفعہ ۲۷: جو کسی غیر کے فعل پر قسم کھاتا ہو تو وہ علم پر قسم کھائے گا اور اگر اپنے فعل پر قسم کھاتا ہو تو وہ قطعی قسم کھائے گا۔[3]

وضاحت:

اگر کسی کے قبضہ میں گھر یا غلام ہو اس پر کسی نے دعویٰ کیا اور اس کے پاس گواہ نہیں اور اس سے قسم لینا چاہا تو اگر وہ چیز جو اس کے قبضہ میں ہو اس کو وراثت میں ملی ہو تو علم پر قسم کھائے گا اور اگر وہ چیز اس نے خریدا ہو یا اس کو کسی نے ہبہ کیا ہو تو پھر قطعی قسم کھائے گا۔[4]

جیسے اگر کسی کے پاس باندی ہو گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے پاس عمرو نے یہ باندی ودیعت رکھی ہے اور کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ عمرو کو کس نے دی ہے اور قابض نے کہا کہ اس کو عبد اللہ نے دی ہے تو دونوں میں خصومت نہیں ہو گی اور قابض پر قسم نہیں آئے گی۔ اور اگر گواہوں نے کہا کہ باندی عبد اللہ نے عمرو کو دیا ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس قابض کو کس نے دی ہے اور قابض نے کہا کہ مجھے عمرو نے دی ہے تو خصومت دفع نہ ہو گی، پس اگر کسی نے کہا کہ مدّعی سے قسم لی جائے کہ اس کو میرے پاس عمرو نے ودیعت میں نہیں رکھی ہے تو علم پر قسم لی جائے گی اور اگر مدّعی نے عرض کیا کہ مدّعیٰ علیہ سے قسم لیا جائے کہ عمرو نے اس کو ودیعت دی ہے تو اس سے قطعی قسم لی جائے گی۔

دفعہ ۲۷: دعویٰ میں اگر تناقض ایسا ہو جو خفی ہو تو دعویٰ کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو گا۔[5]

وضاحت:

ایک آدمی نابالغ بیٹے کی طرف سے ولی کر اپنا ذاتی گھر اس کے لئے خریدے لڑکے بالغ ہوا لیکن اس کو معلوم نہیں کہ اس کے باپ نے کیا کیا ہے، لڑکے کے والد نے یہ گھر فروخت کر کے کسی دوسرے کو سپرد کیا پھر لڑکے نے یہی گھر اسی مشتری سے کرایہ پر لے لیا۔ کرایہ پر لینے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ میرے باپ نے یہ گھر میرے لئے خریدا تھا، پس مشتری پر مالک ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میرے باپ نے یہ گھر میرے لئے خریدا تھا اور اس پر گواہ پیش کئے۔ مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ تیرے دعویٰ میں تناقض ہے تو نے مجھ سے کرایہ پر لے کر خود اس بات کا اقرار کر لیا کہ یہ گھر تیرا نہیں ہے، اس کے بعد پھر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہو۔ یہاں اگرچہ تناقض ثابت ہوتا ہے مگر ایسا تناقض ہے کہ جس میں خفا ہے اس لئے یہ دعویٰ صحیح ہو گا۔

---

(1) نفس مصدر، ۴: ۵۱

(2) البحرالرائق، ۷: ۲۳۳

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۵۱

(4) عیون المسائل، ابو اللیث، نصر بن محمد، ۱: ۴۶۶، مطبعہ اسعد، بغداد، ۱۳۸۶ھ

(5) نفس مصدر، ۴: ۵۱

یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ کوئی عبد مکاتب اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس کے مولیٰ نے اس کو عقد کتابت سے پہلے آزاد کیا ہے تو اس کے گواہ قبول کئے جائے گے، عتق کے باب تناقض صحت دعویٰ کے لئے مانع نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس امر میں خفاء واقع ہو سکتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق مولیٰ کے ساتھ ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مولیٰ نے آزاد کیا ہو اور اس کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو، پھر بعد میں پتہ چلا ہو۔

اسی طرح بیوی شوہر سے خلع کرے اور خلع کے بعد بیوی اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس کے شوہر نے اس کو خلع سے پہلے تین طلاقیں دی ہو تو اس کے گواہ قبول کی جائے گی اور بیوی بدل خلع واپس لے گی، کیونکہ ایقاع طلاق میں شوہر مستقل ہوتا ہے اور اس کے وقوع کا بیوی کو علم نہیں ہوتا۔[1]

دفعہ ۲۸: مدّعیٰ علیہ مدّعی کے دعویٰ کو رد کرنے کے جواب میں کہے کہ یہ مقبوضہ دار اس مدّعی سے خریدا ہے، مدّعی نے فسخ بیع (اقالہ) کے ذریعے اس کا دعویٰ رد کر دیا تو خصومت دفع کی جائے گی۔[2]

وضاحت:

سودا یا عقدِ بیع مکمل ہونے کے بعد بائع اور خریدار میں سے کوئی ایک اپنی مرضی سے سودا ختم نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات مشتری کوئی چیز خریدنے کے بعد کسی ضرورت کی وجہ سے یہ چاہتاہے کہ وہ یہ سودا ختم کر دے، اس صورت میں سودا ختم کرنے کے لیے بائع کی رضامندی ضروری ہے۔ باہمی رضامندی سے سودا ختم کرنے کو اقالہ کہاجاتاہے۔ اقالہ کے لیے ضروری ہے کہ بیع اسی ثمن پر فسخ کی جائے جس پر عقد کیا گیا تھا، کمی یا زیادتی کی شرط لگانا ناجائز ہے۔ اقالہ بائع اور خریدار کے حق میں تو فسخ (عقد ختم کرنا) ہے، لیکن کسی شخصِ ثالث کے حق میں عقد یا بیعِ جدید ہے۔

اقالہ کے شرائط یہ ہیں:

۱۔ دونوں کا راضی ہونا۔

۲۔ مجلس ایک ہونا۔

۳۔ اگر بیع صرف کا اقالہ ہو تو اُسی مجلس میں دو متبادل چیزوں پر قبضہ کرنا ہو۔

۴۔ بیچی ہوئی چیز یعنی سامان کا موجود ہونا شرط ہے ثمن کا باقی رہنا شرط نہیں ہے۔

۵۔ بیچی ہوئی ایسی چیز ہو جس میں خیار شرط خیار رویت خیار عیب کی وجہ سے بیع فسخ ہو سکتی ہو، اگر مبیع میں ایسی زیادتی ہوگئی جسکی وجہ سے فسخ نہ ہو سکے تو اقالہ بھی نہیں ہو سکتا۔

۶۔ بیچنے والے نے قیمت خریدار کو قبضہ سے پہلے ہبہ نہ کیا ہو۔[3]

مسئلے کی وضاحت اس طرح ہو گی مدّعی نے مدّعیٰ علیہ پر دعویٰ کیا کہ اس کے پاس یہ مقبوضہ گھر اس کا ہے مدّعیٰ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ گھر میں نے تجھ سے خریدا ہے مدّعی نے کہا کہ تم جو دعویٰ بیع کے کر رہے ہو ہم اس کو فسخ (اقالہ) کیا تھا تو خصومت دفع ہو گی۔

---

(1) تبیین الحقائق، ۴:۱۰۰

(2) نفس مصدر، ۴:۵۱

(3) الهداية، ۳:۵۵

دفعہ ۲۹: مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں نے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دونوں تاریخ کا ذکر کیا تو جس کا تاریخ اسبق ہو وہ اس مبیع کا حق دار ہو گا۔(1)

وضاحت:

اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں ایک تاریخ ذکر کریں تو دونوں کے مابین آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ کہ دونوں تاریخ بیان کریں لیکن ایک کا تاریخ دوسرے سے مقدم ہے تو اسبق مقدم ہو گا۔

تیسری صورت یہ کہ ان میں سے ایک نے تاریخ بیان کیا تو دونوں کے مابین فیصلہ کیا جائے گا۔(2)

اگر مال معین کا جو ایک شخص کے قبضہ میں ہے دعویٰ کیا کہ میں سات دن پہلے اس چیز کو فلاں آدمی سے خریدا ہے اور قابض نے کہا کہ یہ میری ملک ہے میں نے دس روز پہلے اسی شخص سے خریدا ہے جس سے تم (مدّعی) خریدنے کا دعویٰ کرتے ہو، اور گواہ قائم کئے تو یہ چیز معین اس آدمی کی ہو گی جس کی تاریخ سابق ہو۔(3)

دفعہ ۳۰: دعویٰ میں تناقض ہو تو اس دعویٰ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔(4)

وضاحت:

میراث کی جمع مواریث آتی ہے جس کے معنیٰ "ترکہ" ہیں یعنی وہ مال و جائیداد جو میت چھوڑ کر مرے۔ علم میراث کو علم فرائض بھی کہا جاتا ہے۔ فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ "متعین" ہیں کیونکہ وارثوں کے حصے شریعت اسلامیہ کی جانب سے متعین ہیں اس لئے اس علم کو علم فرائض بھی کہتے ہیں۔

میراث کے اصطلاحی معنیٰ: اس علم کے ذریعہ یہ جانا جاتا ہے کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کا وارث کون بنے گا اور کون نہیں نیز وارثین کو کتنا کتنا حصہ ملے گا۔(5)

اگر عورت شوہر کے وارثوں پر میراث اور مہر کو دعویٰ کریں وارثوں نے کہا کہ میت نے اس کو موت سے دو سال پہلے اپنے اوپر حرام کیا تھا اور عورت نے کہا کہ شوہر نے مرض الوفات میں اقرار کیا تھا کہ میں اس پر حلال ہو تو خصومت دفع ہو گی۔

اسی طرح عورت نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں شخص کی نکاح میں اس کے مرنے تک تھا اور وارث نے انکار کیا پس عورت نے اپنی نکاح پر گواہ قائم کئے وارث نے کہا کہ میت نے اس کو تین طلاقیں دی تھی اور اس کے مرنے سے پہلے اس کی عدت گزر گئی تھی تو بیٹے کی گواہی قبول کی جائے گی۔(6)

دفعہ ۳۱: حوالہ پر گواہ قائم کرنے کے بعد خصومت دفع کی جائے گی۔(7)

وضاحت:

حوالہ کے لغوی معنی پھیرنے کے ہے اور اصطلاح میں دین کو ایک کے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کو منتقل کرنے کو کہتے ہے۔

---

(1) نفس مصدر، ۵۱:۴

(2) قرۃعین الأخیار، ۱۳۶:۸

(3) المحیط البرهانی، ۳۲:۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۵۲:۴

(5) أنیس الفقهاء في تعریفات الألفاظ المتداولة بین الفقهاء، ۱۱۳:۱

(6) ردالمحتارعلی الدرالمختار، ۲۰۰:۵

(7) نفس مصدر، ۵۲:۴

حوالہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ محیل، محتال، محتال لہ اور محتال علیہ۔

محیل کی شرائط عاقل، بالغ اور راضی ہونا ہے۔

محتال کی شرائط عاقل، بالغ اور راضی ہونا اور حوال کی مجلس میں ہونا ہے۔

محتال علیہ کی شرائط عاقل، بالغ اور راضی ہونا اور حوال کی مجلس میں ہونا ہے۔

محتال بہ کی شرط یہ ہے کہ دین صحیح ہو۔[1]

حوالہ اور کفالہ دو ایسے عقود ہیں جن کے ذریعے قرض خواہ کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حوالہ کی صورت میں قرض اس شخص کی طرف منتقل کیا جاتا ہے جس سے قرض وصول کرنا آسان ہو اور کفالت میں مقروض کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو بھی ضامن بنایا جاتا ہے، پھر چاہے تو مقروض سے مطالبہ کرے اور یا کفیل سے مطالبہ کرے۔[2]

ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرے کہ میرے باپ کا آپ کے ذمے اتنا مال تھا اور اس نے اس میں کچھ وصول نہیں کیا تھا کہ وہ مر گیا اور میرے باپ کے کوئی وارث نہ ہونے کی وجہ سے یہ مجھے میراث میں ملا ہے اور مدّعیٰ علیہ نے دعویٰ کیا کہ تیرے باپ نے زندگی میں فلاں شخص کو مجھ پر اتر ادیا تھا اور میں نے حوالہ قبول کر لیا اور جو کچھ میرے ذمہ تھا وہ میں نے محتال لہ کو دے دیا اور محتال لہ نے اس کی تصدیق کی تو خصومت دفع نہ ہو گی جب تک حوالہ کے گواہ قائم نہ کرے، گواہ قائم کرنے کے بعد خصومت دفع کی جائے گی۔[3]

دفعہ ۳۲: بینہ اثبات کی گواہی مقبول ہو گی اور بینہ نفی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[4]

وضاحت:

کسی آدمی کے مرنے کے بعد اس کے چچازاد اولاد نے عصبہ[5] ہونے کی حیثیت سے آکر اس کی میراث میں وارث ہونے کا دعویٰ کیا اور دادا تک نام بنام نسب ذکر کر کے اس کے گواہ پیش کئے اور نسب و میراث کے منکر نے اس بات پر گواہ پیش کئے کہ میت کا دادا وہ شخص نہیں جس کا مدّعی دعویٰ کرتا ہے تو اگر مدّعی کی گواہی پر حکم قاضی ہو چکا ہو تو دعویٰ نافذ ہو گی اور حکم نہیں ہوا ہو تو تعارض کی وجہ سے قاضی کسی گواہی پر فیصلہ نہیں کرے گا۔[6]

دفعہ ۳۳: دعویٰ ملکیت اگر ارث کی وجہ سے ہو ایک اسی چیز پر قابض ہے اور دوسرا غیر قابض، ہر ایک نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کئے کہ اس کے باپ نے اس کے لئے یہ میراث میں چھوڑا ہے تو یہ غیر قابض کے لئے ہو گا۔[7]

وضاحت:

---

(1) أنيس الفقهاء في تعريفات الألفاظ المتداولة بين الفقهاء، ۸۲:۱

(2) تحفة الفقهاء، ۲۴۷:۳

(3) المحیط البرھانی، ۲۳۵:۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۵۳:۴

(5) عصبات عصبہ کی جمع یعنی وہ لوگ جن کے حصے میراث میں مقرر شدہ نہیں البتہ اصحاب فرائض سے جو بچتا ہے انھیں ملتا ہے اور اگر اصحاب فرائض نہ ہوں تو تمام مال (ترکہ) انہی میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

عصبۃ۔ عصب سے العصب کے معنی بدن کے پٹھے۔ جو جوڑوں کو تھامے ہوئے ہیں۔ الاعصاب۔ پٹھے۔ مضبوطی کے ساتھ باندھنے کو عصب کہتے ہیں۔ العصبۃ۔ وہ جماعت جس کے افراد ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہوں۔ اور اس طرح طاقت اور مضبوطی کا سبب بنیں۔ عصبات کی دو قسمیں ہیں: (۱) عصبہ نسبی۔ (۲) عصبہ سببی [الأختيارلتعليل المختار، ۹۲:۵]

(6) المحیط البرھانی، ۵۰۳:۹

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۵۳:۴

مدّعی دعویٰ کرے کہ میں اس فلاں چیز کا مالک ہو اور کہا کہ یہ چیز مجھے اپنے باپ نے میراث میں چھوڑی ہے اور مدّعیٰ علیہ بھی اس طرح بات کریں تو خارج کے گواہ قبول کئے جائے گا۔

اسی طرح دونوں نے وقت ذکر کیا لیکن دونوں کی تاریخ یکساں تھی تو تعارض کی وجہ سے وقت کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور مطلق ملک کا دعویٰ باقی رہے گا۔ اگر ایک کی تاریخ مقدم تھی دوسرے کی تاریخ سے تو پھر جس کی تاریخ مقدم ہو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۳۴: مدّعی نے خریدنے کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ مدّعیٰ علیہ نے خود بیع کا اقرار کیا ہے لیکن مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھ اقرار بیع پر مجبور کیا گیا تھا تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے بیع کے وقت اکراہ کیا گیا ہو لیکن بوقت حوالگی رضامندی ہو۔[2]

وضاحت:

اکراہ کا لغوی معنی یہ ہے کہ انسان کو ایسے کام پر مجبور کرنا جو اس کو پسند نہ ہو۔

اکراہ ایسا فعل ہے جس کو مکرِہ کسی دوسرے شخص پر واقع کرتا ہے اور دوسرے شخص کی اس فعل میں رضامندی فوت ہو جاتی ہے یا رضامندی کے فوت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا اختیار بھی فوت ہو جاتا ہے لیکن مکرَہ کی اہلیت باقی رہتی ہے، کیونکہ اہلیت اور مکلف ہونے کا دارومدار عقل مند اور بالغ ہونے پر ہے اور یہ دونوں اکراہ کے باوجود اس میں موجود ہیں لہذا یہ احکام شرع کے اہل اور مکلف ہوں گے۔[3]

ایک آدمی دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے یہ زمین مجھ سے خریدی ہے مدّعی نے یہ بھی کہا کہ مدّعیٰ علیہ نے مجھ سے خریدنے کا اقرار بھی کیا ہے لیکن مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھے اس اقرار بیع میں مجبور کیا گیا تھا تو اس کا یہ قول معتبر نہیں ہو گا۔

اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ خوشی سے بیع کی ہو اور اقرار کرتے وقت اس کو مجبور کیا گیا ہو، تو اگر بیع کے اقرار میں مجبور ہونے کا ذکر ہو تو اس سے بیع میں کچھ خلل واقع نہیں ہو گی۔

اگر بیع و سپرد دونوں وقتوں میں مجبوری کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ قول معتبر ہو گا۔[4]

دفعہ ۳۵: اسقاط دین بری کرنے اور وصول کرنے سے ہوتا ہے اگر مدّعیٰ علیہ اس طرح کا دعویٰ کریں تو دعویٰ عدم تناقض کی وجہ سے درست ہو گا۔[5]

وضاحت:

کسی پر قرض ہو تو قرض ساقط کرنے کے لئے عام طور پر دو طریقے ہوتے ہیں۔

ایک ابراء یعنی بری کرنا کہ قرض خواہ اس کو بری کر دے۔

دوسرا ایفاء ہے کہ قرض خواہ اس قرض کو وصول کریں۔

اب اگر کوئی کسی پر قرض کا دعویٰ کرے اور مدّعیٰ علیہ نے قرض کے دعویٰ کے جواب میں کہا کہ میں اس کی خصومت دفع کرتا ہو، قاضی نے کہا کہ دفع خصومت تو ابراء سے ہوتا ہے یا ایفاء سے، مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ دونوں سے، تو اس میں تناقض نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ

---

(1) بدائع الصنائع،۶:۲۳۳

(2) نفس مصدر،۴:۵۴

(3) بدائع الصنائع،۵:۱۷۶

(4) المحیط البرہانی،۹:۲۳۹

(5) نفس مصدر،۴:۵۵

تھوڑا اس نے ادا کیا ہو اور تھوڑا اس نے معاف کیا ہو۔[1]

تقابل:

Where the plaintiff has allowed a set off or relinquished a portion of his claim, the amount so allowed or relinquished.[2]

اگر مدّعی اپنے دعویٰ میں سے مدّعیٰ علیہ کے حق میں کچھ تنزل کرنا چاہے تو اس کی وضاحت لازمی ہے۔ وضعی اور شرعی قوانین میں کوئی تضاد موجود نہیں۔

دفعہ ۳۶: دعویٰ کے عدم وجود کے قائل اگر بعد میں بری ہونے پر گواہ لائے تو اس کا دعویٰ معتبر ہو گا۔[3]

وضاحت:

اگر مدّعی نے دعویٰ کیا کہ آپ کے ذمہ ہمارے اتنے دراہم واجب الاداء ہے، مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھ پر کبھی تمہارا کچھ نہیں تھا لیکن مدّعی اس پر گواہ قائم کرکے دراہم اس کے ذمہ ثابت کیا۔ مدّعیٰ علیہ نے اس کے دراہم ادا کرنے یا اس کے بری کرنے پر گواہ قائم کئے تو دونوں صورتوں میں مدّعیٰ علیہ کے گواہ قبول کئے جائیں گے، یہی جمہور علما کی رائے ہیں۔

اس کے برعکس امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ مدّعیٰ علیہ کے گواہ قبول نہیں کئے جائے گے، کیونکہ دین کی ادائیگی وجوب کے بعد ہوتی ہے حالانکہ پہلے مدّعیٰ علیہ وجوب دین کا انکار کرچکا ہے اس لئے اس کے گواہ اور اقرار میں تناقض ہوا اور تناقض والے بینہ قابل قبول نہیں ہوتے خواہ وہ ادائیگی دین کے ہو یا ابراء کے ہو۔

جمہور علما کہتے ہیں کہ مدّعیٰ علیہ کے انکار اور اس کے دعویٰ قضا اور ابراء کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے اور ان دونوں میں تطبیق ممکن ہے اس طرح کہ کبھی شریف انسان خصومت اور جھگڑا سے بچنے کے لئے کوئی ناحق حق ادا کرتا ہے اور اپنی عزت بچانے کے لئے اس سے برأت کرلیتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ناحق ادا کیا ہے۔[4]

اسی طرح کبھی کبھی ناحق چیز کا انکار کر دیا جاتا ہے لیکن پھر ذلت سے بچنے کے لئے منکر اسے مان کر مدّعی سے صلح کرلیتا ہے اور صلح کے نتیجہ میں وہ چیز ثابت ہو کر ادا کیا جاتا ہے، لہذا ابتدا میں مدّعیٰ علیہ کا یہ کہنا مجھ پر کبھی تمہارا کچھ نہیں تھا کا مطلب یہ ہو گا کہ حقیقت میں آپ کا میرے ذمہ کچھ بھی واجب الاداء نہیں۔ لیکن جب تو کہہ رہا ہے تو کون تجھ سے مخاصمت کرے گا اس لئے میں یہ ادا کرتا ہو، تو یہاں پر ظاہر یہ ہے کہ مدّعیٰ علیہ کے انکار اور تسلیم میں کوئی تناقض نہیں ہے اس لئے اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

اگر مدّعیٰ علیہ نے پہلے ليس لك علي شيء کہا اور پھر ادا کرنے کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں اس کے انکار اور دعویٰ میں مطابقت پیدا کرنا اور بھی آسان ہو گا، کیونکہ مدّعیٰ علیہ ليس لك علي شيء سے جس حق کی نفی کی گئی ہے اس نفی کا تعلق حال سے ہے۔

یعنی مدّعیٰ علیہ اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ مدّعی کا فی الحال مجھ پر کچھ نہیں اور اگر کسی زمانے میں رہا ہو گا تو میں اسے ادا کرچکا ہو یا مدّعی نے مجھے اس سے زمانہ ماضی میں بری کرچکا ہے، تو اس صورت میں بھی مدّعی علیہ کے انکار اور اس کے دعویٰ میں تناقض نہیں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[5]

---

(1) تبيين الحقائق،۴:۱۶۰

(2) Civil Procedure Code1908, P:473,Order:7,Rule:1(h)

(3) فتاویٰ عالمگیری،۴:۵۶

(4) بداية المبتدي،۱:۱۵۲

(5) الهداية،۳:۱۱۰

دفعہ ۳۷: وصیت کا انکار کرنا وصیت سے رجوع کرنا ہے۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ تیرے باپ میرے لئے تہائی مال کی وصیت کی تھی اور مدّعیٰ علیہ نے اس سے انکار کیا پس مدّعی نے اس پر گواہ قائم کئے، مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ میرے باپ نے زندگی میں اس وصیت سے رجوع کیا تھا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میرے باپ نے زندگی میں اس وصیت سے انکار کیا تھا تو بھی اس کی دعویٰ کی سماعت ہو گی۔[2]

دفعہ ۳۸: چوپایہ میں اختلاف ہوا اور ہر ایک گواہ قائم کئے کہ اس چوپایہ نے میری ملکیت میں بچہ جانا ہے اور دونوں نے تاریخ ذکر کیا تو جس کا تاریخ بچے کی عمر کے موافق ہو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

چوپایہ میں اختلاف کیا اور مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے ہاں بچہ جنا ہے تو اگر دونوں نے ملک مطلق پر گواہ قائم کئے ہو تو دلائل کی برابری کی بنیاد پر دونوں آدھے آدھے کے حصے کے مالک بنائے جائیں گے، کیونکہ ایک کو ترجیح دینا متعذر ہے۔

اگر دونوں نے وقت ذکر کیا لیکن وقت دونوں نے ایک جیسا ذکر کیا تو بھی یہی حکم ہے، اور اگر وقت دونوں نے ایک دوسرے سے مختلف بیان کئے ہو تو پھر جس تاریخ کا چوپائے کی عمر سے مطابقت ہو تو اس کو حکم بنائے گا۔[4]

دفعہ ۳۹: فعل انسان غیر کی طرف وکالت کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔[5]

وضاحت:

ایک آدمی دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے اس قدر مال لے لیا ہے اور اس کو اس طرح بیان کیا کہ شناخت ہو گئی پس مدّعیٰ علیہ نے گواہ قائم کئے کہ مدّعی نے اقرار کیا ہے کہ یہ مال مجھ سے مدّعیٰ علیہ کے علاوہ کسے دوسرے شخص نے لے لیا ہے اور مدّعی اس کا منکر ہے تو اس سے نہ مدّعی کا دعویٰ باطل ہو گا اور نہ اس کے گواہوں کی تکذیب لازم آئے گی۔

اگر مدّعیٰ علیہ نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ مدّعیٰ علیہ کے فلاں وکیل نے تجھ سے یہ مال لیا ہے تو اس مدّعی کا دعویٰ اور اس کے گواہوں کا ابطال ہو گا۔

علما کے نزدیک مسئلہ میں وکیل سے مراد وہ وکیل ہے جو صاحب قدرت مؤکل کی طرف سے نہ ہو ورنہ اگر مؤکل صاحب قدرت ہو تو مؤکل پر ضمان لازم آئے گا۔ یہاں وکالت سے مراد امر وکالت ہے نہ کہ حقیقت وکالت۔[6]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۵۶:۴

(2) المحیط البرھانی، ۲۴۲:۹

(3) نفس مصدر، ۵۷:۴

(4) بدائع الصنائع، ۲۳۸:۶

(5) نفس مصدر، ۵۷:۴

(6) المحیط البرھانی، ۲۴۵:۹

دفعہ ۴۰: اگر اولیاء مقتول دعویٰ کریں تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میری باندی کو پیٹ میں مارا جس سے وہ مر گئی اور مدّ عیٰ علیہ نے کہا کہ میرے مارنے کے بعد وہ بازار کی طرف نکلی تھی تو خصومت دفع نہ ہو گی۔

اگر مدّ عیٰ علیہ نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ مارنے کے بعد اس کو صحت ملی تھی تو اس کی یہ گواہی قبول کی جائے گی۔

اسی طرح ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور گواہ قائم کئے کہ اس میرے باپ کو لات ماری جس سے وہ مر گیا اور مدّ عیٰ علیہ (ضارب) نے گواہ اس بات پر قائم کئے کہ اس ضرب کے بعد وہ اچھا ہوا تھا اس میں تفصیل ہونا لازمی ہے، یعنی اگر مدّ عی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے ایک لات ماری اور گواہوں نے بھی ایسی ہی گواہی دی تو خصومت دفع ہو گی۔ اور اگر اس طرح دعویٰ کیا کہ میں اس کو لات ماری اور اس کی ضرب سے وہ مر گیا اور گواہوں نے بھی اس طرح گواہی دی تو مدّ عیٰ علیہ کا دعویٰ صحیح نہ ہو گا اور اس سے ضمان لیا جائے گا۔ اس لئے کہ مقتول کے اولیاء کے لئے جو گواہ گواہی دیتے ہیں وہ اثبات کے لئے ہیں اور ضارب کے گواہ نفی کے لئے ہیں اور گواہ مثبت اولیٰ ہوتے ہیں منفی سے۔[2]

دفعہ ۴۱: مسلم فیہ کو قبضہ سے پہلے تبدیل کرنا اس طرح جائز نہیں جس طرح مبیع معین کا قبضہ سے پہلے تبدیل کرنا ناجائز ہے۔[3]

وضاحت:

سلم کے لغوی معنیٰ ہیں تسلیم یعنی سپرد کرنا، سونپنا۔ شریعت میں سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے، چیز ادھار ہو، یہ تجارت سات آٹھ شرطوں سے جائز ہے، چونکہ اس بیع میں قیمت فوراً سپرد کی جاتی ہے اس لیے سلم کہلاتی ہے، اسے بیع سلف یعنی ادھار کی بیع بھی کہتے ہیں کہ مال مبیع اس میں ادھار ہوتا ہے۔

بیع سلم کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ دونوں طرف عین ہوں۔

۲۔ دونوں طرف ثمن ہوں۔

۳۔ ایک طرف عین اور ایک طرف ثمن، اگر دونوں طرف عین ہو اُس کو مقایضہ کہتے ہیں۔

۴۔ اور دونوں طرف ثمن ہو تو بیع صرف کہتے ہیں اور تیسری صورت میں کہ ایک طرف عین ہو اور ایک طرف ثمن اس کی دو صورتیں ہیں، اگر مبیع کا موجود ہونا ضروری ہو تو بیع مطلق ہے،

اور ثمن کا فوراً دینا ضروری ہو تو بیع سَلم ہے، لہٰذا سَلم میں جس کو خریدا جاتا ہے وہ بائع کے ذمہ دین ہے اور مشتری ثمن کو فی الحال ادا کرتا ہے۔ جو روپیہ دیتا ہے اُس کو رب السّلم اور مسلِم کہتے ہیں اور دوسرے کو مسلَم الیہ اور مبیع کو مسلَم فیہ اور ثمن کو راس المال۔

بیع مطلق کے جو ارکان ہیں وہ اس کے بھی ہیں اس کے لیے بھی ایجاب و قبول ضروری ہے ایک کہے میں نے تجھ سے سَلم کیا دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ اور بیع کا لفظ بولنے سے بھی سَلم کا اِنعقاد ہوتا ہے۔[4]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۵۷

(2) قرةعين الأخيار، ۷:۱۰۷

(3) نفس مصدر، ۴:۵۸

(4) بدائع الصنائع، ۵:۲۰۱

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرا اس آدمی پر ایک من گندم سبب صحیح کے ساتھ واجب ہے، تو مدّعیٰ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اس کے عوض اس کو دراہم دیئے تھے تو اس کا یہ دعویٰ رد کیا جائے گا جب گندم واجب ہونے کا سبب معلوم نہ ہو کیونکہ یہ بات ہو سکتا ہے کہ اس پر گندم بیع سلم کی وجہ سے واجب ہوئے ہو پھر جب اس کی جگہ دراہم دے دیئے تو مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تبدیلی کی گئی اور یہ جائز نہیں جس مال منقول کو قبضہ کرنے سے پہلے تبدیل کرنا جائز ہے۔[1]

دفعہ ۴۲: معین تاریخ کو نفقہ کے عدم وصول پر عورت کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار دے دیا پھر وقت معین آنے پر شوہر اور بیوی کے مابین اختلاف ہوا تو شوہر کا دعویٰ مسموع ہو گا۔[2]

وضاحت:

شوہر نے عورت کو کہا کہ اگر فلاں معین تاریخ کو آپ کو نفقہ نہ پہنچے تو آپ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو عورت نے اپنے آپ کو طلاق دینا چاہی اور شوہر و بیوی کے درمیان وصول نفقہ اور عدم وصول نفقہ پر اختلاف ہوا۔ پھر شوہر نے کہا کہ میں نے اس کو اس وقت نفقہ پہنچایا ہے تو عورت نے دعویٰ دفع کرنے میں اگ اس طرح کہا کہ اس نے اقرار کیا ہے کہ اس نے نفقہ نہیں پہنچایا ہے تو اس کی گواہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو نفقہ وکیل کے ذریعے پہنچایا ہو۔

اگر عورت اس طرح کہے کہ اس نے اقرار کیا ہے کہ مجھے نفقہ نہیں پہنچا ہے تو پھر عورت کی گواہی مسموع ہو گی۔[3]

دفعہ ۴۳: بیع کے بعد مدّعی نے استحقاق کے ذریعے مبیع پر قبضہ کر لیا تو مشتری بائع اپنا ثمن واپس لے گا، ہاں اگر بائع استحقاق کے دعویٰ کرنے والے سے خریدنے پر گواہ قائم کریں۔[4]

وضاحت:

ایک شخص نے ایک غلام کو خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر کسی نے ملک مطلق پر گواہ پیش کر کے استحقاق میں لے لیا تو مشتری بائع سے اپنا ثمن وصول کر سکتا ہے۔ قاضی کے ثمن ادا کرنے کا حکم دینے سے پہلے بائع نے اس بات پر گواہ پیش کئے کہ یہ میرا ہے تو بائع کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اگر بائع اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ غلام میں نے مستحق سے خرید کر پھر مشتری کے ہاتھ فروخت کیا تو گواہ مستحق پر قائم کئے جانے کی وجہ سے اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور یا مشتری نے بائع سے قاضی کے فیصلے کے بغیر ثمن وصول کیا تو بھی بائع کی گواہی قبول کی جائے گی۔ لیکن اگر مشتری پر اس وقت گواہ قائم کی جب قاضی نے اس کو ثمن ادا کرنے کا حکم دیا ہو تو اس وقت بائع کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[5]

دفعہ ۴۴: مدّعیٰ علیہ سے مدّعی بہ چیز کو ہبہ، ودیعت، اجارہ اور یا عاریت کے طور پر مانگے یا اس کی قیمت لگالے تو یہ اس کی ملکیت کا اقرار کرنا ہے اور اپنی دعویٰ کو باطل کرنا ہے۔[6]

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۲۴۶
(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۵۸
(3) المحیط البرہانی، ۹:۲۴۶
(4) نفس مصدر، ۴:۵۹
(5) المحیط البرہانی، ۹:۲۴۷
(6) نفس مصدر، ۴:۵۹

وضاحت:

ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں کے ساتھ یہ چیز میری ہے اور وہی چیز اس سے ہبہ، ودیعت اور اجارہ پر مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اس میں اس کی ملک نہیں ہے۔

اسی طرح ایک چیز جو کسی کے قبضہ میں ہے اس پر دعویٰ کیا کہ یہ میری ہے اور قابض نے میرے لئے اس کا اقرار کیا ہے پھر مدّعیٰ علیہ نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ اس نے مجھ سے یہی معین چیز ہبہ میں طلب کی تھی تو اس سے مدّعی کا دعویٰ دفع کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر یہ گواہ قائم کئے کہ مدّعی نے دعویٰ سے پہلے اس چیز کی بھاؤ معلوم کیا تھا تو وہ گواہ مقبول ہوں گے اور مدّعی کی گواہی باطل ہو جائے گی۔[1]

دفعہ ۴۵: صلح کرنا کسی کی ملکیت کا اقرار کرنا نہیں ہوتا اس لئے کہ صلح تو اقرار، انکار اور سکوت تینوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔[2]

وضاحت:

صلح کے لغوی معنی ہیں: اچھائی، عمدگی یہ فساد کی ضد ہے۔

اصطلاحی معنی یہ ہیں: وہ عقد جو جھگڑا ختم کرنے کے لئے مشروع اور موضوع ہے۔

اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ صلح مع اقرار

۲۔ صلح مع سکوت

۳۔ صلح مع انکار[3]

ایک آدمی نے گھوڑا عاریت پر لے لیا اور وہ مستعیر کے نیچے مر گیا اور مالک نے عاریت پر دینے سے انکار کیا تو مستعیر نے مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے، پھر مستعیر نے اس کے بعد گواہ پیش کئے کہ یہ مجھے عاریت کے طور پر دیا گیا تھا تو اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے اور صلح باطل ہو جائے گی۔ اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہے تو وہ عاریت پر دینے والے سے قسم بھی لے سکتا ہے۔ اگر مستعیر صلح دراہم، دنانیر یا مکیلی و موزونی اشیاء سے کریں تو بھی جائز ہے۔[4]

دفعہ ۴۶: مدّعی نے بعد دعویٰ کے قدر مال پر صلح کی تو صلح جائز ہے اور مدّعیٰ علیہ کی گواہی قابل قبول نہ ہو گی۔[5]

وضاحت:

مدّعیٰ علیہ نے مدّعی سے بعض مال پر صلح کیا تو صلح جائز ہو جائے گی لیکن اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[6]

ایک شخص نے دوسرے کے مقبوضہ گھر پر دعویٰ کیا کہ یہ مجھے اپنے باپ نے میراث میں چھوڑا ہے پھر چند دراہم لے کر صلح کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہیں کہ یہ صلح جائز ہے، بعض فقہائے کرام کی رائے ہیں کہ ہر وہ صلح جس میں مدّعی کے دعویٰ کا اقرار

---

(1) المحیط البرهانی، ۲۴۹:۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۶۰:۴

(3) تحفة الفقهاء ۲۴۹:۳

(4) الأصل للشیبانی، ۱۰۶:۱۱

(5) نفس مصدر، ۶۰:۴

(6) المخارج فی الحیل، محمد بن الحسن، الشیبانی، ۳۱:۱، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، ۱۴۱۹ھ

نہ ہو وہ باطل ہے۔اس کے بعد مدّ عیٰ علیہ نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں یہ گھر مدّ عی کے باپ سے اس کی زندگی میں خرید اہے یا اس بات پر گواہ قائم کئے کہ اس کے باپ سے فلاں آدمی نے خرید اتھااور میں نے فلاں شخص سے خرید اہے تو گواہی مقبول نہ ہو گی۔[1]

دفعہ ۴۷: دعویٰ دین میں بعض مال پر صلح کرنا جائز ہے، صلح کے بعد پھر مدّ عیٰ علیہ نے کل دین ادا کرنے پر گواہ قائم کئے تو اس کو اعتبار نہیں دیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک شخص نے دوسرے پر ہزار دراہم کا دعویٰ کیا، مدّ عیٰ علیہ نے کہا کہ میرے ذمے آپ کی کوئی چیز واجب الاداء نہیں تھے اور اگر مجھے پر قرض تھے تو میں نے وہ رقم کل تجھے ادا کی ہے۔ مدّ عی نے کہا کہ میں نے کچھ وصول نہیں کیا ہے اور پھر مدّ عی نے اس سے پانچ سو دراہم پر صلح کی تو صلح جائز ہے اور یہ اس طرح ہو گا کہ مدّ عی نے بعض دین معجل حاصل کیا اور بعض تاخیر سے حاصل کرے گا۔اس کے بعد مدّ عیٰ علیہ نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے مدّ عی کو کل ہزار دراہم دیئے تھے تو اس کی گواہی معتبر نہ ہو گی۔

اگر مدّ عیٰ علیہ دعویٰ کے وقت مدّ عی سے کہا کہ تو نے سچ کہا تھا کہ تیرے ہزار درہم مجھ پر تھے لیکن میں نے کل ادا کئے ہے مدّ عی نے کہا کہ میں نے کوئی چیز وصول نہیں کی ہے پس مدّ عیٰ علیہ نے ہزار درہم مدّ عی کو دیئے یا پانچ سو پر صلح کر لی، پھر مدّ عیٰ علیہ نے اس بات پر گواہ قائم کی کہ میں نے مدّ عی کو اس کا قرض ادا کیا تھا۔اس وجہ سے یہ صلح باطل ہو جائے گی اور مدّ عی نے دوبارہ جو مال وصول کیا ہے وہ واپس کرے گا۔[3]

دفعہ ۴۸: دعویٰ استحقاق کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کر لینے کے بعد اپنے دعویٰ استحقاق سے رجوع کرنا غیر کے حق کو ثابت کرنا ہے۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی کے قبضہ سے ایک دکان گواہوں سے استحقاق ثابت کر کے حاصل کر لی اور مشتری نے گواہ پیش کر کے بائع اپنا ثمن وصول کیا ،اس کے بعد بائع نے اس بات پر گواہ پیش کئے کہ یہ دکان مجھے اپنے باپ سے میراث میں ملی ہے اور اس کا میرے سوا کوئی اور وارث بھی نہیں۔ مستحق نے اقرار کیا کہ یہ دکان میرے قبضہ میں اجارہ کی وجہ سے ہے اور میں اس کا مالک نہیں ہو اور میں نے تیرے اقرار کی تصدیق کی تھی پھر میں نے اس مشتری کے ہاتھ اس کو فروخت کر دیا اور قاضی کا حکم مستحق کے لئے باطل واقع ہوا ہے تو خصومت دفع ہو گی۔[5]

دفعہ ۴۹: آزادی کو اگر شرط پر معلق کی جائے تو وقوع شرط کے بعد آزادی واقع ہو جائے گی۔[6]

وضاحت:

کوئی آدمی اس طرح قسم کھائے کہ وہ غلام جو میں خریدوں گا وہ آزاد ہے تو جو بھی غلام خریدے گا وہ آزاد ہو گا۔

اب بائع نے مشتری سے قیمت طلب کیا تو مشتری نے کہا کہ تو نے تو آزاد فروخت کیا تھا یا یوں کہا کہ تو نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی میں کوئی غلام خریدوں گا تو وہ آزاد ہو گا۔اگر مشتری نے گواہوں سے یہ ثابت کی کہ بائع نے قسم کھانے کے بعد یہ غلام میرے ہاتھوں فروخت کیا تھا تو اس کا قول معتبر ہو گا۔ایک جگہ پر اس مسئلے میں کوئی خلاف بیان نہیں کی گئی ہے۔

---

(1) الأصل للشیبانی،۹:۴۲۵

(2) نفس مصدر،۴:۶۱

(3) المحیط البرهانی،۹:۲۵۰

(4) نفس مصدر،۴:۶۱

(5) المحیط البرهانی،۹:۲۵۳

(6) نفس مصدر،۴:۶۲

دوسرے مقام پر اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ نقل کی گئی ہیں کہ بائع پر مشتری کی یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ بائع سے ثمن واپس نہیں لے سکتا لیکن غلام مشتری کے اس اقرار کی وجہ سے اس کی طرف سے آزاد ہو گا۔[1]

---

(1) المحیط البرھانی،۹:۲۵۳

فصل سوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ دعویٰ کے باب ۷ سے باب ۸ کی دفعہ بندی

اور سول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۷: وہ الفاظ جو مدّعیٰ علیہ کی طرف سے جواب شمار ہوتی ہیں اور جو جواب شمار نہیں ہوتی کے بیان میں:

دفعہ ۱: مدّعی کے دعویٰ کے بعد مدّعیٰ علیہ کو ان الفاظ سے جواب دینے پر مجبور کیا جائے گا جن میں جواب دینے کی صلاحیت ہو۔(1)

وضاحت:

ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین میری ہے مدّعی علیہ نے کہا کہ میں اس میں سوچ کروں گا تو یہ جواب نہیں ہے قاضی اس کو جواب دہی پر مجبور کرے گا، اسی طرح اگر یہ الفاظ کہے کہ مجھے اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ یہ میری ملک ہے کہ نہیں تو یہ الفاظ بھی جواب دہی کے لئے استعمال نہیں ہوتے۔ اسی طرح ایک زمین جو دو شخصوں کے قبضہ میں ہو اس کا دعویٰ کیا پس دونوں نے کہا کہ یہ زمین میری ملکیت ہے اور کسی کی امانت نہیں ہے پس یہ جواب تام ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا۔ زمین کے دعویٰ میں کہا کہ محدود میری ملک ہے اور یہ نہ کہا کہ مدّعیٰ علیہ کے قبضہ میں ناحق ہے تو مدّعیٰ علیہ کو جواب دینا لازم نہیں ہے، اور اگر کہا کہ یہ میری ملک ہے اور مدّعیٰ علیہ کے قبضہ میں یہ ملک اسی کے لئے ہے تو مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ محدود تیری ملکیت نہیں ہے۔(2)

اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ اس طرح کہے کہ "در دست من است وملک تو نیست" یعنی یہ کہے کہ میرے قبضہ میں ہے اور تیری ملکیت نہیں تو یہ جواب ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف یہ کہے کہ "ملک تو نیست" تو بعض کے نزدیک یہ جواب ہے اور یہی اشبہ بالفقہ ہے۔

ایک آدمی کے مقبوضہ گھر پر دعویٰ کیا گیا کہ یہ میری ملکیت ہے اور اس قابض نے مجھ سے غصب کر لیا ہے اور قابض نے کہا "جملگی این خانہ در دست من است بسبب شرعی و مرا این مدّعی سپردنی نیست" کہ میرے قبضہ میں یہ گھر سبب شرعی کے واسطے ہے اور مجھ پر اس مدّعی کو سپرد کرنا ضروری ہے، یہ جواب انکار غصب کے حق میں پورا ہے اور حق ملک میں پورا نہیں ہے۔ ایک منزل پر جو ایک شخص کے قبضہ میں ہے کسی نے دعویٰ کیا تو مدّعیٰ علیہ نے جواب میں کہا کہ یہ عرصہ میری ملک ہے تو یہ جواب نہیں ہو گا اور اگر اس طرح کہا کہ یہ عرصہ میری ملکیت ہے تو یہ جواب شمار ہو گی۔

قبضہ دار پر دعویٰ کے بعد مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ میرا گھر ہے پھر کہا کہ وقف ہے تو جواب تام ہو گا اور مدّعی کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر ابتدا میں کہا کہ یہ گھر وقف ہے اور پھر کہ میں اس کا متولی ہو تو بھی اس کا قول کیا جائے گا۔ اگر قرض کے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم نہیں تو بھی جواب شمار نہیں کیا جائے گا۔

کسی نے بیع یا ایسے سبب سے قرض کا دعویٰ کیا کہ اور جواب میں مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ میرے ذمے اس کا قرض اس سبب سے واجب نہیں جس سے وہ دعویٰ کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جواب نہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ اصل قرض کا انکار ہے پس وہ اصل قرض کے باب میں خصم قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا جواب میں عورت نے کہا کہ میں اس مدّعی کی بیوی نہیں ہو تو اگر جواب دیتے وقت اس کی طرف اشارہ کیا ہو تو جواب ہو گا ورنہ نہیں۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶۲

(2) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۳۸

ایک آدمی نے دوسرے فرد پر اپنی بیٹی کے مہر معجل کا دعویٰ کیا لیکن شوہر نے کہا کہ جس چیز کا یہ دعویٰ کرتا ہے وہ میں دے چکا ہو تو یہ جواب نہیں۔ اس لئے کہ مدّعی نے مقدار معین کا دعویٰ کیا ہے تو قاضی شوہر سے پوچھے گا کہ جس قدر تونے ادا کیا ہے اس پر گواہ لاؤ، گواہ لانے کے بعد مقدار بیان کرنے کی ضرورت ہو گی تا کہ گواہی صحیح ہو۔[1]

تقابل:

New facts must be specially pleaded.[2]

اگر مدّعیٰ علیہ اپنے جواب دعویٰ میں کچھ اضافی معروضات پیش کرنا چاہے تو اس کو صراحت کے ساتھ واضح کر دینا ضروری ہے۔ شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت موجود ہیں۔

باب۸: تناقض اور عدم تناقض دعویٰ کے بیان میں:

دفعہ ۲: تناقض جس طرح اپنے لئے صحت دعویٰ کا مانع ہے اسی طرح صحت دعویٰ غیر کے لئے بھی مانع ہے۔[3]

وضاحت:

تناقض کی وجہ سے جس طرح اپنے لئے دعویٰ صحیح نہیں رہتا اسی طرح دوسروں کے لئے بھی صحیح نہیں رہتا، جیسے کوئی شخص دوسرے کے لئے مال معین کا اقرار کرے، اقرار کے بعد جس طرح یہ اس چیز کا اپنے لئے دعویٰ ملکیت نہیں کر سکتا اسی طرح یہ دوسرے کے لئے بھی وکالت یا کسی اور طریقہ سے دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اسی طرح اگر کسی نے اس طرح دعویٰ کیا کہ یہ چیز فلاں آدمی کی ملکیت ہے اور اس نے مجھے خصومت کے لئے وکیل بنایا ہے پھر اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ میری ملکیت ہے اور اس پر گواہ قائم کئے تو بھی تناقض کی وجہ سے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر معین پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور پھر کہا کہ اس فلاں شخص نے مجھے وکیل خصومت بنایا ہے اور اس بات پر گواہ قائم کئے تو یہ گواہ مقبول ہوں گے۔[4]

دفعہ ۳: تناقض صحت دعویٰ کے لئے مانع ہے جب اس میں تطبیق ممکن نہ ہو۔[5]

وضاحت:

تناقض دعویٰ میں ہو یا شہادت میں تو دعویٰ کی صحت کے لئے مانع ہے ہاں اگر تناقض یا گواہی ایسی ہو جس میں تطبیق آسکتی ہو تو پھر دعویٰ کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص نے دعویٰ کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ فلاں آدمی کی ملکیت ہے اور اس نے مجھے خصومت کے لئے وکیل بنایا ہے اور پھر اس طرح دعویٰ کیا کہ یہ اس دوسرے فلاں آدمی کی ملکیت ہے اور اس نے مجھے خصومت کے لئے وکیل مقرر کیا ہے تو یہ دعویٰ درست نہیں ہو گا، لیکن اس میں تطبیق ممکن ہے کہ یہ پہلے اس فلاں شخص کی ملکیت تھی اس نے مجھے خصومت کے لیے وکیل مقرر کیا، پھر اس مالک نے یہ چیز اس دوسرے آدمی پر فروخت کی اور اس نے بھی مجھے خصومت کا وکیل بنایا اور یہ اس طرح ممکن ہو کہ دونوں کے وکیل بنانے میں کچھ مدت گزر چکی ہو۔[6]

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۲۵۳

(2) Civil Procedure Code1908,P:474,Order:8,Rule:2.

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶۳

(4) بدائع الصنائع، ۶:۲۷۳

(5) نفس مصدر، ۴:۶۳

(6) المحیط البرہانی، ۷:۶۲

دفعہ ۴: مدّعی نے دعویٰ کیا کہ میرے باپ نے جو ترکہ وصی کے ہاتھ میں چھوڑا ہے وہ میں نے اس سے پورا وصول کیا پھر بعد میں ایک چیز وصی کے ہاتھ میں دیکھا تو دعویٰ کیا کہ یہ میرے باپ کے ترکہ میں سے ہے۔(1)

وضاحت:

اگر وصی نے نابالغ کے بالغ ہونے پر مال اس کے سپرد کر دیا پس اس بالغ نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے جو کچھ اس شخص کے قبضہ میں میرے والد کے ترکہ تھا پورا وصول کیا اور اس کے قبضہ میں میرے والد کے ترکہ میں قلیل و کثیر کچھ بھی باقی نہ رہا۔

پھر دعویٰ کیا کہ اس کے قبضہ میں جو چیز ہے وہ میرے والد کے ترکہ کا ہے اور اس پر گواہ قائم کئے تو اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔

یہ اس طرح ہے جیسے کسی نے کہا کہ لوگوں کے ذمے میرے والد کا کتنا قرضہ تھا وہ سب میں نے وصول کیا اس کے بعد یہ کہا کہ فلاں آدمی کے ذمے میرے باپ کا قرض ہے تو اسی صورت میں اس کے گواہ قبول کئے جائے گے اور اس کے لئے قرض کا دعویٰ کیا جائے گا۔(2)

دفعہ ۵: کسی کے لئے ملکیت کا اقرار کرنے کے بعد اس سے خریدنے کا دعویٰ کرے تو دعویٰ صحیح ہو گا کیونکہ اس میں تناقض نہیں ہو سکتا زمانے کی اختلاف کی وجہ سے۔(3)

وضاحت:

کسی نے دوسرے کے لئے ایک چیز کا اقرار کیا قاضی نے اس کو دینے کا حکم صادر کیا تو اس نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز میں نے اس سے خریدا ہے تو اس کے دعویٰ کی سماعت نہ ہو گی۔ کیونکہ اسی وقت اقرار میں غیر کے لئے ملکیت کا دعویٰ کرنے کے بعد اسی وقت میں خریدنے سے مانع ہے، اس لے کہ شراء سے مشتری کے لئے ملکیت ثابت ہوتی ہے اور یہ اقرار کے منافی ہے تو یہ دعویٰ درست نہ ہو گا۔

نکول عن الیمین بھی اقرار کی طرح ہے، اگر نکول کے بعد خریدنے کا دعویٰ کیا تو بھی دعویٰ مسموع نہ ہو گی۔

امام ابویوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کی دعویٰ کی سماعت ہو گی اور اس کے گواہ بھی مقبول ہوں گے یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اقرار یا نکول قسم سے پہلے خریدنے کا دعویٰ کرے اگر اقرار کے بعد خریدنے کا دعویٰ کرے تو بلا اختلاف اس کی گواہی مقبول ہوں گی، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اقرار کے بعد کچھ مدت گزر گئی ہو اور پھر اس سے خریدا ہو۔(4)

اسی طرح اگر یہ دعویٰ کیا کہ یہ غلام فلاں شخص کا ہے اور اس سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور تاریخ بیان نہ کی تو اس کی گواہی مقبول ہو گی۔ اگر یوں کہا کہ یہ غلام فلاں کا ہے اور اس کے ساتھ متصل یہ بولا کہ میں نے اس سے خریدا ہے تو یہ گواہ استحساناً(5) قبول کئے

---

(1) نفس مصدر، ۴:۶۳

(2) درر الحکام، ۲:۴۵۱

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶۴

(4) بدائع الصنائع، ۶:۲۲۳

(5) **استحسان** ایک دلیل کا نام ہے جو قیاس کے مخالف ہوتا ہے۔ جب یہ قیاس سے اقوی ہو تو اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس کو استحسان اسی لیے کہتے ہیں کہ عموماً یہ قیاس سے اقوی ہوتا ہے۔

ائمہ احناف نے استحسان کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہیں:

۱۔ ایک قیاس سے دوسرے قیاسِ قوی کی طرف عدول کرنے کا نام استحسان ہے۔

۲۔ قیاس کو کسی قوی دلیل کے ساتھ خاص کرنے کا نام استحسان ہے۔

۳۔ اس دلیل کا نام استحسان ہے جو مجتہد کے دل میں بطورِ اشکال پیدا ہوتی ہے اور الفاظ چونکہ اس دلیل کا ساتھ نہیں دیتے، اس لیے مجتہد اس کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

جائے گے اور یہ بات مفصولاً کی تو اس کی سماعت نہیں کی جائے گی۔[1]

دفعہ ۶: جھگڑا کرنے والے کی عدم موجودگی کسی چیز کی ملکیت سے انکار کیا اور منازِع کی صورت میں اپنے لئے ملکیت کرنا دعویٰ میں تناقض پیدا نہیں کرتا کیونکہ دعویٰ نام ہے کسی چیز کی اپنی طرف حالت خصومت میں نسبت کرنے سے۔[2]

وضاحت:

قابض اس وقت یہ اقرار کرے جب کوئی جھگڑا کرنے والا موجود نہ ہو کہ یہ چیز میری نہیں، یا میری ملک نہیں اور یا یوں کہے کہ اس میں میرا کوئی حق نہیں، پھر ایک شخص نے اسی چیز پر دعویٰ کیا تو قابض نے کہا کہ یہ تو میری ملکیت ہے تو اس کا یہ قول معتبر ہو گا کیونکہ دعویٰ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مخاصمہ کرنے والا موجود ہو۔

لیکن اس کا یہ قول کہ یہ میری ملک نہیں ہے یا میری ملک کبھی نہ تھی آئندہ اس کے دعویٰ کرنے سے مانع ہو گا کیونکہ تناقض لازم آتا ہے اور یہ کہنا کہ قابض کو اس لئے دعویٰ ملک کا مانع نہ ہوا کہ اس کا قبضہ موجود تھا درست نہیں۔

فقہ کی کتابوں میں دعویٰ کی جو تعریف کی جاتی ہے یہ اعیان اور دیون سے تعلق رکھتی ہے اس سے دعویٰ ایفاء دین اور ابراء دین خارج ہو گئے۔[3]

دفعہ ۷: تناقض صحت دعویٰ کے لئے مانع ہے مگر نسب اور عتق کی صورت میں تناقض صحت دعویٰ کے لئے مانع نہیں ہے۔[4]

وضاحت:

شوہر نے کہا کہ یہ لڑکا مجھ سے نہیں ہے اور اس کی نسب کی نفی کی تو قاضی نے شوہر اور بیوی کے مابین لعان[5] کرایا اور نسب لڑکے کا لعان کرنے والے سے نفی ہو گیا، لعان کے بعد اس نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔[6]

۴۔ ابو الحسن کرخیؒ فرماتے ہیں کہ استحسان کا مطلب یہی ہے کہ مجتہد ایک مسئلہ میں جو حکم لگا چکا ہے جب اسی طرح کا دوسرا مسئلہ آجائے تو اس میں وہی حکم صرف اس لیے نہ لگائے کہ کوئی قوی دلیل ایسی موجود ہو جس کی وجہ سے پہلے جیسا حکم لگانا مناسب نہ ہو۔

استحسان کی حقیقت پر جتنی تعریفات احناف نے کی ہیں ان سب میں زیادہ واضح تعریف امام ابو زہرہ نے اسی کو قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ استحسان کے تمام انواع کو شامل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ استحسان قوی ترین دلیل کو اختیار کرنے کا نام ہے، مالکیہ کے نزدیک بھی استحسان کی یہی تعریف ہے۔[کتاب التعریفات، ۱:۱۸۱]

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۸۰

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶۴

(3) البحرالرائق، ۷:۱۹۱

(4) نفس مصدر، ۴:۶۴

(5) لعان کے لغوی معنی: لعان لعنت سے بنا ہوا ہے اور لعنت کے معنی دوری اور محرومی کے ہیں۔

لعان کی اصطلاحی تعریف: ایسی چار شہادتیں جو قسم سے مؤکد ہوں، شوہر نے اپنی شہادت کے ساتھ اپنے اوپر لعنت بھیجی ہو اور عورت نے اپنے اوپر غضب الٰہی کی دعاء کی ہو۔

شرائط لعان:

(۱) زوجین عاقل، بالغ، مسلمان اور آزاد ہوں (۲) شوہر عورت پر زنا کی تہمت لگائے یا اپنی بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والے بچہ کا انکار کر دے اور عورت اس تہمت کا انکار کرتی ہو (۳) عورت اپنی سابقہ زندگی میں پاکدامن ہو، زنا میں مبتلا نہ ہو (۴) زوجین اپنی پہلی زندگی میں غلط تہمت لگانے پر سزا یافتہ نہ ہوں (۵) زوجین شہادت کے اہل ہوں (۶) شوہر اپنے دعویٰ پر گواہ نہ پیش کر سکا۔[البنایة شرح الهدایة، ۵:۵۶۲]

(6) المبسوط للسرخسی، ۸:۸۷

دفعہ ۸: پہلے باپ کی ملکیت سے انکار کیا اور پھر اس کے حق کو ثابت کیا تو تناقض کی وجہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہو گی۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ اس گھر میں، میں آپ کے ساتھ شریک ہو کیونکہ یہ ہم دونوں کو باپ سے میراث میں ملی ہے۔ مدّعیٰ علیہ نے انکار کیا کہ میرے باپ کا اس میں کچھ حق نہ تھا یایوں کہا کہ یہ گھر میرے باپ کا نہیں تھا پھر اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے اس گھر کو اپنے باپ سے اس کی زندگی اور حالت صحت میں خریدا تھا تو اس کا یہ دعویٰ صحیح ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میرے خرید لینے کے بعد میرے باپ کا اس میں کچھ حق نہیں تھا۔

اگر یوں کہا تھا کہ یہ میرے باپ کا کبھی اس میں حق نہ تھا اور پھر اس سے خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس صورت میں تطبیق ممکن نہیں۔[2]

دفعہ ۹: نفی حال سے نفی ماضی لازم نہیں آتا۔[3]

وضاحت:

ایک عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا تو مرد نے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان نکاح نہیں ہوا ہے، عورت نے نکاح کے گواہ قائم کئے تو مرد نے خلع کرانے پر گواہ قائم کئے تو مرد کے گواہ قبول کئے جائیں گے۔

اگر مرد نے انکار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ ہمارے درمیان کبھی نکاح نہیں ہوا تھا یایوں کہا کہ میں نے ہرگز نکاح نہیں کیا تھا، عورت نے نکاح پر گواہ قائم کئے اور مرد نے خلع پر تو یہ گواہی مقبول نہ ہو گی، کیونکہ خلع ہمارے نزدیک طلاق ہے[4] اور طلاق اس وقت واقع ہو گا جب پہلے سے نکاح ہو چکا ہو پس نکاح سے انکار کے بعد خلع کا دعویٰ کرنے میں تناقض ہے۔ اسی طرح ایک عورت نے مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے انکار کیا، پھر مرد نے اس سے نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہ پیش کئے تو اس کی یہ گواہی مقبول ہو گی کیونکہ ان دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے۔[5]

دفعہ ۱۰: اقرار کے بعد مقر اور مقرلہ میں اختلاف ہو جائے تو مقر کا قول معتبر ہو گا مگر یہ کہ مقرلہ گواہ قائم کریں۔[6]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میرے پاس جو قلیل و کثیر مال ومتاع اور غلام ہیں وہ سب فلاں شخص کی ہے تو اس کا یہ اقرار صحیح ہے، اقرار کے بعد مقرلہ نے اس سے کوئی چیز لینا چاہا تو دونوں میں اختلاف پیدا ہوا مقر نے کہا کہ اقرار کے وقت یہ چیز میرے پاس نہیں تھا اور مقرلہ نے کہا

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۶۵:۴

(2) المحیط البرہانی، ۱۵۷:۹

(3) نفس مصدر، ۶۵:۴

(4) خلع کی تعریف: مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنے کو خلع کہتے ہیں، عورت کا قبول کرنا شرط ہے، بغیر اُس کے قبول کیے خلع نہیں ہو سکتا اور اس کے الفاظ معین ہیں ان کے علاوہ اور لفظوں سے نہ ہو گا۔ اگر زوج وزوجہ میں نااتفاقی رہتی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ احکام شرعیہ کی پابندی نہ کر سکیں گے تو خلع میں مضایقہ نہیں اور جب خلع کر لیں تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال ٹھہرا ہے عورت پر اُس کا دینا لازم ہے۔ جو چیز مہر ہو سکتی ہے وہ بدل خلع بھی ہو سکتی ہے اور جو چیز مہر نہیں ہو سکتی وہ بھی بدل خلع ہو سکتی ہے مثلاً دس درہم سے کم کو بدل خلع کر سکتے ہیں مگر مہر نہیں کر سکتے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے۔ [الدرالمختار، ۴۴۳:۳]

(5) المبسوط للسرخسی، ۸۲:۶

(6) نفس مصدر، ۶۷:۴

کہ اس وقت یہ چیز آپ کے پاس تھا تو مقر کا قول معتبر ہو گا مگر یہ مقرلہ اس بات پر گواہ پیش کریں کہ اقرار کے وقت یہ چیز مقرلہ کے قبضہ میں تھا۔

کسی نے کہا کہ میری دکان میں جو کچھ ہیں یہ فلاں شخص کا ہے پھر چند روز بعد اسی دکان میں کسی چیز کا دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو اقرار کے بعد دکان میں رکھ دیا ہے تو اس کی قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اگر اقرار کرنے کے بعد اتنا زمانہ نہیں گذرا ہو کہ جس میں وہ چیز لاکر دکان میں رکھ دیا جاسکتا ہوں۔

اسی طرح اگر کسی نے دوسرے کو برأی کرتے ہوئے کہا کہ میرا کسی عین، یا خرید اور یا دین کا حق تمہارے ذمہ نہیں ہے پھر گواہ قائم کئے پھر دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام اس فلاں شخص سے خریدا ہے یا اسی شخص پر قرض کا دعویٰ کیا تو اس کی گواہی معتبر نہ ہو گی۔

اس لئے کہ برأت یقینی ہوتا ہے اس لئے اس کا حکم بھی یقینی دلیل سے ساقط ہو گا۔[1]

دفعہ ۱۱: تناقض تصدیق خصم اور تکذیب حاکم سے رفع ہوتا ہے۔[2]

وضاحت:

دعویٰ میں تناقض ہوں تو دعویٰ درست نہیں ہوتا مگر یہ کہ خصم اس کی تصدیق کرے اور یا قاضی اس کی تکذیب کرے تو پھر تناقض رفع ہو جاتا ہے۔[3]

مدّعی نے ایک شخص پر دس ہزار دراہم کا دعویٰ کیا تھا پھر قاضی نے مدّعی سے پوچھا کہ تونے اس میں سے کچھ وصول کیا ہے تو اس نے دس ہزار دراہم وصول کرنے کا اقرار کیا، پس قاضی نے مدّعیٰ علیہ کو دراہم کے دعویٰ سے بری کر دیا۔ جب قاضی کے پاس سے نکلے تو مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ واللہ! تم یہ دراہم مجھ سے وصول نہیں کئے ہیں، تو مدّعی نے اس کے اس کلام کے گواہ لاکر پیش کر دیئے تو امام محمدؒ کے نزدیک مدّعی کی گواہی قبول کر کے مدّعیٰ علیہ سے دراہم کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اگر طالب نے مال ثابت کرنے کے لئے گواہ قائم کئے تو مقبول نہ ہوں گے اور اگر مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ تو نے مجھ سے وصول نہیں کئے لیکن میرے وکیل سے وصول کئے تو اس کی گواہی مقبول نہ ہو گی۔[4]

دفعہ ۱۲: خریدنے اور بھاؤ لگانا بائع کے لئے ملکیت کا اقرار کرانا ہے۔[5]

وضاحت:

ایک شخص نے چادر کا دعویٰ کیا اور اس کی قیمت لگائی پھر اپنے بھائی کے ساتھ مل کر یہ دعویٰ کیا کہ خریدنے اور قیمت لگانے سے پہلے ہم اس کے مالک تھے یا اس طرح دعویٰ کیا کہ کہ قیمت لگانے کے دن یہ ہمارے والد کی ملکیت تھی اس نے مرنے کے بعد ہمارے لئے یہ میراث میں چھوڑا ہے تو اس کے حصے کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اور اس کے ساتھ کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔

اگر صرف اسی نے خریدی خواہ قبضہ کیا ہو یا نہیں لیکن قیمت لگائی تھی اس کے بعد باپ آیا اور دعویٰ کیا کہ یہ چادری میری ہے تو اس کے گواہی قبول کی جائے گی اور مشتری بائع سے ثمن وصول کرے گا۔[6]

---

(1) تبیین الحقائق،۵:۳
(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۶۷
(3) الدرالمختاروحاشیہ ابن عابدین،۵:۱۹۸
(4) المحیط البرہانی،۸:۵۱۱
(5) نفس مصدر،۴:۶۸
(6) المحیط البرہانی،۸:۵۲۳

دفعہ ۱۳: گواہوں کی گواہی کے دوران ایک گواہ گمان کی بنیاد پر اپنے لئے اقرار کر گیا تو اس کا قول معتبر نہیں ہو گا۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے کپڑا خریدنے کا دعویٰ کیا دو گواہوں نے مدّعیٰ علیہ کی طرف سے اس کی خریدنے پر گواہی دی اور ابھی تک قاضی نے فیصلہ نہیں سنایا تھا کہ اس میں ایک گواہ نے یہ گمان کیا کہ یہ کپڑا میرا ہے یا میرے باپ سے مجھے میراث میں ملا ہے تو اس کی گواہی رد کی جائے گی۔

اگر گواہ نے گواہی دیتے وقت کہا کہ بائع نے اگرچہ اس کے ہاتھ بیچا ہے مگر یہ میرا ہے یا میرے باپ سے مجھے میراث میں پہنچا ہے تو اس صورت میں اس کی گواہی درست ہو گی۔[2]

دفعہ ۱۴: ہر وہ چیز جس کا بھاؤ لگاتے وقت پہچاننا آسان ہو تو اس کی عدم معرفت کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہو گا۔ اور جس کا پہچاننا بھاؤ لگاتے وقت مشکل ہو تو اس کی عدم معرفت کا دعویٰ کرنا درست ہو گا۔[3]

وضاحت:

اگر ایک باندی جس کے چہرے پر نقاب پڑی ہو اس کو خریدنے کے بعد مشتری نے کہا کہ یہ باندی میری ہے میں نے نقاب کی وجہ سے اس کو نہیں پہچانا تو اس کا دعویٰ اور گواہی مقبول نہ ہو گی۔

اگر کوئی سامان جو تھیلے میں بند ہو یا کپڑا جو رومال میں لپٹا ہوا تھا ان کو خریدا جب ان کو باہر نکالا تو کہا کہ یہ تو میری ہے تو اس کا دعویٰ و گواہی دونوں مقبول ہو گی۔

پہلے میں گواہی اور دعویٰ کا اعتبار اس وجہ سے نہیں کہ باندی کا پہچاننا آسان ہوتا ہے اس کے برعکس تھیلے میں بند سامان یا رومال میں لپٹے ہوئے کپڑے کا پہچان مشکل ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں اس کا دعویٰ اور گواہی مقبول ہو گی۔[4]

دفعہ ۱۵: تناقض صحت دعویٰ کے لئے مانع ہے مگر عتق میں نہیں کیونکہ اس میں خفا ہوتی ہے۔[5]

وضاحت:

عبد مأذون نے غلام خرید کر قبضہ کر لیا اور پھر اقرار کیا کہ میں نے یہ غلام آزادی کی حالت میں خریدا ہے کیونکہ جس سے میں نے خریدا ہے اس نے فروخت کرنے سے پہلے اس کو آزاد کیا تھا اور بائع نے انکار کیا تو غلام آزاد نہیں ہو گا اور مأذون کی اقرار کی تصدیق بائع پر نہ ہو گی۔

اگر مأذون نے اس طرح اقرار کیا کہ میرے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے یہ غلام بائع نے فلاں شخص پر فروخت کیا تھا تو فلاں شخص نے اس کی تصدیق کی لیکن بائع نے تکذیب کی تو اس صورت میں مأذون کے اقرار کی بائع پر تصدیق نہیں ہو گی تو مأذون بائع سے ثمن واپس نہیں لے سکتا لیکن اقرار کی وجہ سے عبد مأذون کو حکم دیا جائے گا کہ یہ گلام اس فلاں شخص کو واپس کروں۔

اسی صورت میں اگر بائع نے اس کی بات کی تصدیق کی یا گواہ قائم کئے اور یا بائع نے نکول قسم کیا تو ان تینوں صورتوں میں عبد مأذون بائع سے ثمن واپس کرے گا۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۶۸:۴

(2) المحیط البرهانی، ۵۲۳:۸

(3) نفس مصدر، ۶۹:۴

(4) ردالمحتار علی الدرالمختار، ۵۹۶:۵

(5) نفس مصدر، ۶۹:۴

ان تینوں صورتوں میں (بائع نے عبد مأذون کی اقرار کی تصدیق کی، گواہ قائم کئے اور یا بائع نے قسم سے نکول کیا) امام محمدؒ کے نزدیک یہ حکم دیا جائے گا کہ بائع سے ثمن واپس لے سکتے ہوں۔[1]

دفعہ ۱۶: غیر کی ملکیت کا اپنے لئے دعویٰ کرلے اس کے بعد اس سے وہ چیز خریدنا اس کے لئے ملکیت کا اقرار کرنا ہے، تو تناقض کی وجہ سے دعویٰ صحیح نہ ہوگا، لیکن تناقض دعویٰ گواہوں کی گواہی قبول کرنے کے لئے مانع نہیں۔[2]

وضاحت:

ایک شخص نے عورت سے نکاح کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ عورت میں نے اس کے مالک سے خریدا ہے تو یہ دعویٰ قبول درست نہیں لیکن اگر اس بات پر گواہ قائم کرے کہ میں نے نکاح کرنے کے بعد اس کو ایسے شخص سے خریدا جو اس کا مالک تھا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ ایک آدمی نے ایک گھر کی قیمت لگائی پھر دعویٰ کیا کہ میں نے یہ گھر فلاں سے خریدا ہے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی، ہاں اگر اس بات پر گواہ قائم کی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔[3]

دفعہ ۱۷: سبب حادث کے بعد ملک مطلق کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا اور اگر ملک مطلق کے بعد سبب حادث کا دعویٰ کیا تو دعویٰ درست نہ ہوگا۔[4]

وضاحت:

ایک چوپایہ پر اس سبب سے دعویٰ کیا کہ یہ میری ملک میں پیدا ہوا ہے اس کے بعد اسی قاضی کے پاس کسی سبب حادث سے ملک کا دعویٰ کیا تو اس کا یہ دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر پہلے ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور پھر سبب حادث سے دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ درست نہ ہوگا۔

اسی طرح کسی معین چیز پر ملک مطلق کا دعویٰ کیا پھر کسی وقت قاضی کے پاس جاکر دعویٰ کیا لیکن سبب حادث کی وجہ سے تو اس کا یہ دعویٰ درست نہ ہوگا، اسی صورت میں اگر پہلے سبب حادث کے ذریعے دعویٰ کیا اور ملک مطلق کا تو پھر دعویٰ درست نہیں ہوگا۔
اس لئے کہ دعویٰ میں تطبیق ممکن نہیں۔[5]

دفعہ ۱۸: مہر مثل کے بعد مہر مسمیٰ کا دعویٰ کیا تو دعویٰ درست ہوگا اور مہر مسمیٰ کے بعد مہر مثل کا دعویٰ صحیح ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں تطبیق ممکن ہے اور دوسری صورت میں تطبیق ممکن نہیں ہے۔[6]

---

(1) المحيط البرهانی، ۹:۱۵۶

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶۹

(3) المحيط البرهانی، ۹:۲۴۹

(4) نفس مصدر، ۴:۷۰

(5) المحيط البرهانی، ۹:۱۵۴

(6) نفس مصدر، ۴:۷۱

وضاحت:

عورت نے مہر مثل[1] کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد پھر مہر مسمی کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا، اگر مہر مسمیٰ کے بعد مہر مثل کا دعویٰ کیا تو اس کی دعویٰ مسموع ہو گی۔ اس لئے کہ پہلے دعویٰ کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور دوسرے میں تطبیق ممکن نہیں۔[2]

دفعہ ۱۹: ہبہ کا دعویٰ کرنے کے بعد مدّعی نے بیع پر گواہ پیش کئے تو اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہو گا۔[3]

وضاحت:

اگر کسی نے دوسرے کے قبضے میں موجود کسی مکان کا یہ دعویٰ کیا کہ قابض نے کسی وقت یہ مکان اسے ہبہ کر دیا تھا چنانچہ اس سے گواہ طلب کئے گئے تو کہا کہ قابض نے مجھے ہبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے میں نے اس سے یہ مکان خرید لیا تھا اور مدّعی نے خریدنے پر اس وقت سے پہلے گواہ قائم کر دیا جس وقت میں وہ ہبہ کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس کے گواہ قبول نہیں کئے جائے گے کیونکہ تناقض ظاہر ہو چکا ہے، اس لئے کہ مدّعی ہبہ کے بعد خریدنے کا دعویٰ کر رہا ہے اور گواہ ہبہ سے پہلے خریدنے کا شہادت دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ ہبہ کے بعد شراء کی گواہی دیں تو مدّعی کے بینہ قبول کی جائے گی۔[4]

اگر مدّعی ہبہ کا دعویٰ کر چکا تھا پھر ہبہ سے پہلے خریدنے پر بینہ پیش کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ قابض نے مجھے ہبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے کہ میں نے خریدا ہے تو بھی اس کا بینہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجہ یہ ہے کہ ہبہ کا دعویٰ کرنا اس کی طرف سے واہب کی ملکیت کا اقرار ہے اور خریدنے کا دعویٰ کرنا اس اقرار سے رجوع کرنا ہے لہٰذا اسے مناقض شمار کیا جائے گا، اس صورت کے خلاف جب اس نے ہبہ کے بعد خریدنے کا دعویٰ کیا ہو کیونکہ یہ بوقت ہبہ واہب کی ملکیت کو پختہ کر دیتا ہے۔[5]

دفعہ ۲۰: بیع کے وجود کے بعد بائع نہ کہا کہ میں فضولی تھا تو تناقض کی وجہ سے اس کا عویٰ رد کیا جائے گا۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے سے غلام خریدا پھر بائع نے کہا کہ میں فضولی[7] تھا اور مشتری سے غلام واپس کرنا چاہا اور مشتری نے انکار کیا یا مشتری نے کہا کہ بائع فضولی تھا جب اس نے بائع سے ثمن واپس لینے کا ارادہ کیا، تو دونوں یعنی بائع اور مشتری کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اور گواہوں کے پیش کرنے سے بھی اس کے گواہوں کی سماعت نہیں ہو گی۔[8]

---

(1) مہر مثل سے مراد یہ ہے کہ عورت کے باپ کے خاندان میں سے کوئی دوسری عورت جو اس کے مثل ہو اس کی ہم عمر ہو، اس کی طرح خوبصورت ہو، کنوارے پن میں ایک جیسی ہو، ایک جیسی مالدار ہو اور اگر یہ دیندار، ہوشیار اور سلیقہ دار پڑھی لکھی ہو تو وہ بھی ایسی ہو اک کے لئے جو مہر مقرر ہوئی ہو اسی کے لئے وہی مقرر کرنا مہر مثل کہلاتا ہے۔[العناية شرح الهداية ،۳:۳۶۸]

(2) المحيط البرهاني،۹:۱۵۸

(3) فتاویٰ عالمگیری،۴:۷۱

(4) دررالحکام،۲:۴۱۶

(5) العناية شرح الهداية،۷:۳۲۸

(6) نفس مصدر،۴:۷۲

(7) کسی معاملہ میں فضولی وہ شخص کہلاتا ہے جو نہ اصیل ہو اور نہ وکیل، یعنی: جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر اس کا معاملہ کرے، اس میں اسے وکیل نہ بنایا جائے، بلکہ وہ خود ہی یہ کام کرے۔[كتاب التعريفات،۱:۱۶۷]

(8) المحيط البرهاني،۹:۱۵۶

دفعہ ۲۱: اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنے کے بعد وقف کا دعویٰ کرے تو دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔[1]

ایک آدمی نے ایک چیز پر اپنی ملکیت کا عویٰ کیا پھر کہا کہ یہ چیز میرے لئے وقف کی گئی ہے تو دعویٰ رد کیا جائے گا، اور اگر پہلے وقف کا دعویٰ کیا اور پھر اپنے لئے ملکیت کا دعویٰ کریں تو یہ دعویٰ درست نہ ہو گا۔

یہی حکم اس مسئلے میں بھی ہے کہ پہلے ایک زمین فروخت کی پھر دعویٰ کیا کہ یہ زمین مجھ پر اور میری اولاد پر وقف کی گئی ہے تو تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہو گا اور اگر مدّعیٰ علیہ سے قسم لینا چاہا تو بھی اس سے قسم نہیں لے سکتا۔

ان صورتوں میں اگر گواہ قائم کئے تو گواہوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔[2]

دفعہ ۲۲: تناقض دعویٰ ملکیت کے لئے مانع نہیں ہوتا۔[3]

وضاحت:

تناقض دعویٰ ملکیت کے لئے مانع نہیں ہے کیونکہ قاضی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ متناقض کلام کی وجہ سے فیصلہ کرے اور نہ یہ کر سکتا ہے کہ بدون ترجیح ایک کے قول کو ترجیح دیا جائے، اگر مدّعی یہ دعوی کرے کہ فلاں کے پاس جو مال ہے میں اس کے ساتھ بسبب شرکت[4] کے شریک ہو پھر اس پر قرض ہونے کا دعویٰ کرے تو دعویٰ کی سماعت کی جائے گی، اس لئے کہ تطبیق ہو سکتا ہے کہ شرکت کا مال قرض میں تبدیل ہونا ممکن ہے جب شریک مال شرکت سے انکار کرے۔

اس کے برعکس اگر پہلے قرض کا دعویٰ کرے اور پھر شرکت کا تو تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہو گا، اس لئے کہ قرض مال شرکت نہیں بن سکتا۔

اسی طرح ایک آدمی دوسرے پر یہ دعویٰ کرے کہ تجھ فلاں شخص کا اتنا مال تھا اس نے یہ مال مجھے میراث میں چھوڑا ہے، پس مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ میں نے یہ مال اس کو ادا کر دیا اور گواہ لانے کا کہا مگر نہیں لا سکا، پھر مدّعی نے دوسری مجلس میں اپنے دعویٰ کا اعادہ کیا اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھے تیرے وارث ہونے کا کوئی علم نہیں تو اس کی سماعت ہو گی۔[5]

دفعہ ۲۳: نکاح سے انکار کرنا جس طرح فسخ نکاح نہیں ہے اسی طرح اس سے طلاق واقع نہیں ہوتا اگرچہ اس کا نیت کرے۔[6]

وضاحت:

اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے انکار کیا، عورت کے مرنے کے بعد مرد نے اس کی میراث میں دعویٰ کیا اور یہ گمان کیا کہ میں نے اس سے نکاح کیا تھا تو اس کو میراث ملے گا۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۷۲

(2) المحيط البرهاني، ۹:۱۵۶

(3) البحرالرائق، ۶:۱۵۳

(4) شرکت کے لغوی معنی شریک ہونے اور ملانے کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دو افراد کا مال تجارت مل کر ایک ہو جائے اور ہر شخص کی انفرادی حیثیت ختم ہو کر اجتماعی حیثیت سامنے آجائے۔ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوں۔

ایک سے زیادہ اشخاص کے کسی چیز کے ساتھ اختلاط و امتیاز کو شرکت کہتے ہیں۔ [مجلة الأحكام العدلية، ۱:۲۰۲]

اقسام شرکت: شرکت املاک اور شرکت عقود۔

اقسام شرکت عقود: شرکت مفاوضہ، شرکت عنان، شرکت صنائع، اور شرکت وجوہ۔ [مختصرالقدوری، ۱:۱۱۰]

(5) ردالمحتار على الدرالمختار، ۵:۱۹۹

(6) نفس مصدر، ۴:۷۲

اسی طرح ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے تین طلاق دی ہیں اور شوہر نے اس کا انکار کیا پھر شوہر مر گیا اور عورت نے اس کی میراث طلب کی تو میراث نہیں ملے گی۔[1]

دفعہ ۲۴: کسی نے میراث میں حصہ لے لیا اور پھر کہا کہ اس میں میرا کچھ حق نہیں تھا یہ تو ان دو بھائیوں کا حق تھا تو دعویٰ کی سماعت ہوگی۔[2]

وضاحت:

تین افراد نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں کے پاس یہ مال ہمارے باپ کی میراث ہے اور گواہوں کے ذریعے قاضی نے ان کے حق میں فیصلہ کیا ، پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ مال جو قاضی نے ہمیں دلایا ہے اس میں میرا کوئی حق نہیں یہ میرے صرف ان دو بھائیوں کا حق ہے تو عدم تناقض کی وجہ سے اس کے کہنے سے اس سے کچھ کم نہ ہوگا۔

لیکن اگر یوں کہا کہ اصل میں میرا اس مال میں کچھ نہیں ہے صرف ان دوبھائیوں کا حق ہے تو اس کا حصہ میراث سے باطل ہو جائے گا۔اگر قاضی کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے یہ بات کی تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ دعویٰ تو سب نے کیا تھا اب تم ایسا کیوں کرتے ہو تو معقول وجہ بتانے سے اس کا حصہ خارج کیا جائے گا۔[3]

---

(1) قرةعين الأخيار ،۷:۴۳۱

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۷۲

(3) البحرالمحیط،۹:۱۶۴

خلاصہ باب اول

باب اوّل میں تین فصول ہے جس میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الدعویٰ کے آٹھ (۸) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

فصل اوّل میں تعریف دعویٰ، شرائط، حکم، انواع کا بیان ہے، اس کے علاوہ عین، دین، اور عقار میں دعویٰ کی صورتیں کیا ہوں گی اور انکار کی صورت میں مدّعیٰ علیہ سے کیسے قسم لیا جائے گا۔ یہ فصل پچپن (۵۵) دفعات پر مشتمل ہے۔

فصل دوم میں تنازع کی صورت میں ایک دوسرے کے دعویٰ پر قسم کھانا، کونسے لوگ خصم بن سکتے ہیں اور دعویٰ کو کون سی صورتوں میں دفع کیا جاسکتا ہے۔ اس فصل میں اُنچاس (۴۹) دفعات ذکر ہیں۔

فصل سوم میں ان الفاظ کا بیان ہیں جو مدّعیٰ علیہ کی طرف سے جواب شمار ہوتی ہیں اور دعویٰ یا گواہوں کے بیان تناقض آجائیں تو دعویٰ کی صحت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ اس فصل میں چوبیس (۲۴) دفعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر اس باب اول میں کل ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) دفعات ہیں۔ پندرہ (۱۵) مقامات پر وضعی قوانین سے تقابل کیا گیا ہے۔

باب دوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ دعویٰ کے باب ۹ تا باب ۱۷ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب دوم کا تعارف

اس باب میں تین فصول ہے جس میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الدعویٰ کے نو(۹)ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر ایک چیز پر دوافراد دعویٰ کرے اور یا ایک قوم دعویٰ کرے اس حال میں کہ ہر ایک کا دعویٰ مختلف ہو تو اس کا کیا حکم ہو گا اور دیوار پر دعویٰ کی صورت میں کس کا قول قبول کیا جائے گا۔یہ فصل چون(۵۴)دفعات پر مشتمل ہے۔

دوسری فصل میں راستے اور نالہ پر دعویٰ، دین سے متعلق دعاوی، وکالت، کفالت اور حوالہ سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔اس فصل میں کل چونتیس(۳۴)دفعات ہیں۔

تیسری فصل میں ثبوت نسب سے متعلق احکامات، کسی چیز میں استحقاق کا دعویٰ اور دعویٰ میں دھوکہ سے متعلق احکام کا بیان ہے۔اس فصل میں ایک سو ایک(۱۰۱)دفعات مذکور ہیں۔ مجموعی طور پر باب دوم میں کل ایک سو نواسی(۱۸۹) دفعات ہیں۔اس باب میں آٹھ (۸)مقامات پر وضعی قوانین کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔

فصل اول

حصۂ دعویٰ کے باب ۹ سے ۱۰ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۹: دو شخصوں کے دعویٰ کے بیان میں:

دفعہ ۱: خارج (غیر قابض) کے گواہ قابض سے اولیٰ ہوں گے اگر دونوں تاریخ بیان کریں تو جس کا تاریخ مقدم ہوں تو اس کے گواہ معتبر ہوں گے۔(1)

وضاحت:

ملک مطلق کا دعویٰ ایسے دو شخصوں کے درمیان ہو، جن میں ایک قابض ہو اور دوسرا غیر قابض اور دونوں نے اس بات پر گواہ قائم کئے ہوں کہ یہ ہماری ملکیت تو خارج کے گواہ معتبر ہوں گے اس لئے کہ گواہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں اور جس کے گواہ زیادہ مثبت ہو تو ان کے گواہوں کی سماعت ہو گی۔ اگر دیکھا جائے تو خارج قابض پر اثبات حق کے لئے زیادہ مثبت ہونے کی کوشش کرے گا، اس کے برعکس قابض اتنا مثبت نہیں ہو گا کیونکہ وہ چیز تو اس کے قبضہ میں پہلے سے موجود ہے۔(2)

خارج کے گواہوں کے معتبر ہونے کے قائل امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں۔ امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قابض کی حجت مقدم ہو گی۔

یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں نے تاریخ ذکر نہیں کی ہو اسی طرح اگر دونوں نے ایک تاریخ ذکر کی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ایک کی تاریخ سابق ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس کی تاریخ پہلے ہو اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان میں سے ایک نے وقت بیان کیا تب بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ خارج کی گواہی معتبر ہو گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس نے تاریخ بیان کی اس کا قول قبول کیا جائے گا۔(3)

تقابل:

Possession is the one 10th of law.(4)

سپیسفک ریلیف ایکٹ (۱۸۷۷ء) کے مطابق قبضہ قانون کا دسواں حصہ ہے۔ یعنی وضعی قوانین میں یہ قاعدہ نہیں کہ ملک مطلق میں غیر قابض کے گواہ قابض کے گواہوں سے اولیٰ ہوں گے، بلکہ جس کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اس میں اس قابض کا حق اولیٰ ہو گا۔ تو شرعی قانون سے وضعی قانون الگ ہے۔

دفعہ ۲: ملک مطلق کی صورت میں دو آدمیوں نے تیسرے فرد پر دعویٰ کیا وقت مقررہ بیان نہیں کیا یا بیان کیا لیکن تاریخ دونوں کی ایک تھی تو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔(5)

وضاحت:

ایک چیز پر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا اور وہ چیز کسی تیسرے فرد کے پاس ہے اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو احنافؒ کے نزدیک وہ چیز دونوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ سے اس مسئلے میں دو اقوال منقول ہیں: ایک یہ کہ دونوں گواہ ساقط الاعتبار ہوں گے۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۴۷

(2) المحيط البرهاني، ۹: ۲۲

(3) تحفة الفقهاء، ۳: ۱۸۳

(4) Specific Relief Act1877,Section:8.

(5) نفس مصدر، ۳: ۴۷

دوسرا یہ کہ قرعہ اندازی کی جائے گی اور جس کا قرعہ نکلے اسی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں یقینی طور پر ایک کے گواہ جھوٹے ہیں اس لئے کہ ایک ہی وقت میں ایک چیز کا دوملکیتوں میں جمع ہونا محال ہے اور گواہوں میں سچے اور جھوٹے کا امتیاز کرنا بھی مشکل ہے، لہٰذا دونوں ساقط ہوں گے اور یا پھر قرعہ اندازی ہو گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے واقعہ میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا تھا اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں میں ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

أن رجلين اختصما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجاء كل واحد منهما بشهود عدول في عدة واحدة، فساهم بينهما رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال:اللهم اقض بينهما[2]

دو آدمیوں نے اپنے جھگڑے کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا، دونوں نے ایک ہی وقت کے گواہ پیش کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ کے ذریعے ان کے درمیان فیصلہ کیا اور پھر فرمایا کہ اے اللہ! ان دونوں میں تو ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

احنافؒ برابری کی بنیاد پر تقسیم کے قائل ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں، کہ فریقین میں سے ہر ایک کی شہادت کو جائز قرار دینے والی چیز کا احتمال پایا جاتا ہے اس طور پر کہ ایک فریق سبب ملکیت پر اور دوسرے نے قبضہ پر اعتماد کیا ہو اور ہر وہ شہادت جس کے لئے اس طرح کا جائز کرنے والی کوئی چیز ہو تو وہ صحیح ہوتی ہے، خواہ وہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کی صحت واقع میں مشہود بہ کے تحقق پر موقوف نہیں بلکہ صحت شہادت کا اعتماد ظاہری حالت پر ہے، پس دونوں شہادتیں صحیح ہوئیں اور جہاں تک ممکن ہو دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہاں پر عمل کرنا ممکن ہے کہ دونوں کے لئے آدھے آدھے کا حکم دیا جائے، کیونکہ سبب استحقاق میں برابر ہے۔[3]

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

أَنَّ رَجُلَيْنِ ادَّعَيَا بَعِيرًا فَبَعَثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَيْنِ، فَقَسَمَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا[4]

دو اشخاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹنی کی بابت جھگڑا لے کر آئے اور دونوں نے گواہ قائم کر دیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان دو نصفوں میں تقسیم فرمایا۔

حدیث قرعہ ابتدائے اسلام میں تھی پھر منسوخ ہو گئی۔[5]

دفعہ ۳: سبب ملک وراثت ہو تو اس میں خارج کے گواہ بالاتفاق علما اولیٰ ہوں گے۔[6]

---

(1) تحفة الفقهاء،۳:۱۸۳

(2) المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد، طبرانی،۴:۲۰۴، حدیث نمبر:۳۹۸۵، دارالحرمین، قاہرہ

البانی نے اس کو الإرواء میں صحیح کہا ہے۔[الجامع الصحيح للسنن والمسانيد،۳٦:۳۰۵]

(3) بدائع الصنائع،٦:۲۳٦

(4) مسند ابی یعلی، احمد بن علی،۱۳:۲٦۸، حدیث نمبر:۷۲۸۰، دار المأمون للتراث، دمشق،۱۴۰۴ھ۔ مسند ابی یعلیٰ میں اس کے سند کو صحیح کہا گیا ہے۔

(5) البحرالرائق،۷:۲۳۴

(6) فتاویٰ عالمگیری،۴:۷۴

وضاحت:

دعویٰ ملکیت سبب کی وجہ سے ہو اور مالک ہونے کا سبب وراثت ہو لیکن دعویٰ کرنے والوں میں ایک قابض ہو اور دوسرا خارج، اور ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ وہ اس چیز کے مالک ہے اور باپ نے اس کے لئے وراثت میں چھوڑا ہے تو علمائے احنافؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ چیز خارج کا ہو گا۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک میت کے لئے ملک مطلق ثابت کر رہا ہے، یہ ایسا ہوا کہ گویا دو مالک حاضر ہوئے اور ہر ایک نے ملک مطلق کا دعویٰ کیا۔

اگر دونوں نے تاریخ بیان نہیں کی یا دونوں کی تاریخ یکساں ہو تو دونوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا، دونوں نے تاریخ ذکر کی لیکن ایک کی تاریخ دوسرے سے پہلے ہے، تو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے ایک قول کے مطابق اس کے لئے ہو گی جس کی تاریخ سابق ہو اور امام محمدؒ کے دوسرے قول کے مطابق ہر حال میں خارج کے لئے ہو گا۔[1]

دفعہ ۴: دو مدّعیوں میں سے ہر ایک نے جدا جدا شخص سے خریدنے کا دعویٰ کیا تو وہ چیز دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہو گی، اور اگر دونوں ایک شخص سے خریدنے کا دعویٰ کریں تو جو تاریخ ذکر کرے گا وہ مقدم ہو گا۔[2]

وضاحت:

اگر دو مدّعیوں نے جدا جدا شخص سے خریدنے کا دعویٰ کیا جیسے ایک نے زید سے اور دوسرے نے عمرو سے خریدنے پر گواہ قائم کیا دونوں نے تاریخ بیان کی اور یا بیان نہیں کی تو وہ چیز دونوں کے درمیان برابر تقسیم کی جائے گی۔

اگر ایک فریق نے تاریخ بیان کی اور دوسرے فریق نے نہیں تب بھی خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان برابر تقسیم کی جائے گی، کیونکہ ایک فریق کا تاریخ بیان کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے لئے پہلے ملکیت ثابت تھی۔ اس لئے کہ ممکن ہے کی دوسرا اس سے پہلے ہو۔

اس کے برعکس اگر دونوں کا بائع ایک ہی شخص ہو تو اس میں یہ احتمال نہیں، کیونکہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ملکیت کا حاصل کرنا اسی بائع کی طرف سے ممکن ہے پس جب ان میں سے ایک نے تاریخ بیان کی تو حکم اسی کے لئے کی جائے گی جب تک یہ بات ظاہر نہ ہو کہ دوسرے کی خرید اس سے پہلے واقع ہوئی ہے۔[3]

تقابل:

When a person is bound to prove the existence of any fact, it is said that the burden of proof lies on that person.[4]

قانون شہادت کے مطابق ہر ایک مدّعی کے ذمہ دعویٰ کا اثبات ہے، شہادت کی نوعیت اور کیفیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ تو جس کی گواہی اس قانون کے موافق ہوں اس کو مدّعیٰ بہ حوالہ کیا جائے گا، برابر تقسیم کرنے کا تصور وضعی قوانین میں نہیں۔

دفعہ ۵: قاضی کے فیصلہ کے بعد وہ چیز آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا ایک نہ لینے پر دوسرا پوری چیز نہیں لے سکتا۔[5]

---

(1) تحفة الفقهاء،۳:۱۸۵

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۴۷

(3) بدائع الصنائع،۶:۲۳۳

(4) The Qanun-e-Shahadat1984, P:184,Chapter:9,Article:117(2)

(5) نفس مصدر،۴:۴۷

وضاحت:

قاضی کے فیصلے کے بعد وہ چیز دونوں میں نصف نصف مشترک ہو گا پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں آدھا نہیں لیتا تو دوسرے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ چیز پورا لے لیں کیونکہ اس پر نصف میں فیصلہ ہو چکا تو نصف میں بیع ٹوٹ گئی اور عقد جب قاضی کے فیصلے سے ٹوٹ جائے تو تجدید عقد ضروری ہے اور یہاں پر تجدید عقد نہیں پایا جاتا۔

اور وہ مشتری ہونے کے ساتھ اس آدھے میں خصم ہے کیونکہ اس نصف میں دوسرے مشتری کا مستحق ہونا گواہوں کے ذریعے ثابت ہو گیا۔

یہ حکم اس وقت تک ہے جب اس ایک مشتری نے قاضی کے فیصلہ کے بعد آدھا مبیع لینا ترک کیا ہو اور اگر قاضی کے فیصلے سے پہلے اس نے کہہ دیا کہ میں آدھا مبیع نہیں لیتا، تو دوسرے مشتری کو اختیار ہو گا کہ پورا مبیع لے لے، کیونکہ وہ پورے مبیع کا مدّعی ہے اور ابھی تک اس کے دعویٰ کا سبب فسخ نہیں کیا گیا۔

پہلی صورت میں آدھا مبیع ملتا تھا کیونکہ اس میں دوسرا مشتری مزاحم تھا اور اس صورت میں وہ مزاحم نہیں رہا تو پورا مبیع لے سکتا ہے۔[1]

دفعہ ٦: جب سبب استحقاق یعنی دعویٰ اور شہادت میں برابری ہو اور مدّعیٰ بہ بھی قابل شرکت ہو تو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی کے قبضہ میں ایک غلام اور گھر ہے اور اس پر دو آدمیوں نے گواہ قائم کئے اور ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے اس سے یہ گھر اس غلام کے بدلے میں جو اس کے پاس ہے خریدا ہے اور قبضہ کرنے والا دونوں کے دعویٰ سے منکر ہے تو قاضی ان دونوں کو اختیار دے گا اگر چاہے تو گھر اور غلام دونوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا، اور اگر گھر لینا نہ چاہا تو غلام دونوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا اور قابض دونوں کے لئے غلام کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ گھر دونوں کے درمیان برابر اس لئے تقسیم کیا جائے گا کہ دونوں استحقاق کے سبب یعنی دعویٰ اور شہادت میں برابر ہے اور مشہود بہ بھی قابل شرکت ہے تو دونوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

اختیار اس لئے ثابت ہے جب ان دونوں کے لئے گھر کا فیصلہ کیا گیا تو ہر گویا ہر ایک کا سودا علیحدہ ہوا، کیونکہ ہر ایک پورے گھر کے خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر ایک کو صرف آدھا گھر مل سکتا ہے اور یہ ایسا تفریق ہے جو پورا ہونے سے پہلے حاصل ہوا لیکن قبضہ سے پہلے حاصل ہونے کی وجہ سے ان کو اختیار حاصل ہے۔ گھر کو اختیار کر لینے کی صورت میں دونوں کے درمیان گھر اور غلام اس لئے برابر تقسیم کیا جائے گا کہ ہر ایک پورے گھر کے خریدنے کا دعویٰ پورے غلام کے عوض کرتا ہے لیکن ہر ایک کو صرف آدھا حوالہ کر سکتے ہیں تو ہر ایک آدھے غلام کے مالک ہوں گے۔ اور اگر اس کو فسخ کرنا اختیار کیا تو غلام جو اس گھر کا عوض قرار دیا گیا تھا اس کو واپس کیا جائے گا لیکن دلائل کی برابری کی وجہ سے دونوں اس میں برابر شریک ہوں گے اور غلام کی قیمت ہر ایک کو آدھی ملے گی کیونکہ ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے پورا غلام گھر کی قیمت کے طور پر دیا ہے اور دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ عقد فسخ کرنے کی وجہ سے ہر ایک کو پورا قیمت نہیں دے سکتا اس لئے قابض ہر ایک کے لئے آدھے قیمت کا ضامن ہو گا۔

---

(1) المحیط البرھانی،٣١:٩

(2) فتاویٰ عالمگیری،٧٥:٤

اگر گھر دونوں دعویٰ کرنے والوں کے قبضہ میں ہو اور باقی مسئلہ اسی طرح ہو تو اس کا حکم بھی یہ ہے یعنی ہر ایک کے لئے خیار ثابت ہو گا کیونکہ شرکت اعیان میں عیب ہوتا ہے اور عیب ہر ایک کے لئے اختیار ثابت کرتا ہے۔

اور اگر گھر مدّعی کے قبضہ میں ہو اور صورت مسئلہ اسی طرح ہو تو گھر مدّعی کا ہو گا کیونکہ اس کا خرید نا مقدم ہو گا اس لئے کہ قبضہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا خرید نا مقدم ہو گا۔

اگر مدّعیٰ علیہ نے قابض سے کہا کہ گھر کا عوض مجھے حوالہ نہیں کیا گیا ہے اور دوسرے خصم کے گواہوں سے اگر اس میں استحقاق پیدا ہو گیا تو میں تجھ سے گھر واپس لوں گا تو اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ غلام میں اس طرح استحقاق کا ثابت ہونا قابض کے لئے حجت نہیں، یہاں پر گویا استحقاق مدّعیٰ علیہ کے اقرار سے ہوا یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں نے مطلقاً خریدنے کا دعویٰ کیا ہو۔

اگر دونوں نے تاریخ ذکر کیا اور اس پر گواہ قائم کئے تو جس کا تاریخ مقدم ہو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، گھر خواہ مدّعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہو، یا دونوں دعویٰ کرنے والوں کے ہاتھ اور یا ان میں سے ایک کے قبضہ میں ہو۔ وجہ یہ ہے کہ گویا یہ اس وقت خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی دوسرا جھگڑا کرنے والا نہ ہو تو اس کے لئے جس وقت خریدنے کو ثابت کرتے ہیں تو اسی وقت دوسرے کے لئے باطل کرتے ہیں۔[1]

دفعہ ۷: ایک کا قبضہ آنکھوں سے مشاہد ہو اور دوسرے کے قبضہ کی صرف شہادت دی گئی ہو تو مشاہد کا قول راجح ہو گا۔[2]

وضاحت:

ایک کا قبضہ گواہوں سے ثابت ہو اور دوسرے کے قبضہ مشاہدہ سے ہو تو مشاہدہ کے ذریعہ سے جو قبضہ ثابت ہو وہ راجح ہو گا کیونکہ مشاہدہ مفید یقین ہوتا ہے اور خبر مفید ظن ہوتی ہے، پس خبر یعنی شہادت کے ذریعہ جو قبضہ ثابت ہوا ہے، وہ مرجوح اور جو مشاہدہ سے ثابت ہو تو وہ راجح ہو گا، لہٰذا مدّعیٰ علیہ کے قبضہ کو ترجیح حاصل ہو گی اور مکان اسی کے قبضہ میں رہے گا۔[3]

اگر ہر ایک کے گواہوں نے خریدنے اور قبضہ کے مشاہدہ کی گواہی دی یا قبضہ میں بائع کے اقرار کرنے کی گواہی دی، ایک نے تاریخ قبضہ بیان کی اور دوسرے نے بیان نہیں کی تو مبیع بائع کے قبضہ میں ہو تو تاریخ ذکر کرنے والے کا قول معتبر ہو گا۔ اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو جنہوں نے خریدنے اور قبضہ کے مشاہدہ کی گواہی دی یا بائع کے قبضہ میں ہونے کے اقرار پر گواہی دی۔ ان میں سے ایک کے گواہوں نے تاریخ قبضہ بیان کی اور دوسرے کے گواہوں نے بیان نہیں کی تو مبیع دونوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۸: جب بائع اور مشتری کے گواہ اس چیز پر اتفاق کریں جس میں ثمن بننے کی صلاحیت موجود ہو اور ان میں سے ایک شرط زائد کے ذریعہ ثابت کرلے تو بیع فاسد ہو گی۔[5]

وضاحت:

ایک غلام ایک آدمی کے قبضہ میں ہے اس پر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام اس قابض کے ہاتھ ایک ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے عوض فروخت کیا ہے اور میں اس کا مالک ہوں اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو قابض کے ہاتھوں ایک ہزار درہم

---

(1) المحیط البرہانی،۹:۳۲

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۷۵

(3) تبیین الحقائق،۴:۲۳۷

(4) لسان الحکام،۱:۲۳۰

(5) نفس مصدر،۴:۷۵

اور ایک خنزیر کے عوض فروخت کیا ہے اس لئے میں اس غلام کا مالک ہوں اور قابض دونوں کے دعویٰ سے انکار کرتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غلام دونوں دعویٰ کرنے والوں کو آدھا آدھا ملے گا اور قابض ہر ایک کو غلام کی آدھی قیمت دے گا، بیع فاسد کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اگر غلام مشتری کے ہاتھ میں مر گیا تو اس پر دو قیمتیں واجب ہو گی۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اس بات پر گواہ پیش کئے جائے کہ قابض نے ایسا اقرار کیا ہو۔

ہر دعویٰ کرنے والا اگر قبضہ اور معائنہ پر گواہ پیش کئے اور غلام موجود ہو تو غلام لے کر دونوں کو برابر دیا جائے گا اور اگر غلام ہلاک کیا گیا ہو تو غلام کی قیمت اس کو برابر ملے گا ان دونوں صورتوں میں اس کو اس کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔[1]

دفعہ ۹: جب مدّعی اور مدّعیٰ علیہ ایک ہی جہت سے کسی چیز پر دعویٰ کرتا ہو تو مدّعی کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔[2]

وضاحت:

مبیعہ ایک شخص کے قبضہ میں ہو اور اس پر کسی نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ چیز فلاں آدمی سے خریدا ہے اور اس پر گواہ قائم کئے، مدّعیٰ علیہ نے بھی اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے بھی اس آدمی سے خریدا ہے جس کا مدّعی نے ذکر کیا ہے تو اس چیز کا فیصلہ مدّعی کے حق میں کیا جائے گا۔

قاضی کے فیصلہ کے بعد اگر دونوں کا ثمن ادا کرنا بائع کے اقرار یا قاضی کے معائنہ سے ثابت ہوا تو مبیعہ مدّعی کو حوالہ کیا جائے گا اور قبضہ کرنے والا کو اختیار نہیں کہ وہ ثمن وصول کرنے تک مبیعہ کو روک سکے۔ اگر ثمن ادا کرنا اس طرح ثابت نہ ہو تو قاضی ثمن کی ادائیگی تک مبیعہ سپرد نہیں کرے گا۔

اسی طرح اگر دونوں دام دونوں جنس مختلف سے ہو تو جو کچھ مدّعی سے حاصل کرے گا اس میں سے قابض کو کچھ نہیں دے گا، بائع اگر حاضر ہو تو قابض کو اس کی رضامندی کے بغیر اس میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے اور غائب ہونے ہونے کی صورت میں قاضی اس کو نہیں دے سکتا۔ ثمن ایک جنس سے ہو تو جو مدّعی سے حاصل ہوا ہے اس میں سے قابض کو پورا حق دے گا اس میں باقی رہ جانے والے پر بائع کا حق ہو گا۔ کم پڑنے کی صورت میں بائع ذمہ دار ہو گا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ قابض کا ادا کرنا بائع کے اقرار یا قاضی کے معائنہ سے ثابت ہوا ہو۔

پس قابض اور مدّعی اگر ایک شخص کی طرف سے ملک حاصل ہونے کا دعویٰ کرے اور دونوں نے تاریخ ذکر نہیں کی یا ایک ہی تاریخ ذکر کی یا ایک نے تاریخ ذکر کی اور دوسرے نے ذکر نہیں کی تو دونوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔[3]

تقابل:

Who may testify? All persons shall be competent to testify.[4]

دونوں کے گواہوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ جن کی گواہی قانون شہادت کے اصولوں کے موافق ہوں تو اس کا موقف مضبوط ہو گا اور اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت موجود ہیں۔

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۳۳

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۶۷

(3) قرۃعین الأخیار، ۸:۱۳۸

(4) The Qanun-e-Shahadat1984,P:9,Chapter:2,Article:3

دفعہ ۱۰: قابض اور خارج کا ایک دوسرے سے خریدنے پر گواہ قائم کرنے کے بعد گواہ ساقط الاعتبار ہوں گے اور وہ چیز قابض کے قبضہ میں رہنے دیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔ مدّعی نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ مکان قابض سے خریدی ہے اور قابض نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ مکان خارج (مدّعی) سے خریدی ہے اور دونوں نے اس بات پر گواہ قائم کئے لیکن تاریخ کسی کے پاس نہیں۔

تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں کے گواہ ساقط الاعتبار ہوں گے اور مکان قاضی کے فیصلے کے بغیر سابق قابض کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا۔

امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کے گواہ مقبول ہوں گے اور مکان مدّعی کو دیا جائے گا کیونکہ گواہوں پر اس طرح عمل ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ قابض نے غیر قابض سے خرید کر پھر اس کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو اور قبضہ نہ کرایا ہو کیونکہ قبضہ مقدم ہونے کی دلیل ہے اور اس کا الٹا نہیں کر سکتے اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں اگرچہ اس کا تعلق زمین سے ہو۔

تو ایسا ہو گیا کہ گویا دونوں گواہیاں دونوں اقرار پر واقع ہوئیں اور ایسی صورت میں بالاتفاق ساقط ہوتا ہے اسی طرح یہاں پر بھی ہوگا۔

اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک دلیل یہ ہے کہ خرید پر اقدام کرنا دوسرے کی ملکیت کا اقرار کرنا ہے تو گویا ہر شخص کا گواہ دوسرے کے اقرار پر قائم ہو اور اس صورت میں تعذر جمع کی وجہ سے بالاجماع دونوں گواہ ساقط الاعتبار ہوتے ہیں اسی طرح یہاں پر بھی ساقط الاعتبار ہوں گے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سبب کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب وہ مفید حکم ہو اور اس صورت میں سبب مفید حکم نہیں ہے نہ تو خارج کے حق میں اور نہ قابض کے حق میں، خارج کے حق میں تو اس وجہ سے مفید حکم نہیں ہے کہ اس کے حق میں شراء ماننے سے مبیعہ کا خرید نا قبضہ سے پہلے لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ قابض کے حق میں یہ سبب مفید حکم اس لئے نہیں کہ خارج کے لئے اس مدّعیٰ بہ پر قبضہ اور ملکیت ثابت کرنا پڑے گا اور یہ متعذر ہے کیونکہ مدّعیٰ بہ پر خود قابض نے قبضہ کیا ہے، اس لئے اس کے حق میں صرف خریدنے کا حکم کیا جائے گا اور حکم شراء یعنی ملکیت کا فیصلہ نہیں ہوگا محض سبب کا فیصلہ مفید نہ ہونے کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ گواہ ساقط الاعتبار ہے۔

اگر دونوں طرف کے گواہوں نے یہ گواہی دی کہ خارج اور قابض دونوں نے ایک ایک ہزار درہم ثمن کے طور پر ادا کئے ہیں اور دونوں ثمن جنس اور صفت میں برابر ہوں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ثمن ایک دوسرے کا بدلا ہو جائے گا۔[2]

دفعہ ۱۱: عادل گواہوں کے ذریعے کسی چیز کو ثابت کرنا ایسا ہے جیسے وہ مشاہدہ سے ثابت ہو۔[3]

وضاحت:

ایک آزاد آدمی کی ملکیت میں ایک غلام ہے اس پر مکاتب نے گواہ قائم کئے کہ میں نے یہ غلام فلاں عورت کے ہاتھ ہزار درہم کو بیچا ہے اور عورت نے بھی اس پر گواہ قائم کئے، لیکن مالک نے اس طرح خریدنے کا دعویٰ کیا اور قبضہ کا ذکر نہیں کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورت اور مکاتب کی گواہیاں باطل ہوں گی اور آزاد کی گواہی قبول کی جائے گی۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۷۷

(2) البناية شرح الهداية، ۸:۲۷۲

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۷۷

امام محمدؒ کے نزدیک عورت کے گواہ مکاتب پر اور آزاد کے گواہ مکاتب پر قبول کئے جائیں گے اور مکاتب کا عورت کے خلاف گواہی قبول نہ ہو گی۔ کیونکہ غلام مکاتب کے ہاتھ میں حکم اور عتباری طور پر موجود ہے اور اگر حقیقت میں موجود ہوتا تو اس کا قبضہ اولین شمار ہوتا، یہ تب ہوتا جب عورت کا خریدنا مکاتب کے خریدنے سے پہلے ہوتا گویا کہ اس عورت نے اس کو بیچا ہو اور مکاتب نے قبضہ کیا ہو۔

پھر آزاد نے گواہوں کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا کہ اس نے مکاتب سے خریدا ہے اور مکاتب نے گواہوں سے ثابت کیا کہ اس نے آزاد سے خریدا ہے تو آزاد کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔

اس لئے کہ آزاد دو چیزوں کو ثابت کرتا ہے ایک اپنے لئے ملکیت اور دوسرا قبضہ، اور مکاتب غیر کے لئے ملکیت ثابت کرتا ہے۔

اگر گواہوں نے عقد اور قبضہ کی گواہی دی اور وہ غلام آزاد کے قبضہ میں ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورت اور مکاتب کی گواہیاں باطل ہوں گی اور آزاد کی گواہی قبول کی جائے گی۔

اگر غلام مکاتب کے قبضہ میں ہو اور باقی یہی صورت ہو تو اس کا بھی یہ حکم ہے اور اسی صورت مسئلہ میں اگر غلام عورت کے قبضہ میں ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکاتب کی گواہی عورت پر باطل ہے اور عورت و آزاد کی گواہیاں مکاتب پر جائز ہیں۔

اگر آزاد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے اتنے رقم کے عوض یہ غلام مکاتب سے خریدا ہے اور غلام بھی اسی کے قبضہ میں ہے لیکن گواہوں نے اس کے قبضہ کا ذکر نہیں کیا اور باقی مسئلہ اسی طرح ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آزاد کی بیع درست ہو گی، یہی رائے امام محمدؒ کی بھی ہے، مکاتب کے قبضہ میں ہو تو بھی شیخینؒ کی یہی رائے ہیں اور اگر عورت کے قبضہ میں ہو تو حکم کیا جائے گا کہ آزاد مکاتب کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔[1]

دفعہ ۱۲: جس چیز میں شرکت ممکن نہ ہو اس پر دو آدمی دعویٰ کریں تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس کی مدّعیٰ علیہ تصدیق کرے۔[2]

وضاحت:

اگر دو آدمیوں نے عورت کے ساتھ نکاح پر گواہ قائم کئے تو دونوں کی گواہی رد کی جائے گی کیونکہ یہاں شرکت ممکن نہیں اس لئے کہ ایک عورت بیک وقت دو آدمیوں کی بیوی نہیں ہو سکتی تو تعارض کی وجہ سے دونوں کا دعویٰ اور گواہ رد کئے جائیں گے بخلاف املاک کے کہ اس میں شرکت ممکن ہے۔ عورت سے پوچھا جائے گا کہ بتا تو کس کی بیوی ہے تو عورت اس کی بیوی ہو گی جس کی وہ تصدیق کرے، اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اس لئے کہ جب دعویٰ کے بغیر میاں اور بیوی کا نکاح ہو جاتا ہے تو دعویٰ، گواہ اور تصدیق کی صورت میں ضرور نکاح ہو جائے گا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہو گا جب دونوں گواہوں میں سے کسی نے تاریخ ذکر نہیں کی ہو۔

اگر دونوں گواہوں نے تاریخ بیان کی تو جس کی تاریخ سابق ہو گی عورت اسی کی ہو گی۔ پھر اگر دوسرے نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ عورت میری منکوحہ ہے تو عورت اس کو دی جائے گی کیونکہ گواہی اقرار سے قوی تر ہے، اس لئے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اور گواہی حجت متعدیہ۔

اگر ان میں سے ایک نے کسی عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور عورت اس سے منکر ہے، پس اگر مدّعی گواہ پیش کر کے اپنے دعویٰ کو مضبوط کر دے اور قاضی گواہوں کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دے، اب دوسرا آدمی اسی عورت سے نکاح کا دعویٰ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے تو اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ پہلا فیصلہ بھی گواہوں کی بنیاد پر تھا اور یہ بھی گواہوں کی

---

(1) المحيط البرهانی، ۹:۴۳

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۷۸

بنیاد پر ہے اور یہ پہلے گواہوں کے مشابہ ہے، لہٰذا اس بینہ سے پہلے والے بینہ باطل نہ ہوں گے۔ قاعدہ یہ ہے کہ چیز اپنے مثل کے ذریعے ساقط نہیں ہوتا۔

یہاں پر صورت حال یہ ہے کہ پہلے گواہ دوسرے سے اقویٰ ہے کیونکہ اس کے ساتھ قاضی کا فیصلہ متصل ہو چکا ہے تو یہ دوسرے گواہوں سے بالکل ساقط نہیں ہوں گے۔

ہاں اگر دوسرے مدّعی کے گواہ پہلے والے مدّعی کے گواہوں کی تاریخ شہادت سے پہلے کسی تاریخ میں شہادت دیں تو اس وقت اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے، اس لئے کہ تاریخ مقدم ہونے کی وجہ سے پہلے والے گواہوں کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا اور جب اس کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا تو اب اس کا فیصلہ برقرار رکھنا مشکل اور متعذر ہو گا اس وقت دوسرے گواہوں کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر عورت کسی کی نکاح میں ہو اور اس کا نکاح لوگوں میں مشہور ہو پھر بھی کوئی اس سے نکاح کرانے پر گواہ قائم کرے تو غیر قابض کے گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے مگر یہ کہ اس کا گواہ نکاح اول سے سابق تاریخ بیان کر دے۔[1]

یہ سب حکم عورت کی زندگی میں ہے اور اگر وہ مر گئی تو جس کی تاریخ مقدم ہو گی اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، اگر دونوں نے ایک تاریخ ذکر کی اور یا تاریخ کا ذکر بالکل نہیں تھا تو دونوں کی طرف نکاح کی نسبت کی جائے گی اور ہر ایک پر نکاح کی وجہ سے آدھا مہر لازم ہو جائے گا اور دونوں دعویٰ کرنے والوں کو ایک شوہر کی میراث ملے گی۔ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں دونوں سے اس کا نسب ثابت ہو گا اور ہر ایک سے اس کو پورے بیٹے کا میراث ملے گا اور ان دونوں کو لڑکے کے مال سے ایک باپ کا میراث ملے گا۔[2]

دفعہ ۱۳: دونوں طرف کے گواہوں میں سے ایک طرف کے گواہ غالب گمان کے طور پر عادل ہوں گے تو فیصلہ کیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

دو بہنوں نے ایک مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد اس سے انکار کرتا ہے، ایک بہن نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ اس مرد نے اقرار کیا ہے کہ میں نے اس عورت سے ایک ہزار درہم پر نکاح کیا ہے اور دوسری بہن نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ مرد نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں نے اس سو دینار پر نکاح کیا ہے اور اس نے دخول کیا ہے تو قاضی ان کے درمیان جدائی کا فیصلہ کرے گا اور جس قدر مال کے گواہوں نے مرد کے اقرار کی گواہی دی وہ ایک عورت کو دے گا۔

اگر دونوں بہنوں میں سے ایک نے گواہی دی کہ اس مرد نے اس عورت کے ساتھ نکاح و دخول اقرار کیا ہے اور دوسری نے صرف نکاح کے گواہ دیئے اور مرد دونوں سے منکر ہے تو قاضی اس عورت کے نکاح کی صحت کا حکم دے گا جس کے ساتھ دخول کی گواہی دی ہو، کیونکہ دخول دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا نکاح سابق ہے۔

اگر دونوں میں سے کسی نے اقرار دخول یا نفس دخول پر گواہ قائم نہ کئے تو قاضی مرد اور ان دو بہنوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دے گا اور دونوں کے لئے آدھے مال کا فیصلہ کیا جائے گا، تو جس عورت نے دراہم سے مہر کا دعویٰ کیا تھا تو اس کو اس کا چوتھائی دیا جائے گا اور جس نے دینار مہر ٹھہرنے کا دعویٰ کیا تھا تو اس کو اس کا چوتھائی دیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۱۴: گواہ جب گواہی دیتے وقت جب دو چیزوں کا ذکر کریں تو یہ اس وقت صحیح ہو گا جو وہ وقت اس کا احتمال رکھتا ہو۔[5]

---

(1) الأختيارلتعليل المختار، ۱۱۷:۲

(2) البحرالرائق، ۲۳۵:۷

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۷۹:۴

(4) المحيط البرهاني، ۵۵۱:۳

(5) نفس مصدر، ۷۹:۴

وضاحت:

ایک عورت پر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا کہ اس نے عورت نے اقرار کیا ہے کہ میں نے اس شخص سے ہزار درہم پر خلع کیا ہے اور دونوں گواہوں نے وقت بیان نہیں کیا تو عورت پر واجب ہے کہ دونوں کو اس کا مال ادا کرے۔ اگر وقت بیان کیا تو پہلے وقت والے کو ادا کرنا واجب ہے اور دوسرے کا مال باطل ہو جائے گا، لیکن اگر دونوں وقتوں میں اتنا فاصلہ ہو کہ پہلے سے خلع کرانے کے بعد عدت گزر جائے اور دوسرے سے نکاح کرے تو اس کا یہ قول قبول کیا جائے گا اور اس عورت پر دونوں کے لئے مال واجب ہو گا۔ اگر اس کے ساتھ کسی ایک نے دخول نہ کیا تو دونوں مال لازم ہوں گے خواہ وقت بیان کریں یا بیان نہ کریں۔[1]

دفعہ ۱۴: مجہول چیز کا اقرار کرنا درست نہیں ہوتا۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس سے کہا کہ مجھ سے پہلے تیرا ایک شوہر تھا اس نے تجھے طلاق دے دی اور عدت گزر گئی پھر میں نے تجھ سے نکاح کیا اور عورت نے کہا کہ مجھے پہلے طلاق نہیں دی گئی ہے تو دونوں میں جدائی نہیں کر دی جائے گی اس کے بعد غائب نے حاضر ہو کر طلاق سے انکار کیا تو عورت اسی کی ہو گی۔

اگر پہلے نے نکاح اور طلاق کا اقرار کیا اور عورت نے طلاق میں اس کی تکذیب کی تو اس وقت سے اس پر طلاق واقع ہو گی اور عدت گزارے گی اور اس کے اور دوسرے شوہر کے درمیان جدائی واقع ہو گی۔

اگر عورت نے اس کے قول کی تصدیق کی تو دوسرے شوہر کی عورت قرار پائے گی، اور اگر پہلے شوہر کے نکاح اور طلاق سے انکار کیا تو دوسرے کے قرار پائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسرے شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے شوہر سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھائے تو عورت اس دوسرے شوہر کی بیوی ہو گی اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو عورت اور دوسرے شوہر کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی اور حاضر کے لئے اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۱۵: جو گواہی کسی چیز کی نفی کے لئے ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک شخص نے ایک عورت سے کہا کہ تیرے باپ نے تمھیں میرے نکاح میں اس وقت دیا تھا جب تو نابالغ تھی اور عورت نے کہا کہ نہیں اس وقت میں بالغ تھی اور میں اس پر راضی نہیں تھا تو قول عورت کا قبول کیا جائے گا اور مرد کی گواہی مقبول ہو گی۔

اگر عورت اس بات پر گواہ قائم کرے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح رد کیا تھا اور شوہر نے گواہ پیش کئے کہ بالغ ہونے کے بعد خاموش ہو گئی تو عورت کی گواہی مقبول ہو گی۔[5]

دفعہ ۱۶: نکاح کے صحیح اور فاسد کے اختلاف ہونے کی صورت میں فساد والے کا قول معتبر کیا جائے گا۔[6]

---

(1) المحیط البرہانی، ۱۰۲:۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۷۹:۴

(3) البحرالرائق، ۲۲:۷

(4) نفس مصدر، ۸۰:۴

(5) المحیط البرہانی، ۱۰۲:۹

(6) نفس مصدر، ۸۰:۴

وضاحت:

بیوی اور شوہر کا بچہ ہو جانے کے بعد نکاح کے صحیح اور فاسد ہونے میں جھگڑا کیا، شوہر نے فساد کا دعویٰ کیا اور بیوی نے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو فساد کے دعویٰ کرنے والے کے گواہ مقبول ہوں گے اور جب فساد کے گواہ مقبول ہوئے تو عدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور بچہ کا نسب ہر صورت میں ثابت ہو گا۔[1]

دفعہ ۱۷: ملک مطلق کی صورت میں قابض کے گواہ خارج کے گواہوں کا معارض نہیں بن سکتے۔[2]

وضاحت:

مرد اور عورت کے قبضہ میں ایک گھر ہے، عورت نے گواہ قائم کئے کہ یہ گھر میرا ہے اور یہ مرد میرا غلام ہے اور مرد نے گواہ قائم کئے کہ یہ گھر میرا ہے اور یہ عورت میری ہے اس پر گواہ قائم کئے لیکن اس پر قائم نہیں کئے کہ میں آزاد ہو تو عورت کا قول قبول کیا جائے گا، گھر اور وہ مرد دونوں اس عورت کی ملکیت ہوں گے۔

اگر مرد نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں آزاد ہوں تو اس کو آزاد قرار دے کر عورت اس کی بیوی ہو گی اور گھر عورت کی ملکیت ہو گی، دونوں کے پاس نہ ہونے کی صورت میں گھر مرد کی ملکیت تصور کیا جائے گا۔

اسی طرح مرد اور عورت کا گھر کے سامان میں اختلاف پیدا ہوا عورت نے کہا کہ یہ سامان میرا ہے اور یہ شخص میرا غلام ہے اور مرد نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ عورت میری بیوی ہے اور یہ سامان میرا ہے اور مہر دینے کا اقرار کیا تو عورت کا قول قبول کر کے یہ سامان اسی کا ہو گا اور مرد اس کا غلام ہو گا اگر اس نے اپنے آزاد ہونے پر گواہ قائم کئے تو حکم دیا جائے گا کہ عورت اس کی بیوی ہے اور سامان مرد کا ہے۔[3]

دفعہ ۱۸: جب مدّعیٰ علیہ خود اپنے گواہوں کی تکذیب کرے تو اس کا قول رد کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک مرد نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا ہے لیکن عورت نے دوسرے مرد پر گواہ قائم کئے کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور وہ منکر ہے تو مرد کی گواہی مقبول ہو گی۔

اسی طرح ایک مرد نے ایک عورت پر نکاح کے گواہ قائم کئے اور اس عورت کی بہن نے اس مرد پر گواہ قائم کئے کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد کی گواہی مقبول ہو گی اور عورت کی گواہی رد کی جائے گی۔

اگر عورت کے گواہوں نے تاریخ بیان کی اور مرد کے گواہوں نے بیان نہیں کی تو مرد کا دعویٰ جائز ہو گا اور جس کا مرد دعویٰ کرتا ہے اس عورت سے نکاح ثابت ہو گا اور دعویٰ کرنے والی عورت کا دعویٰ باطل ہو گا اور شوہر پر عورت کا آدھا مہر واجب ہو گا۔[5]

دفعہ ۱۹: شہادت شبہ سے ثابت نہیں ہوتا اور اقرار شبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔[6]

---

(1) المحيط البرهانی، ۱۰۲:۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۸۰:۴

(3) المحيط البرهانی، ۱۰۲:۹

(4) نفس مصدر، ۸۰:۴

(5) المحيط البرهانی، ۱۰۱:۹

(6) نفس مصدر، ۸۱:۴

وضاحت:

ایک مرد نے عورت سے نکاح پر گواہ قائم کئے لیکن عورت نے گواہوں سے یہ ثابت کیا کہ میری بہن اس مدّعی کی بیوی ہے اور مرد اس سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ میری بیوی نہیں ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قاضی حکم دے گا کہ یہ حاضر عورت مدّعی کی بیوی ہے اور غائب عورت کے حق میں نکاح کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح اگر حاضر عورت نے مدّعی کے اس اقرار کے گواہ دیئے کہ غائب عورت سے اس نے نکاح کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قاضی توقف کرے گا اور حاضر عورت کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا۔

عورت پر دعویٰ کرنے کی صورت میں عورت نے کہا کہ اس نے میری ماں سے نکاح کیا ہے یعنی عورت نے بہن کی جگہ ماں کا ذکر کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حاضر عورت اس کی بیوی ہوگی اور غائب عورت پر نکاح کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اور اگر اس حاضر عورت نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ اس مرد نے مجھ سے نکاح کیا اور اس سے بوسہ لیا یا اس سے وطی کی تو قاضی اس عورت اور مدعی کے درمیان تفریق کرے گا۔[1]

دفعہ ۲۰: جس کے لئے پہلے اقرار کیا تو اس کا حق مقدم ہوگا۔[2]

وضاحت:

ایک عورت نے کہا کہ میں نے کل اس شخص سے نکاح کیا ہے پھر کہا کہ اس دوسرے شخص سے ایک سال پہلے نکاح کیا تھا تو یہ عورت اس کی ہوگی جس کے لئے کل نکاح کا اقرار کر چکی ہے، اگر گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے یک بارگی دونوں کے ساتھ نکاح کا اقرار کیا ہے اور عورت اس سے منکر ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ گواہوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کس کے ساتھ اقرار شروع کیا تھا تا کہ اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے اگر عورت نے یوں کہا کہ میں نے دونوں سے نکاح کیا لیکن اس سے کل اور دوسرے سے ایک سال پہلے تو یہ کل والے کے لئے بیوی قرار دی جائے گی۔[3]

دفعہ ۲۱: گواہوں کو قائم کرنے کے بعد جس کی تصدیق کی جائے تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

دو بہنوں نے ایک مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے پہلے نکاح کیا ہے تو شوہر کو اختیار ہے وہ جس کے نکاح کو پہلے ہونے اور اپنی بیوی ہونے کی تصدیق کرے تو وہ اس کی بیوی ہوگی اور دوسرے کے گواہ باطل ہوں گے۔

اور اس کو کچھ مہر نہ ملے گا لیکن اس شرط پر کہ دوسرے کے ساتھ جماع نہیں کیا ہو۔

اگر شوہر نے کہا کہ میں نے دونوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے یا دونوں کے ساتھ نکاح کیا ہے لیکن جس کے ساتھ اول کی ہے وہ مجھے معلوم نہیں تو دونوں سے شوہر کی جدائی کرادی جائے گی اور دونوں کو آدھا مہر ملے گا اگر کسی کے ساتھ اس نے وطی نہیں کی ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اس طرح کہا ہو کہ میں نے دونوں سے نکاح کیا ہے لیکن جس سے پہلے نکاح کی ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔

---

(1) المحیط البرہانی، ۳:۱۵۳

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۸۱

(3) المحیط البرہانی، ۳:۱۴

(4) نفس مصدر، ۴:۸۲

اگر یوں کہا کہ میں نے کسی سے نکاح نہیں کیا ہے تو اس کے ذمہ کچھ مہر واجب نہیں ہو گا۔[1]

دفعہ ۲۲: انکار دعویٰ کے بعد اقرار کرنا دعویٰ کی صحت پر اثرانداز نہیں ہو تا۔[2]

وضاحت:

کسی نے ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کیا پھر دوسری مجلس میں قاضی کے سامنے اسی مدّعی کے ساتھ نکاح کا اقرار کیا تو اس کی یہ اقرار درست ہو گی، لیکن اگر دوسرے کے ساتھ نکاح کا اقرار کیا اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح کا اقرار کرتا ہے تو اس کی سماعت نہ ہو گی۔[3]

دفعہ ۲۳: موت کا دن قضا کے تحت داخل نہیں ہو تا اور قتل کا دن داخل ہو تا ہے۔[4]

وضاحت:

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرا باپ فلاں دن مر گیا اور قاضی نے حکم دیا تو یہ دن حکم میں داخل نہیں ہو گا، پھر اگر کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ اس میت نے مجھ سے اس دن کے بعد نکاح کیا ہے تو نکاح کا حکم کیا جائے گا۔

قتل کا دن قضا میں داخل ہو تا ہے اگر کسی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے فلاں دن میرے باپ کو قتل کیا تھا اس کے بعد کسی عورت نے اس دن کے بعد اس میت سے نکاح کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ رد کیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۲۴: اگر قابض اور خارج نے ملکیت کے ایسے سبب پر گواہ قائم کئے جو ایک بار واقع ہو تا ہے تو قابض کے گواہ راجح ہوں گے اور یا اس شخص کے گواہ راجح ہوں گے جس نے ایسی تاریخ بیان کی جو مدّعیٰ بہ کے عمر سے موافق ہو۔[6]

وضاحت:

قابض اور خارج دونوں نے ملکیت کے ایسے سبب پر گواہ قائم کیا جو ایک ہی بار واقع ہو تا ہے، جیسے نتاج یعنی کسی حیوان کا بچہ پیدا ہونا، روئی کے کپڑے کی بناوٹ، روئی کاتنا، دودھ دوہنا اور یا اون تراشنا۔ یہ سب اسباب ایک ہی دفعہ پیدا ہوتے ہیں تو اسی صورتوں میں قابض کے گواہ مقبول ہوں گے۔

اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ: قابض اور خارج ایک چوپایہ کی اپنی ملک میں پیدا ہونے کے گواہ دیئے تو قابض کا قول معتبر کیا جائے گا اور اگر دونوں نے تاریخ بیان کی تو جس کی تاریخ چوپایہ کے عمر سے موافق ہو تو اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا خواہ چوپایہ ان دونوں کے قبضہ میں ہو یا ان میں سے ایک کے قبضہ میں ہو یا کسی تیسرے کے قبضہ میں۔ اگر دونوں تاریخوں کا چوپایہ کے عمر سے موافقت ممکن نہ ہو تو دونوں کے لئے فیصلہ کیا جائے گا، اگر یہ معلوم ہوا کہ چوپایہ کا عمر ایک مدّعی کی تاریخ سے مخالف ہے اور دوسرے کی تاریخ سے موافق کرنے کے میں اشتباہ ہے

---

(1) المحیط البرہانی، ۱۴۹:۳

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۸۲:۴

(3) قرۃعین الأخیار، ۱۲:۸

(4) نفس مصدر، ۸۲:۴

(5) ردالمحتارعلی الدرالمختار، ۴۰۳:۵

(6) نفس مصدر، ۸۲:۴

توجس کی تاریخ سے اشتباہ ہے اسی کے حق میں حکم ہوگا، چوپایہ کی عمر اگر دونوں تاریخوں سے مخالف ہو تو دونوں کی گواہیاں باطل ہوں گی اور قابض کے پاس چھوڑا جائے گا۔[1]

دوسرا یہ کہ: اسی طرح قابض اور خارج نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ غلام میری باندی سے پیدا ہوا ہے اور ہر ایک نے گواہ پیش کئے تو قابض کے گواہ مقبول ہوں گے لیکن یہ مقبولیت گواہوں کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ قبضہ کی وجہ سے ہوگی، اس لئے کہ کسی کے گواہ اولیت ملک کی خبر نہیں دے رہا تو دونوں کے گواہ برابر ہوں گے اور قبضہ کی وجہ سے قابض کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ عیسیٰ بن ابانؒ[2] فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں دونوں گواہ ختم ہوں گے اور قاضی کے فیصلے کے بغیر وہ چیز قابض کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے گی۔[3] اس لئے کہ اگر قاضی فیصلہ کرتا تو بھی یہی حکم دیتا کہ اس چیز کو قابض کے قبضہ میں چھوڑ دو اور گواہوں کا پیش کرنا اور پیش نہ کرنا برابر ہوا، لہٰذا اس صورت میں ہی قابض کے حق میں چھوڑنے کا حکم ہوگا لیکن یہ قول درست نہیں۔

تیسرا یہ کہ: اگر دونوں دعویٰ کرنے والوں نے کسی تیسرے سے حصول ملک کا دعویٰ کیا اور نتاج پر گواہ پیش کر دیئے، جیسے قابض اور خارج دونوں نے یہ دعویٰ کیا کہ بچہ یہ میری اس باندی کا ہے جو میں نے فلاں سے خریدی تھی تو یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں باندی ہو اور ایک مدّعی یہ گواہ پیش کرے کہ اس باندی سے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ میرا ہے اور وہ اس بچے پر قابض بھی ہو تو اس صورت میں قابض کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

چوتھا یہ کہ: ایک مدّعی نے ملکیت پر گواہ پیش کئے اور دوسرے نے نتاج پر، تو نتاج والے کے گواہ اولیٰ ہوں گے خواہ وہ خارج ہو یا قابض۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب نتاج کے گواہ ملکیت کے تقدم کو بیان کرتا ہے اور جب اس کی ملکیت مقدم ہوں گی تو ظاہر ہے کہ دوسرا شخص اسی سے ملکیت حاصل کرنے والا ہوگا اور دوسرے مدّعی نے سبب ملکیت کی وضاحت نہیں کی ہے اس لئے اس کے گواہ ساقط الاعتبار ہوں گے۔ اگر دونوں دعویٰ کرنے والوں میں سے کوئی قابض نہ ہو تو اس صورت میں بھی صاحب نتاج کے گواہ مقدم اور راجح ہوں گے کیونکہ وہ اولیت ملک کی خبر دے رہا ہے۔

پانچواں یہ کہ: اسی صورت میں قابض کے لئے نتاج کا فیصلہ کیا گیا پھر ایک تیسرے آدمی اسی نتاج کا دعویٰ کر کے اس پر گواہ قائم کئے تو اب اس کی بات راجح ہوگی اور اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اگر قابض دوبارہ گواہ پیش کر کے اپنا دعویٰ پختہ کر دے تو تیسرے کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ قابض کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ برقرار رہے گا۔

اگر قابض گواہ پیش نہ کر سکے تو تیسرے کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ یہ تیسرا پہلے فیصلے کے تحت داخل ہی نہیں تھا کہ اسے مدّعیٰ علیہ مان کر مقدمہ سے خارج کیا جائے۔

چھٹا یہ کہ: جو شخص مطلق ملکیت کے دعویٰ میں مقضیٰ علیہ ہو جائے یعنی وہ خارج کر دیا جائے اور مدّعی کے لئے حکم ہو جائے اور پھر وہ نتاج پر گواہ لائے تو اس کا قول قبول ہوگا اور اس کے ذریعے سے پہلا حکم توڑ دیا جائے گا کیونکہ نتاج کا حکم بمنزلہ نص کے ہے اور اول بمنزلہ اجتہاد کے۔ مجتہد کو جب اس کے اجتہاد کے خلاف نص مل جائے تو حکم اول ٹوٹ کر نص کے موافق حکم ہوتا ہے تو ایسا ہی یہاں ہوگا۔[4]

ان صورتوں میں قابض کے گواہ معتبر ہوں گے۔ احنافؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔

---

(1) ردالمحتار علی الدرالمختار، ۵:۵۷۷

(2) عیسیٰ بن ابان، ابوعیسیٰ، فضل بن عیسیٰ بن ابان، بصرہ کے قاضی تھے۔ آپ کے اساتذہ میں اسماعیل بن جعفر، ہیثم، یحیٰ بن ابی زائدہ شامل ہیں۔ اس کے شاگردوں میں معتمر بن سلیمان، ابوعاصم النبیل اور حکم بن ابان شامل ہیں۔ ۲۶۱ھ میں وفات پا گئے۔ [سیراعلام النبلاء، ۱۰:۴۴۰]

(3) تحفة الفقهاء، ۳:۱۸۹

(4) البناية شرح الهداية ۹:۳۲۶

اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ گواہی ایسی چیز پر قائم ہوئی ہے جس پر قبضہ دلالت نہیں کرتا تو گواہی میں دونوں برابر ہوگئے، پھر قابض کے گواہ قبضہ کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے تو حکم اسی کے لئے ہوگا۔[1]

اور نقلی دلیل وہ روایت ہے ، جس میں سیدنا جابرؓ[2] آپ ﷺ کے قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ ایک شخص نے اونٹنی کا دعویٰ کیا اور گواہ سے ثابت کیا کہ یہ میری ہے میرے پاس جنی ہے قابض نے بھی اسی طرح گواہ سے ثابت کیا تو حضور اکرم ﷺ نے وہ اونٹنی قابض کو دے دی۔[3]

دفعہ ۲۵: ہر وہ سبب جس میں تکرار واقع ہو سکتا ہو تو اس میں ملک مطلق کی طرح خارج کے گواہ معتبر ہوں گے۔[4]

وضاحت:

اگر سبب ملک ایسا ہو جس میں تکرار کا امکان ہو تو خارج کے لئے فیصلہ کیا جائے گا، جیسے ریشمی کپڑا بننا، گھر بنوانا، پودے لگانا اور گندم اور غلوں کی کھیتی کرنا چونکہ ان میں تکرار ممکن ہے اس لئے کہ عمارت توڑ کر بنوائی جاتی ہے اور کھیتی کاٹ کر دوبارہ لگائی جاتی ہے۔ ان چیزوں میں اگر قابض اور خارج کا اختلاف ہو جائے تو ملک مطلق کی صورت کی طرح خارج کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر کسی چیز یا سبب کا معاملہ مشتبہ ہو جائے اور یہ واضح نہ ہو سکے کہ اس میں تکرار ہے کہ نہیں، تو اس میں اس معاملے میں اس چیز کی ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان کے خبر کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ ماہرین اس چیز کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔

اگر وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو یہاں پر بھی خارج کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ ہمارے ہاں خارج کے گواہوں پر فیصلہ کرنا اصل ہے اور نتاج اور اس جیسے کاموں میں اصل سے رجوع کیا جاتا ہے، لہٰذا جہاں نتاج اور اس جیسے امور ہو تو وہاں قابض کے گواہ راجح ہوں گے اور جہاں نتاج جیسا معاملہ نہ ہو تو وہاں خارج کے گواہ راجح ہوں گے۔[5]

دفعہ ۲۶: دعویٰ خریداری دعویٰ ہبہ پر مقدم ہوگا۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ مجھ کو یہ چیز فلاں نے ہبہ[7] کی ہے اور دونوں نے اس بات پر گواہ قائم کئے لیکن کسی کے گواہ نے تاریخ بیان نہیں کی تو خریدنے کا دعویٰ کرنے والا مقدم ہوگا ہبہ کرنے والے کے دعویٰ پر۔

---

(1) الجوھرۃالنیرۃ،۲:۲۱۵

(2) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بن عمرو بن حرام، خزرجی، انصاری، سلمی، ہجرت سے سولہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ ۱۹ غزوات میں حصہ لیا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ان سے ۵۴۰ روایتیں منقول ہیں۔ ۷۸ھ کو وفات پاگئے۔[الإصابة في تمييز الصحابة، احمد بن علی، ۱:۲۱۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ]

(3) السنن الکبریٰ، احمد بن حسین، بیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئافی یداحدھما، ۱۰:۴۳۳، حدیث نمبر:۲۱۲۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۸۵

(5) العنایۃ شرح الھدایۃ، ۸:۲۶۷

(6) نفس مصدر، ۴:۸۷

(7) ہبہ: کسی کو بلا عوض کوئی چیز دینا، ایک آدمی کا دوسرے آدمی کی طرف کسی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کا فوری اور بلا عوض منتقل کرنا اور اس دوسرے آدمی کا خود یا اس کی طرف سے کسی اور صاحب مجاز کا اس چیز موہوبہ کو قبول کرنا ہبہ کہلاتا ہے۔[مجموعہ قوانین اسلام، ڈاکٹر تنزیل الرحمان، ۳:۹۲۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء]

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خرید ہبہ سے قوی تر ہے اس لئے کہ خریدنے میں دونوں طرف سے معاوضہ ہوتا ہے اور ہبہ کبھی کبھار عوض سے خالی ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خرید بذات خود ملکیت کو ثابت کرتا ہے جب ہبہ میں مالک ہونا قبضہ پر موقوف ہوتا ہے تو ان وجوہات کی بنیاد پر خریدنا ہبہ سے مقدم ہوگا اور مدّعی شراء کا دعویٰ مقبول ہوگا۔[1]

اسی طرح اگر ایک خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا صدقہ مع القبض کا دعویٰ کرتا ہے تو اس میں بھی جو خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[2]

دفعہ ۲۷: ہبہ اور صدقہ کے دعویٰ کی صورت میں اگر قبضہ دونوں میں ہوا ہو تو تبرع اور احسان میں برابری کی وجہ سے دونوں یکساں طور پر اس چیز کے مالک ہوں گے۔[3]

وضاحت:

اگر ایک مدّعی نے ہبہ مع قبضہ کا اور دوسرے نے صدقہ مع القبض کا دعویٰ کیا اور کسی کے پاس تاریخ نہیں تھی تو چیز دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، کیونکہ تبرع اور احسان میں دونوں برابر ہیں اور دونوں قبضہ سے تام ہوتے ہیں اس لئے یہاں کسی پر کسی کو ترجیح نہیں ہوگی اور دونوں کو برابر ملے گا۔[4]

صدقہ اگرچہ لازم ہو جاتا ہے لیکن لزوم ترجیح کے لئے سبب نہیں بن سکتا کیونکہ لزوم انجام اور مآل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور ترجیح فی الحال کسی سبب کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے لزوم کی وجہ سے مدّعی صدقہ کا دعویٰ راجح نہیں ہوگا۔

تنصیف کا حکم تو ان چیزوں میں درست ہے جو تقسیم کے قابل نہ ہو جیسے حمام اور پن چکی۔

جو چیزیں تقسیم کے بعد قابل انتفاع ہوں، جیسے گھر اور باغ۔

تو اس کے بارے میں علمائے کرام کی دو رائے ہیں:

ایک گروہ کے نزدیک اس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ ہبہ میں جو شیوع اور اشتراک آیا ہے یہ بعد میں آیا ہے یعنی پہلے تو وہ پوری چیز کا مالک تھا مگر دوسرے مدّعی کی مزاحمت سے ہبہ نصف شائع میں رہ گیا۔

دوسرے گروہ کے نزدیک یہاں پر تنصیف درست نہیں، کیونکہ تنصیف سے مشترک چیز میں ہبہ کرنا لازم آتا ہے اور مال مشترک کا ہبہ درست نہیں، اس لئے اس کی تنصیف بھی درست نہیں ہے۔[5]

دفعہ ۲۸: رہن مع القبض اور ہبہ مع القبض میں رہن کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔[6]

---

(1) الأختيارلتعليل المختار، ۱۱۸:۲

(2) البناية شرح الهداية، ۳۸۷:۹

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۸۸:۴

(4) بداية المبتدي، ۱۶۸:۱

(5) العناية شرح الهداية، ۲۵۵:۸

(6) نفس مصدر، ۸۸:۴

وضاحت:

ایک آدمی نے رہن [1] مع القبض کا دعویٰ کیا اور دوسرے ہبہ مع القبض کا دعویٰ کیا یعنی اگر مدّعی نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں نے یہ چیز میرے پاس رہن کے طور پر رکھی ہے اور میں اس پر قابض ہوں اور دوسرے نے یہ دعویٰ کیا کہ اسی فلاں نے یہ چیز مجھے ہبہ کی ہے اور میں اس پر قابض ہوں اور دونوں نے گواہ پیش کیئے تو اس میں کونسا دعویٰ اولیٰ ہو گا؟

استحسان کی روسے رہن کا فیصلہ ہو گا اور قیاس کی روسے ہبہ رہن سے مقدم ہو گا، کیونکہ ہبہ مثبت ملک ہے اور رہن سے ملکیت کا ثبوت نہیں ہوتا لہذا ہبہ کا دعویٰ کرنے والا مدّعی رہن سے راجح اور اولیٰ ہو گا۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز رہن کے طور پر رکھی جاتی ہے وہ مضمون ہوتی ہے یعنی ضائع ہونے کی صورت میں راہن اس کا ضامن ہوتا ہے اور ہبہ کے طور پر جس چیز پر قبضہ کیا جاتا ہے اس میں ضمان نہیں ہوتا اور عقد ضمان اس عقد سے اولیٰ ہوتا ہے جس میں ضمان نہیں ہوتا، لہذا دعویٰ رہن اولیٰ ہو گا۔

اگر ہبہ میں دوسری طرف سے عوض ہو یعنی ہبہ بشرط العوض ہو تو ہر حال میں رہن سے راجح ہو گا، کیونکہ بشرط العوض انجام کے اعتبار سے بیع ہوتا ہے۔ بیع ایسا عقد ضمان ہے جس میں صورتا اور معنا دونوں طرح کی ملکیت ثابت ہوتی ہے جب کہ میں رہن ملکیت ہلاکت کی صورت میں ہوتا ہے اور وہ بھی معنا ہوتا ہے یعنی عین مرہونہ کا ضمان واجب نہیں ہوتا بلکہ اس کی قیمت کا ضمان واجب ہوتا ہے۔ [2]

دفعہ ۲۹: نکاح جب رہن، ہبہ اور صدقہ سے جمع ہو جائیں تو نکاح اولیٰ ہے اور شراء کے ساتھ جمع ہونے کی صورت میں تنصیف کا حکم کیا جائے گا۔ [3]

وضاحت:

ایک غلام ایک آدمی کے قبضہ میں ہے اس پر دوسرے شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام اسی قابض سے خریدا ہے اور ایک عورت یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ اس قابض نے اس غلام کے عوض میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور اس غلام کو مہر مقرر کیا تھا تو مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں کا دعویٰ قوت میں برابر ہے اور غلام دونوں کو آدھا آدھا ملے گا اور عورت اپنے شوہر سے غلام کا آدھا قیمت لے گی اور مشتری بھی اس سے آدھا قیمت لے گا، یہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہیں۔

دونوں دعاوی کے مساوی ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ خریدنا اور نکاح دونوں عقد معاوضہ ہیں اور بالذات ملکیت کو ثابت کرتی ہیں۔ خریدنے سے مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے اور نکاح سے شوہر ملک بضعہ کا مالک ہو جاتا ہے اور بیوی مستحق مہر ٹھہرتی ہے، تو دونوں عقد جس طرح قوت میں برابر ہیں اسی طرح حکم میں برابر ہوں گے۔

امام محمدؒ کے رائے یہ ہیں کہ خریدنے کو نکاح پر مقدم کیا جائے گا اور وہ غلام مشتری کے حوالہ کیا جائے گا پھر عورت سے کہا جائے گا کہ تم اپنے شوہر سے اس کا ثمن لے لو اور نکاح پر خریدنے کو مقدم کر کے دونوں گواہوں پر عمل کرنا بھی ممکن ہے، کیونکہ جس طرح دوسرے

---

(1) حق وصول کرنے کیلئے کوئی چیز روک لینا رہن کہلاتا ہے۔ شرعاً اس سے مراد ہے کہ مالی چیز کو روک رکھنا اُس حق (قرض) کے عوض جسے قرض دار سے وصول کرنا ممکن ہو۔ رہن میں رکھی ہوئی چیز کو مرہون 'رہن رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس کوئی چیز رہن رکھی جائے اس کو مرتہن کہتے ہیں۔

[بدائع الصنائع،۶:۱۳۵]

(2) تبیین الحقائق،۴:۳۱۸

(3) فتاویٰ عالمگیری،۴:۸۸

کے مملوک غلام پر نکاح کرنا صحیح ہوتا ہے اور اس کو مہر میں دینا اگر مشکل ہو تو اس کی قیمت دی جاسکتی ہے اسی طرح یہاں پر بھی غلام کو شراء کی وجہ سے دینا مشکل ہے، لہذا اس کی قیمت مہر میں دی جائے گی۔[1]

نکاح اگر صدقہ، رہن اور ہبہ سے جمع ہو جائے تو نکاح کے گواہ اولیٰ ہوں گے، کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے اور شراء کی طرح بالذات ثبوت ملک کا فائدہ دیتا ہے۔[2]

دفعہ ۳۰: مدّعی شراء کا دعویٰ کرتا ہے اور غلام آزادی، مدبر ہونے اور مکاتب ہونے یا باندی ام ولدہ ہونے پر گواہ قائم کریں تو ان صورتوں میں غلام اور باندی کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔ البتہ قبضہ کی صورت میں شراء کے گواہ اولیٰ ہوں گی۔[3]

وضاحت:

ایک باندی کسی کے قبضہ میں ہے اس پر ایک شخص نے دعویٰ کیا اور گواہ قائم کئے کہ یہ باندی میں نے اس آدمی سے خرید کر آزاد کیا ہے اور دوسرے آدمی نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے یہ باندی اس قابض سے خریدی ہے لیکن آزاد کرانے کا ذکر نہیں کیا تو آزاد کرانے والے کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔

البتہ اگر مدّعی خریدنے قبضہ کا دعویٰ کیا تو پھر اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اسی طرح غلام نے مالک پر گواہ قائم کئے کہ اس نے مجھے آزاد یا مدبر کیا ہے اور مدّعی نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام اس کے مالک سے خریدا ہے، عدم قبضہ کی صورت میں غلام کے گواہ مقبول ہوں گے اور قبضہ کی صورت میں مشتری کے گواہ قبول کئے جائے گے۔ اگر دونوں نے تاریخ بیان کی اور ایک کی تاریخ مقدم تھی تو جس کی تاریخ مقدم ہو گی اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اسی طرح باندی نے دعویٰ کیا کہ میری اس مالک سے اولاد ہوئی ہے اور دوسرے آدمی گواہ قائم کرکے یہ دعویٰ کیا کہ یہ باندی میں نے اس کے مالک سے خریدی ہے تو باندی کے گواہ اولیٰ ہیں خواہ وہ مشتری کے قبضہ میں ہو یا نہ ہو۔[4]

دفعہ ۳۱: باندی اور مالک کا اس بات میں اختلاف پیدا ہو جائے باندی دعویٰ کرتی ہے کہ تو مجھے بچہ جننے سے پہلے آزاد کیا تھا اور مالک اس کا انکار کرتا ہے تو باندی کا قول قبول کیا جائے گا۔[5]

وضاحت:

ایک شخص نے ایک باندی آزاد کی اور اس کا ایک بچہ ہے۔ باندی نے دعویٰ کیا کہ تو نے مجھے بچہ پیدا ہونے سے پہلے آزاد کیا ہے اور مالک نے کہا کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد آزاد کیا ہے اور بچہ میرا غلام ہے، اگر بچہ باندی کے پاس ہے تو اسی کا قول مقبول ہو گا۔[6]

امام ابویوسفؒ کے نزدیک جس کے قبضہ میں ہو باندی کا قول معتبر ہو گا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو عورت کے گواہ قبول کئے جائیں گے۔

---

(1) بدائع الصنائع، ۲۳۹:۶

(2) المحیط البرہانی، ۴۹:۹

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۸۸:۴

(4) المحیط البرہانی، ۵۰:۹

(5) نفس مصدر، ۸۹:۴

(6) البنایة شرح الهدایة، ۳۳۵:۱۰

امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر بچہ خود بول سکتا ہے تو اسی کا قول لیا جائے گا، اور اگر نہیں بیان کر سکتا تو اس کا قول معتبر ہو گا جس کے قبضہ میں ہو، دونوں کے گواہ قائم کرنے کی صورت میں باندی کے گواہ راجح ہوں گے۔[1]

دفعہ ۳۲: دو دعویٰ کرنے والوں میں سے ایک کل مکان کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا نصف کا، تو منازعت کے طریقے پر مدّعی کل کے لئے تین چوتھائی اور مدّعی نصف کے لئے ایک چوتھائی ہو گا۔[2]

وضاحت:

ایک مکان ایک آدمی کے قبضہ میں ہے اس پر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا ایک نے پورے گھر کا اور دوسرے نے آدھے مکان کا اور دونوں نے گواہ قائم کر دیئے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منازعت کے طریقے پر مدّعی کل کے لئے مکان کا تین چوتھائی حصہ دیا جائے گا اور مدّعی نصف کے لئے ایک چوتھائی۔

منازعت کے طریقے کا مطلب یہ ہے کہ جب مدّعی نے نصف نے آدھے مکان کا دعویٰ کیا تو دوسرا آدھا مدّعی کل کے لئے سالم رہا اور ایک نصف میں دونوں کی منازعت قائم رہی اور اس نصف کو دونوں میں آدھا آدھا کر دیا جائے گا، تو مدّعی جمیع کے پاس تین چوتھائی جمع ہوں گے اور مدّعی نصف کے حصے میں ایک چوتھائی جمع ہو گا۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک عول[3] اور ضرب کے طریقے پر تقسیم ہوں گے، کیونکہ عول کی طرح یہاں مخرج کم ہے اور گھر کے حصے زیادہ ہیں اس لئے صحیح اور کسر کے بغیر تقسیم کے لئے ایسے عدد کی ضرورت درکار ہے جو کامل نصف رکھتا ہو اور چونکہ اس سلسلے میں سب سے کم عدد دو ہے جس کا نصف کامل ایک ہے۔

لہٰذا مدّعی جمیع اپنے حصہ کو دو سے ضرب دے گا اور مدّعی نصف ایک سے جس کا حاصل ضرب تین ہو گا اس میں سے مدّعی جمیع دو حصے لے گا اور مدّعی نصف ایک حصہ لے گا اس اعتبار سے یہ تقسیم اثلاثاً ہو گی۔

اگر مکان دونوں کے قبضہ میں ہو تو مدّعی کل کے لئے ہو گا آدھا بطریقہ قضا اور آدھا بلا قضا، کیونکہ ایک نصف پر تو وہ قابض ہے اور ایک نصف پر قابض نہیں ہے اس کے متعلق اس کے گواہ قبول کئے جائے گے کیونکہ یہ خارج ہے اور خارج کے گواہ معتبر ہوتے ہیں۔

اور وہ آدھا جس پر مدّعی کل قابض ہے اس کا شریک اس نصف کا مدّعی نہیں ہے، کیونکہ شریک تو آدھے گھر کا مدّعی ہے اور وہ اس کے قبضہ میں ہے اور خود مدّعی کل کا آدھا اس کے پاس موجود ہے، لہٰذا مدّعی نصف مدّعی جمیع کے نصف میں کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لئے یہ آدھا قاضی کے فیصلہ کے بغیر اس کے پاس رہے گا اور جو آدھا مدّعی نصف کے قبضہ میں ہے اس کے متعلق مدّعی کل خارج ہے لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۳۳: قبضہ جب غیر کے لئے یقین سے ثابت ہو جائے تو ایسے گواہوں سے اس کو نہیں توڑا جا سکتا جو احتمالی ہو۔[5]

---

(1) تبیین الحقائق، ۳:۷۱

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۹۰

(3) عول کے لغوی معنی زیادتی اور غلبہ کے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ جب مخرج کے حصے بڑھ جائیں تو مخرج کے اجزاء میں زیادتی کرنے کو عول کہا جاتا ہے۔[کتاب التعریفات، ۱:۱۵۹]

(4) اللباب فی شرح الکتاب، ۴:۴۲

(5) نفس مصدر، ۴:۹۳

وضاحت:

ایک مکان کے متعلق دو آدمیوں نے جھگڑا کیا ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرے قبضہ میں ہے پس اگر قاضی کو کسی کے قبضہ میں ہونا معلوم ہو جائے تو اسی کو قابض قرار دے گا۔

اور اگر قاضی کو یہ علم ہو کہ گھر ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کے قبضہ میں نہیں تو ان میں سے ہر ایک مدّعی اور مدّعیٰ علیہ ہوں گے۔

اگر دونوں نے اپنے اپنے قبضہ پر گواہ قائم کئے تو دونوں کو گھر ملے گا، اگر گھر کسی تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہو تو ان دونوں کے درخواست کے بغیر وہ گھر اس قابض سے نہیں لیا جائے گا۔

اگر دونوں یا ایک کے پاس گواہ نہ ہو تو ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لی جائے گا پس اگر دونوں نے قسم کھائی تو ہر ایک دوسرے کے دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور قاضی حقیقت حال واضح ہونے تک گھر کسی کی قبضہ میں نہیں دے گا، اور اگر ایک قسم کھانے سے نکول کیا اور دوسرے نے قسم کھالی تو قسم کھانے والے کے قبضہ میں نہیں دے گا لیکن نکول کرنے والے کو گھر میں تعرض کرنے سے روکے گا۔[1]

دفعہ ۳۴: ایک مرتبہ گواہ قائم کرنے کے بعد اس سے اعراض کرنا گویا ایسا ہے کہ وہ اس چیز پر قبضہ کرنے والا نہیں اور ملک کی صورت میں خارج کے گواہ معتبر ہوتے ہیں۔[2]

وضاحت:

دو آدمیوں نے ایک گھر کی بابت لڑائی کی ہر ایک مدّعی کہتا ہے کہ یہ میرے قبضہ میں ہے اور اس پر گواہ قائم کئے پھر ایک نے کہا کہ میں اس سے بڑھ کر گواہ لاتا ہوں کہ میرا باپ مر گیا اور اس میرے لئے یہ گھر میراث میں چھوڑا اور میرے علاوہ اس کے کوئی وارث نہیں ہے اور اس پر گواہ پیش کئے تو ان کے گواہ قبول کئے جائیں گے۔

یہ بات کرنا کہ میں اس سے بڑھ کر دعویٰ پر گواہ لاتا ہوں تو یہ پہلے گواہوں سے اعراض کرنا ہے یہاں تک کہ یہ شخص خارج قرار دے کر اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے۔[3]

دفعہ ۳۵: بچہ جب اپنا حالت بیان نہیں کر سکتا تو وہ دوسرے چوپایوں کی طرح ہے اس میں قابض کا قول معتبر ہو گا، اور اگر حالت بیان کر سکتا ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

اگر کسی کے قبضہ میں کوئی بچہ ہو اور وہ اپنی ترجمانی پر قادر ہو لیکن ایک آدمی یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور بچے نے کہا کہ نہیں میں تو آزاد ہوں تو اسی کی بات معتبر ہو گی اور وہ آزاد شمار ہو گا، لہٰذا وہ اپنے نفس کا مالک اور اس پر قابض ہو گا اور قابض کی بات معتبر ہوتی ہے اس لئے اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بچہ یہ کہے کہ میں فلاں کا غلام ہوں اور فلاں اس پر قابض نہ ہو تو وہ فلاں کا غلام نہیں ہو گا بلکہ قابض کا غلام ہو گا۔ اس لئے کہ اس نے یہ اقرار کر لیا کہ اپنی ذات پر میرا قبضہ نہیں ہے لہٰذا جو اس پر قابض ہے وہ اسی کا مالک ہو گا۔

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۳۵:۱۷

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۹۳:۴

(3) المحیط البرہانی، ۱۰۴:۹

(4) نفس مصدر، ۹۳:۴

اگر وہ بچہ اپنی ترجمانی پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں بھی وہ قابض کا غلام تصور کیا جائے گا، کیونکہ یہ چوپایوں کی طرح ہوا اور اس کا وہی مالک ہوتا ہے جو اس پر قابض ہو۔ اب اگر وہ بچہ بڑا ہو کر اپنی آزادی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ قول معتبر نہیں ہوگا کیونکہ بچپن میں اس پر رقیت طاری ہو چکی ہے اور قابض کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے، اس لئے بلا دلیل نہ تو رقیت ختم ہو گی اور نہ ملکیت زائل ہو گی۔[1]

دفعہ ۳۶: جو قبضہ منقضی ہو چکا ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔[2]

وضاحت:

ایک چیز میں دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا ایک نے گواہ پیش کئے کہ یہ چیز میرے پاس ایک مہینہ سے تھی اور دوسرے نے گواہ دیئے کہ اب بھی میرے پاس موجود ہے تو اس کا قول معتبر ہو گا، کیونکہ پہلے کا قبضہ ختم ہو چکا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ قبضہ غیر معتبر ہے، یا ایک آدمی گواہی دے کہ یہ چیز میرے پاس ایک مہینہ سے تھی اور دوسرا کہتا ہے کہ جمعہ کے دن سے ہے تو جمعہ والے کا قول قبول کیا جائے گا۔

اسی طرح ایک آدمی کے قبضہ میں دوسرے کی زمین ہے، قابض نے وہ زمین کرایہ پر دے دی ہے۔ پس مالک کہتا ہے کہ تو نے یہ زمین میرے حکم سے دی ہے اس لئے کرایہ میرا ہو گا اور قابض کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے غصب کی تھی تو یہ کرایہ میرا ہے تو اس صورت میں مالک کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۳۷: ہر وہ چیز جس میں دو آدمیوں کا اختلاف ہو جائے اور وہ چیز کسی کے قبضہ میں نہیں تو جس کے قبضہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس منازعہ کرنے والے چیز سے مشابہت رکھتا ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی کی نہر ہے اور نہر کے برابر میں ایک بند ہے پھر اس بند کے پیچھے دوسرے آدمی کی زمین ہے جو بند سے متصل ہے اور بند کسی کے قبضہ میں نہیں نہ صاحب نہر کے اور نہ صاحب زمین کے تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ بند صاحب زمین کی ہو گی۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ بند صاحب نہر کی ہو گی اور وہ اسے مٹی ڈالنے اور چلنے کے لئے حریم کے طور پر استعمال کرے گا۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اس پر کسی کا قبضہ اور کسی کی ملکیت کی کوئی علامت نہ ہو۔

اگر حریم پر صاحب زمین اور یا صاحب نہر کا قبضہ ہو یا قبضہ کی علامت ہو مثلاً پیڑ پودے لگائے اس صورت میں جس نے پودے لگائے ہوں حریم اسی کا ہو گا، اس لئے کہ ایک کے پودے لگانا اور دوسرے کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زمین پیڑ پودے لگانے والے کی ہی ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ حریم پر درخت تو ہو لیکن معلوم نہ ہو کہ یہ کس نے لگایا ہے تو اس صورت میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ حریم صاحب زمین کی ہو گی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صاحب نہر کی ہو گی، اور اس اختلاف کا ثمرہ اس وقت ثابت ہو گا جب مالک زمین اور صاحب نہر کے درمیان یہاں درخت لگانے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درخت لگانے کا اختیار مالک زمین کو ہو گا اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک درخت لگانے کا اختیار صرف صاحب نہر کا حق ہو گا۔

اب یہ کہ یہاں پر صاحب نہر کو مٹی ڈالنے کا حق ہو گا کہ نہیں اس میں دو رائے ہیں:

---

(1) بدائع الصنائع، ۶:۲۵۶

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۹۴

(3) المحیط البرہانی، ۹:۱۱۳

(4) نفس مصدر، ۴:۹۵

ایک یہ کہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صاحب نہر کو یہاں پر مٹی ڈالنے کا حق نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحب نہر کو یہاں پر مٹی ڈالنے کا حق ہے۔

دوسرا یہ کہ: اگر مٹی بہت زیادہ نہ ہو تو پھر بالاتفاق صاحب نہر کو مٹی ڈالنے کا حق حاصل ہے۔

حریم پر چلنے اور گزرنے میں دو اقوال منقول ہیں:

پہلے قول کے مطابق گزرنے میں بھی وہی ختلاف ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صاحب نہر کو یہاں پر گزرنے کا حق نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک صاحب نہر کو یہاں پر گزرنے کا حق ہے۔

دوسرے قول کے مطابق بالاتفاق صاحب نہر کو گزرنے کا حق ملے گا اس لئے کہ اسے اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔

فقیہ ابو جعفرؒ[1] فرماتے ہیں کہ درخت لگانے کے متعلق میں نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور یہ حق صرف مالک زمین کو دیا ہے اور مٹی ڈالنے میں صاحبینؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہوا اور صاحب نہر کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔[2]

دفعہ ۳۸: ملکیت کا حصول جس طرح گواہوں کے ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح قبضہ کے ذریعہ بھی ملکیت حاصل کی جاتی ہے لیکن گواہ قبضہ سے اقویٰ دلیل ہے اس لئے اس کو قبضہ مقدم رکھا جائے گا۔[3]

وضاحت:

دو آدمیوں نے جھگڑا کیا ایک ایسے جانور میں کہ ایک اس پر سوار ہے اور دوسرا اس کا لگام تھامے ہوئے ہے تو سوار اولیٰ ہے، کیونکہ اس کا تصرف ظاہر تر ہے اس لئے کہ سوار ہونا ملکیت کے ساتھ خاص ہے۔

اسی طرح اگر دو میں سے ایک زین پر سوار ہو اور دوسرا اس کے پیچھے بیٹھا ہو تو زین کا سوار اولیٰ ہے۔ اس کے برعکس اگر دونوں سوار ہوں تو جانوران کے استعمال میں برابر ہونے کی وجہ سے ان میں برابر ہو گا۔

ایسے ہی اگر وہ جھگڑا کریں اس سواری میں جس پر ایک بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے کے پانی کا برتن لٹکا ہوا ہو تو بوجھ والا اولیٰ ہو گا کیونکہ وہی اس کا استعمال کرنے والا ہے۔

اسی طرح ایک قمیص میں جھگڑا کریں جس کو ایک پہنے ہوئے ہے اور دوسرا آستین پکڑے ہوئے ہے تو پہننے والا اولیٰ ہو گا کیونکہ دونوں میں پہننے والے کا استعمال زیادہ ظاہر ہے۔

ایک بستر پر جھگڑا کیا ایک اس پر بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا اس کو پکڑے ہوئے ہے تو دونوں ان میں برابر ہوں گے، کیونکہ کسی چیز پر بیٹھنا قبضہ شمار نہیں ہوتا۔

اسی طرح کپڑا ایک کے قبضہ میں ہو اور اس کا کنارہ دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو وہ دونوں میں آدھا آدھا ہو گا، اس لئے کہ زیادتی قبضہ ہی کی جنس سے ہے اور قبضہ دوسرے کے حق میں موجود ہے لہذا اس سے استحقاق تو ثابت ہو گا مگر اس میں زیادتی ثابت نہ ہو گی۔[4]

---

(1) ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن محمد بلخی ہنداوی (وفات: ۳۶۲ھ)، جن کو ابو حنیفہ صغیر سے یاد کیا جاتا ہے، فقہ حنفی میں ماہر تھے، محمد بن عقیل بلخی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ بخارا میں فوت ہوئے۔[شذرات الذهب في أخبارمن ذهب، عبدالحیی بن احمد بن محمد، ۴: ۳۲۹، دارابن کثیر، دمشق بیروت، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء]

(2) البحرالرائق، ۸: ۲۴۱

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۹۶

(4) العناية شرح الهداية ۸: ۲۸۰

دفعہ ۳۹: مدعی اور مدعیٰ علیہ میں جس کا قول ظاہر کے موافق ہوں تو وہ قبول کیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

یہ ایک بڑا اصل ہے کہ جس کا قول ظاہر کے مطابق ہو تو وہ شریعت میں معتبر ہو گا کیونکہ حکم ظاہر پر لگایا جاتا ہے۔[2]

چند مسائل اس کی وضاحت ہوتی ہیں:

۱۔ایک آدمی دوسرے کے گھر سے نکلا اس کے گردن پر کچھ سامان لدا ہوا تھا، لوگوں نے اس کو دیکھا، مالک مکان نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے ساتھ جو متاع تھی وہ میری ہے اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے اس کو اس متاع کے ساتھ نکلتے ہوئے دیکھا تھا تو اگر اٹھانے والا ایسی چیزوں کے فروخت کرنے میں مشہور ہو تو وہ اسی کی ہو گی، اور اگر وہ ایسی چیزوں کے فروخت کرنے میں معروف نہ ہو تو وہ مالک مکان کی ہوں گی۔

۲۔ایک آدمی دوسرے کے گھر میں گیا پھر اس کے پاس کچھ مال نکلا مالک مکان نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ چیز میری ہے تو اس میں مالک مکان کا قول قبول کیا جائے گا۔

۳۔ایک جھاڑو دینے والا دو شخصوں کے گھر میں جھاڑو دیتا ہے اس کے پاس ایک چیز ہے دونوں شخصوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس یہ چیز میری ہے تو اس وقت یہ جس آدمی کے گھر میں ہو اس کا قول کیا جائے گا۔[3]

باب ۱۰: دیوار کے دعویٰ کے بیان میں:

دفعہ ۴۰: دیوار پر نہ کسی کی شہتیر ہو اور نہ عمارت کے ساتھ اتصال ہو تو دونوں کے درمیان برابر ہو گا۔[4]

وضاحت:

دو آدمی ایک دیوار پر دعویٰ کرتا ہے کہ یہ دیوار میری ہے اور اس دیوار پر نہ کسی کا شہتیر پڑا ہو اور نہ اس کا کسی کی عمارت کے ساتھ اتصال ہے تو اس دیوار پر دونوں کا حق ہو گا۔[5]

تقابل:

Proof of facts by oral evidence.All facts, except the contents of documents, may be proved by oral evidence.[6]

جس کا موقف قانون شہادت کے دستاویزی ثبوتوں کے موافق ہو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، جیسے ریوینو ریکارڈ کے مطابق فیصلہ صادر کیا جائے گا، یعنی جمع بندی، مثل حقیت اور عکس مساوی کی جانچ پڑتال ہو گی۔ شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت موجود ہیں۔

دفعہ ۴۱: اتصال تربیع اتصال ملازقہ سے اولیٰ ہو گا۔[7]

وضاحت:

اتصال تربیع کی تفسیر میں علما کی مختلف آراء ہیں:

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۹۶:۴

(2) لسان الحکام، ۲۳۸:۱

(3) بدائع الصنائع، ۲۵۶:۶

(4) نفس مصدر، ۹۷:۴

(5) تحفة الفقهاء، ۱۹۰:۳

(6) The Qanun-e-Shahadat1984,P:125,Chapter:6,Article:70

(7) نفس مصدر، ۹۷:۴

اتصال تربیع کی صورت یہ ہے کہ دیوار خام کی صورت میں بعض اینٹ دوسرے بعض اینٹ میں داخل ہو اور پختہ اینٹ کی صورت یہ ہوگی کہ آدھے ایک دیوار کی اینٹ دوسری دیوار میں داخل ہوں اگرچہ ایک کی ساخت دوسرے کی ساخت سے مرکب ہو، اگر سوراخ کر کے اینٹ لگائی جائے تو وہ تربیع نہیں کہلائے گی، یعنی اِس دیوار کی اینٹیں اس دیوار میں اور اس دیوار کی اِس دیوار میں پیوست ہوں۔
امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ جس دیوار پر جھگڑا ہے اس کی دونوں اطراف دونوں دیواروں سے متصل ہو اور وہ دونوں دیواریں دار کے ساتھ متصل ہوں، یہ تفسیر امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔
اگر ایک ہی طرف سے اتصال ہو تو امام طحاویؒ[1] کے نزدیک اتصال اولیٰ ہے اور وہ اس کو نتاج کے مسئلے پر قیاس کرتے ہے اور یہ راجح ہے۔[2]

دفعہ ۴۲: دیوار پر دونوں دعویٰ کرنے والوں کی شہتیر ہوں تو دیوار میں دونوں حصہ دار ہوں گے۔[3]

وضاحت:

دیوار پر تنازع ہو جائے لیکن اس دیوار پر دونوں دعویٰ کرنے والوں کی شہتیر ہوں تو دونوں کے قبضہ میں چھوڑ دینے کا حکم ہو گا لیکن اس شرط پر کہ دونوں کے قبضہ میں ہونا معلوم ہو۔
اسی طرح اگر دونوں کے قبضہ میں ہونا معلوم نہ ہو لیکن ہر ایک نے اپنے ملک میں ہونے اور اپنے قبضہ میں ہونے پر گواہ قائم کئے تو بھی دونوں کے قبضہ میں دیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۴۳: تنازع دیوار کی صورت میں صاحب جذوع اولیٰ ہو گا۔[5]

وضاحت:

دیوار پر جھگڑے کی صورت میں اس کا قول معتبر ہو گا جس کے گھر کا شہتیر اس دیوار پر ہو، کیونکہ شہتیر والا صاحب استعمال ہے اور دوسرے مدّعی کا صرف اس کے ساتھ تعلق ہے اور یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ دو آدمی ایک جانور میں جھگڑا کریں اور ہر ایک اس کے مالک ہونے کا دعویٰ کریں اور اس پر ایک کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے کے پانی کا برتن لٹکا ہوا ہو تو بوجھ والا اولیٰ ہو گا کیونکہ وہی اس کا استعمال کرنے والا ہے۔[6]

دفعہ ۴۴: جذوع کی مقدار کم اور زیادہ ہونے کی صورت میں زیادہ والے کے لئے حکم کیا جائے گا۔[7]

---

(1) طحاوی، احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبد الملک، ازدی، حجری، طحاوی، حنفی، مصر کے علاقے طحا کے ایک گاؤں میں ۲۳۹ھ کو پیدا ہوئے اس لیے طحاوی کہلائے۔ علم حدیث اور فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ آپ ابتدائی عمر میں شافعی المسلک تھے پھر حنفی ہو گئے۔ قاہرہ میں ۳۲۱ھ کو وفات پا گئے۔
[سیراعلام النبلاء،۱۵:۲۷]

(2) بدائع الصنائع،۶:۲۵۷

(3) فتاویٰ عالمگیری،۴:۹۷

(4) المبسوط للسرخسی،۱۷:۸۸

(5) نفس مصدر،۴:۹۷

(6) فتح القدیر،۸:۲۸۴

(7) فتاویٰ عالمگیری،۴:۹۸

وضاحت:

دیوار پر رکھے گئے شہتیروں کی تعداد ایک کے کہ اور دوسرے کے زیادہ ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہیں: کہ دیوار پر دس لکڑیاں ہیں اور دونوں کے حصے کی لکڑیاں تین سے زیادہ ہیں تو دیوار دونوں کے درمیان مشترک ہو گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دیوار پر ایک کے شہتیر تین سے کم ہوں اور دوسرے کے تین یا اس سے زیادہ ہو تو دیوار تین یا اس سے زیادہ والے کی ہو گی اور دوسرے کے لئے دھنیوں کی جگہ ہو گی، اور کم والے کو مواضع جذوع ملیں گے، اور دھنیوں کے درمیان کی جگہ دونوں میں مشترک ہو گی۔ یہ بات استحسان کی رو سے ہے۔

یہ قول راجح ہے کیونکہ دیوار بہت سے دھنیاں رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہے نہ کہ ایک دو کے لئے، پس ظاہری حالت زائد والے کے لئے شاہد ہے لیکن کم والے کو بھی رکھنے کا حق رہے گا، اس لئے کہ ظاہری حالت قبضہ کے حق میں دلیل نہیں ہے۔

قیاس کی رو سے یہ دیوار دونوں میں آدھا آدھا ہو گا کیونکہ نفس حجت میں کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ پہلے اس قول کے قائل تھے پھر استحسان والے قول کی طرف رجوع کیا۔[1]

دفعہ ۴۵: ماضی میں قبضہ کی دلیل دعویٰ کرتے وقت قبضہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔[2]

وضاحت:

جس دیوار میں جھگڑا ہوا اگر اس کا رخ ایک کی طرف ہو اور پشت دوسرے کی طرف تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دیوار دونوں میں برابر تقسیم ہو گی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دیوار اس کی ہو گی جس کی طرف دیوار کی رخ ہو کیونکہ عادتاً دیوار کی رخ اس کی طرف ہوتا ہے جس کے وہ مالک ہوں، یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب عمارت کی بنیاد رکھتے ہوئے دیوار کا رخ اس طرف کیا گیا ہو۔ اگر بنانے کے بعد کسی طریقے سے اس دیوار کا رخ پھیر لیا گیا ہو تو بالاتفاق اس سے دیوار کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح دو گھروں کے درمیان دروازہ ہو اور اس میں جھگڑا ہوا ہر ایک اس کا دعویٰ کرتا ہے اور دروازہ کا غلق ایک طرف ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلق اور دروازہ میں دونوں حصہ دار ہوں گے۔ جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک جس کی طرف غلق ہو اس کا حق ہو گا۔

اگر دونوں طرف غلق ہو تو بالاتفاق دونوں کی ہو گی۔

اگر دو گھروں کے درمیان ایک چھپر ہو اور اس کا قمطہ (جس سے چھپر) باندھا جاتا ہو ایک کی طرف ہو اور دونوں گھروں کے مالک اس پر دعویٰ کرتا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چھپر دونوں میں مشترک ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک جس کی طرف قمطہ ہے اسی کا قول قبول کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماضی میں کسی چیز پر قبضہ ہو لیکن دعویٰ کرتے وقت اس چیز پر قبضہ نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، وہ قبضہ معتبر ہو گا جو دعویٰ کے وقت ہو۔[3]

دفعہ ۴۶: مشترک چیز سے ہر حصہ دار فائدہ اٹھا سکتا ہے۔[4]

---

(1) تبيين الحقائق، ۳۲۶:۴

(2) نفس مصدر، ۹۹:۴

(3) بدائع الصنائع، ۲۵۸:۶

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۹۹:۴

وضاحت:

مشترک چیز سے ہر حصہ دار فائدہ اٹھاسکتاہے کیونکہ اس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا ہے لیکن اس بات کو مد نظر رکھیں کہ وہ مشترک چیز اس کی وجہ سے ہلاک نہ ہوسکے۔

ایک دیوار دوافراد کے درمیان مشترک ہو لیکن ایک کا اس پر بوجھ ہے اور دوسرے کا نہیں تو فقیہ ابوالليث فرماتے ہیں کہ دوسرا بھی اس کے مثل اس پر بوجھ رکھ سکتاہے لیکن اس شرط پر کہ دیواراس بوجھ کو برداشت کرسکتاہو۔

یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ دیوار پر ایک کے شہتیر زیادہ ہوں اور دوسرے کا کم، تو دوسرا بھی ان کے برابر بڑھاسکتاہے لیکن اس شرط پر کہ دیوار اس کا متحمل ہو۔[1]

تقابل:

مشترک چیز (زمین) کو لینڈ ریو ینو ایکٹ (۱۹۶۷ء) کے دفعہ ۱۳۵ کے مطابق تقسیم کرکے ہر کھاتہ شریک اپنے حصہ سے مکمل استفادہ کا حق رکھتاہے۔[2] دونوں قسم کے قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

دفعہ ۴۷: مشترک چیز میں کوئی کمی یا زیادتی دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔[3]

وضاحت:

ایک دیوار دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ایک نے چاہا کی کچھ عمارت بڑھائے تو نہیں بڑھاسکتا خواہ اس میں دوسرے شریک کا نقصان ہویا نہ ہو لیکن اگر شریک اجازت دے تو پھر بناسکتاہے۔

اسی طرح ایک دیوار دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی اس کا ایک کونہ گر گیا معلوم ہوا کہ یہ دیوار دوہری تھی، پس ایک نے دیوار اس گمان سے دور کرنی چاہی کہ باقی ہم دونوں میں پردہ کے لئے کافی ہے اور دوسرے نے گمان کیا کہ اگر تہہ باقی رہی تو دیوار گر کر منہدم ہوجائے گا۔ اگر اس امر کے ظاہر ہونے سے پہلے کہ یہ دیوار دوہری تھی ان دونوں نے کوئی اقرار کیا تھا کہ یہ دیوار ہم دونوں میں مشترک ہے تو دونوں دیواریں مشترک ہوں گی، ایک کے اجازت کے بغیر دوسرے کے بغیر اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اور اگر یہ اقرار کیا کہ ہر ایک اپنی اپنی دیوار کا مالک ہے تو ہر ایک اپنی دیوار جو تصرف کرنا چاہے کرسکتاہے۔[4]

دفعہ ۴۸: گواہوں کے ذریعے تخویف ثابت ہوجائے تو مشہود علیہ پر نقصان کا آدھا حصہ لازم ہوگا۔[5]

وضاحت:

دیوار دو شخصوں کے درمیان مشترک ہے ایک نے اس پر بوجھ ڈالا ہے اور دوسرے کا کچھ نہیں تو دیوار دوسرے کی طرف جھکی، پس اس نے گواہوں کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ میں نے دیوار پر بوجھ ڈالنے والے کو اس نقصان سے آگاہ کیا تھا اور اس نے ممکن ہونے کے باوجود نقصان کو دور نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ نقصان ہوا۔

---

(1) قرۃعین الأخیار، ۸:۱۷۵

(2) Land Revenue Act1967,Section:35

(3) نفس مصدر، ۴:۹۹

(4) لسان الحکام، ۱:۴۱۰

(5) نفس مصدر، ۴:۱۰۰

گواہوں کے ذریعے اگر یہ بات ثابت کی جائے کہ اس کو ڈرایا گیا تھا کہ اس کام کے کرنے سے یہ نقصان واقع ہو سکتا ہے تو مشہود علیہ سے آدھا نقصان لیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۴۹: انسان کو کسی دوسرے کی دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔[2]

وضاحت:

دو گھروں کے درمیان دیوار تھی وہ دیوار گر گئی ایک صاحب مکان کی لڑکیاں ہیں اس نے اس کو بنانا چاہا لیکن دوسرے نے شرکت سے انکار کیا تو اس منکر کو اس دیوار بنانے پر مجبور کیا جائے گا کہ نہیں۔

بعض علما کے نزدیک اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور اس دیوار کی تعمیر میں حصہ لے۔

فقیہ ابواللیث کے نزدیک اس زمانے میں منکر کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ دونوں کے درمیان پردہ ضروری ہے۔

امام فخر الدین ؒ یعنی قاضی خان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر اصل دیوار تقسیم کے قابل ہو تو ہر ایک اپنے لئے پردے کا انتظام کرے گا اور اس صورت میں منکر کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر اس دیوار کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا تو پھر منکر کو اس کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۵۰: شریک کو بنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا مگر وصی، ناظر اور تقسیم متعذر ہونے کی صورتوں میں شریک کو مجبور کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

شریک کو تعمیر کرانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا صرف تین صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں شریک کو بنانے پر مجبور کیا جائے گا۔

وہ تین صورتیں یہ ہیں:

۱۔ وصی۔ دو گھر جو دو بچوں کی ملکیت میں تھی ان گھروں کے درمیان ایک دیوار تھی جو بوجھ کی وجہ سے گر سکتی تھی ہر ایک بچے کے لئے وصی مقرر تھا تو ان سے اس دیوار کی مرمت کا مطالبہ کیا گیا تو ایک نے اقرار کیا لیکن دوسرے نے انکار کیا تو وصی منکر کو اس پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس دیوار کی مرمت کرے۔

۲۔ ناظر۔ ایک گھر دو وقفوں کے درمیان مشترک تھا اور اس گھر میں مرمت کی ضرورت پیش آئی، تو ایک ناظر (امین) نے مرمت کرنے سے انکار کر دیا اور دوسرے نے اقرار کیا تو انکار کرنے والے کو اس کی مرمت پر مجبور کیا جائے گا۔

۳۔ تقسیم متعذر ہو۔ جہاں پر تقسیم متعذر ہو تو وہاں پر بھی شریک کو مجبور کیا جائے گا۔ اب اگر ایک دیوار پر کسی کی بار بالکل نہ ہو ایک نے عرصہ حائط کو تقسیم کرنا چاہا اور دوسرے نے انکار کیا تو مجبور کرنے اور نہ کرنے کے دونوں قول موجود ہیں۔ اگر عرصہ دیوار چھوڑا ہو تو قاضی منکر کو ہر حال میں تقسیم پر مجبور کیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔[5]

دفعہ ۵۱: جس کام کے کرنے پر شریک مجبور کیا جاسکتا ہو اگر وہ اس کام کو شریک کی اجازت کے بغیر کرے تو وہ اس کام میں متبرع ہو گا۔[6]

---

(1) قرۃعین الأخیار، ۸:۱۷۶

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۰

(3) لسان الحکام، ۱:۴۰۹

(4) نفس مصدر، ۴:۱۰۱

(5) ردالمحتار علی الدرالمختار، ۴:۴۳۴

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۲

وضاحت:

جب شریک مشترک چیز اور یا مشترک عمارت پر خرچ کرنے سے منع ہو جائے تو مشترک جانور، غلام اور فصل پر خرچ کرنے پر اس کو مجبور کیا جائے گا اور صاحب سفل کو سفل بنانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تا کہ صاحب علو فائدہ اٹھا سکے۔

تو جس صورتوں میں شریک کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اگر وہ اس کو دوسرے کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو اس کو یہ خرچہ نہیں دیا جائے گا۔

اور جہاں شریک کو مجبور نہیں کیا جا سکتا وہاں بلا اجازت کے خرچ کرنے پر بھی اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔(1)

علو و سفل میں صاحب علو بنی ہوئی سفل کی قیمت صاحب سفل سے لے گا نہ کہ وہ خرچ جو اس نے کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اگر قاضی کے حکم سے بنایا ہو تو خرچ لے گا اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر بنائی تو قیمت بناء لے گا پھر جس صورت میں قیمت بناء لیتا ہے تو وہ قیمت لے گا جو بنانے کے دن تھی یا وہ جو واپس لینے کے روز ہے۔(2)

دفعہ ۵۲: ہر وہ کام جس کی وجہ سے صاحب سفل کو نقصان ہو اور یا نقصان کی اشتباہ ہو تو صاحب علو کو اس کام سے روکا جائے گا اور عدم نقصان کی صورت میں صاحب علو کو منع نہیں کیا جائے گا۔(3)

وضاحت:

بالاخانہ ایک آدمی کا اور سفل دوسرے آدمی کا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صاحب سفل کی رضامندی کے بغیر صاحب علو کو اختیار نہیں کہ وہ اس پر کوئی چیز تعمیر کرے اور یا اس میں کوئی دوسرا تصرف کرے۔

جب کہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر صاحب علو کے کسی عمل سے نیچے والے نقصان پہنچنا یقینی ہو تو پھر اوپر والے کو روکا جائے گا، اور اگر شک وشبہ ہو کہ صاحب سفل کو نقصان پہنچے گا تو پھر بالاخانے والے کو نہیں روکا جائے گا۔(4)

دفعہ ۵۳: صاحب سفل وعلو کا ان شہتیر، چٹائی اور مٹی میں خلاف کیا تو صاحب سفل کا قول قبول کیا جائے گا۔(5)

وضاحت:

سفل وعلو والوں کا اس جذوع سفل، مٹی اور چٹائی یا ان چیزوں میں اختلاف پیدا ہو جائے جن کا تعلق سفل سے ہو تو یہ سب صاحب سفل کو ملے گی اور صاحب علو کا اس پر چلنے اور علو رکھنے کا اختیار ہے۔

اگر چھت یا چھت کی بالائی دیوار میں جھگڑا کیا تو ایک قول کے مطابق صاحب سفل کو ملے گی اور دوسرے قول کے مطابق اس کو نہیں ملے گی اور اس دوسرے قول پر فتویٰ ہے۔(6)

دفعہ ۵۴: گواہوں کی عدم موجودگی میں منکر سے قسم لیا جائے گا۔(7)

---

(1) ردالمحتار علی الدرالمختار، ۳۳۲:۴

(2) البحرالرائق، ۳۰:۷

(3) نفس مصدر، ۱۰۳:۴

(4) البحرالرائق، ۱۹۵:۴

(5) نفس مصدر، ۱۰۳:۴

(6) بدائع الصنائع، ۲۵۹:۶

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۱۰۴:۴

وضاحت:

کسی پر دعویٰ کیا جائے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو گا۔ مدّعیٰ علیہ اقرار کرے گا یا انکار۔
اقرار کی صورت میں تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ لیکن اگر انکار کرے تو مدّعی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے گا اور گواہوں کی گواہی سے اس چیز کی ملکیت مدّعی کے لئے ثابت ہو جائے گی۔ اب اگر مدّعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ سے قسم لیا جائے گا۔
یوں قسم کھائے کہ قسم اس اللہ پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ مجھ پر اسفل کا بنانا کہ جس کی بناء پر اس کا علو قائم ہے واجب نہیں ہے۔
احنافؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ یوں قسم لی جائے گی کہ قسم اس اللہ پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ یہ زمین میری ملک نہیں ہے اور نہ مجھ پر اس کی عمارت واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔[1]

---

(1) المحیط البرھانی،۴۲:۸

فصل دوم

حصہ دعویٰ کے باب ۱۱ سے ۱۳ کی دفعہ بندی اور سول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۱۱۔ راستے اور نالہ کے دعویٰ کے بیان میں:

دفعہ ۱: جس طرح ماضی میں قبضہ کی دلیل دعویٰ کے وقت قبضہ کی دلیل نہیں بن سکتی یہی حکم گواہوں کا بھی ہے۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی کے گھر کا دروازہ دوسرے کے گھر میں ہو، اس نے اس دروازہ سے گزرنے کا ارادہ کیا لیکن صاحب مکان نے اس کو اس راستے پر گزرنے سے منع کیا اور کہا کہ میرے مکان پر سے آپ کے گزرنے کا حق نہیں اور صاحب باب نے گزرنے کے حق کا دعویٰ کیا تو اس میں صاحب مکان کا قول راجح ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ وہ اس راستے کا مالک ہے کیونکہ مکان کے ہر حصے کا وہ مالک ہے اور صاحب باب کا اس میں کوئی حق نہیں، تو صاحب مکان قابض ہے اور صاحب باب خارج ہے تو قابض کا قول مقبول ہوگا۔ اس صورت میں اگر خارج گواہ بھی پیش کرے اور وہ گواہی دیں کہ یہ اس دروازہ سے گزرتا تھا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک خارج کو گواہوں کی گواہی سے بھی یہ حق حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ گواہی اس کے قابض ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن گزشتہ زمانے میں، اور جس طرح دعوی میں قبضہ فی الحال کا اعتبار کیا جائے گا اسی طرح ان گواہوں کی گواہی مقبول ہوگی جو فی الحال قبضہ پر گواہی دیں۔[2]

دفعہ ۲: ۱۔ گواہوں سے جو چیز ثابت ہو جائے وہ ایسا ہے جیسے وہ خصم کے اقرار سے ثابت ہو۔

۲۔ جہالت مانع قبول شہادت اسی صورت میں ہے کہ حکم قضا جہالت سے متعذر ہو۔[3]

وضاحت:

مدّعی جب کسی پر راستے کا دعویٰ کرے اور راستے کی لمبائی اور چوڑائی ذکر نہ کریں تو گواہی مقبول نہ ہوگی۔ جن روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ گواہی قبول کی جائے گی یہ اس وقت ہے جب مدّعیٰ علیہ اس بات کا اقرار کرے اور گواہوں نے اس کی اقرار کی گوہی دی، اور اس نے راستے کے حدود، طول اور عرض بیان کی ہو۔

شمس الائمہ سرخسی کے نزدیک اس کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ موضع طریق کی مقدار ذکر کی ہو یا نہیں۔

کیونکہ جہالت اس وقت مانع قبول شہادت اسی صورت میں ہے کہ حکم قضا جہالت سے متعذر ہو اور یہاں پر متعذر نہیں ہے کیونکہ بڑے دروازے کا جوڑ اس راستہ کی مقدار پہچاننے کی دلیل بن سکتا ہے، تو راستے کی چوڑائی اس کے دروازہ کے بقدر ہوگا اور اس کی لمبائی اس کے دروازہ تک ہوگی۔[4]

اصح قول یہ ہے کہ گواہی ہر حال میں قبول کی جائے گی۔[5]

دفعہ ۳: پرانی چیز میں حق ظاہر ہونے کی وجہ سے اسے اس کی قدامت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔[6]

وضاحت:

پرنالہ کسی کے گھر کی طرف نصب ہو اور دونوں میں اختلاف ہو اتو پانی جاری کرنے کا حق اس کو حاصل ہوگا کہ نہیں۔ دو صورتیں ہیں:

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۴

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۹۴

(3) نفس مصدر، ۴:۱۰۴

(4) المبسوط للسرخی، ۱:۹۴

(5) المحیط البرهانی، ۹:۱۳۸

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۴

ایک یہ کہ: پہلے سے پانی جاری نہیں ہے تو پانی بہانے کا حق گواہوں کے بغیر حاصل نہیں ہو گا۔

دوسرا یہ کہ: پہلے سے پانی جاری ہے تو اس حالت میں غور کیا جائے گا، کہ پرنالہ قدیم ہو اور چھت کا رخ بھی مدّعیٰ علیہ کے گھر کی طرف ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ چھت کا جھکاؤ بھی قدیم ہے اگر ایسا ہو تو اس کو پانی بہانے کا حق دیا جائے گا۔

پانی بہنے کی حالت میں اختلاف واقع ہو جائے تو بعض کے نزدیک پرنالے والے کو بہانے کا حق حاصل ہو گا اور بعض کے نزدیک اس کو بہانے کا حق حاصل نہیں۔

اگر پانی بہانے کے حق پر گواہ قائم کرے اور اس کو استحقاق حاصل ہو جائے تو وہ جس مقصد کے لئے اس پرنالے کے بنانے واضح کرے وہ اس پرنالے سے اس پانی کو بہا سکتا ہے۔ تفصیل بیان نہ کرنے کی صورت میں گھر کے مالک کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔

یہ وضاحت اس وقت ہے جب مدّعی کے پاس اپنے اس دعویٰ گواہ موجود ہو، اگر اس کے پاس گواہ نہ ہو تو مالک مکان سے قسم لی جائے گی، انکار کی صورت میں مدّعی کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

اسی حکم پر یہ صورتیں بھی ہیں:

۱۔ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں کی نہر میں مجھے پانی بہانے کا حق ہے۔

۲۔ فلاں کی چھت پر مجھے پانی بہانے کا حق ہے۔

۳۔ فلاں کے گھر میں میرا راستہ ہے۔

ان سب صورتوں میں اگر یہ چیزیں جاری وساری ہوگی یا ان پر مدّعی کا ظاہری قبضہ ہو گا تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا ورنہ اس کو گواہ پیش پر مکلف کیا جائے گا۔[2]

دفعہ ۴: مشترک چیز سے ہر حصہ دار بقدر ضرورت انتفاع لے سکتا ہے۔[3]

وضاحت:

جب کوئی نہر ایک قوم کے درمیان مشترک ہو اور وہ شرب (پانی کے حصہ) کے متعلق آپس میں لڑنے لگیں تو ان کے درمیان ان کی زمینوں کے حساب سے شرب کا فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ شرب کا مقصد زمین کو سیراب کرانا ہے، لہٰذا جس کی زمین میں جتنا پانی لگے گا اسی کے مطابق اس کے حق میں شرب کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر راستے کی مقدار میں جھگڑا ہو تو کچھ لوگ کم اور تنگ راستے کا مطالبہ کریں گے اور کچھ لوگ زیادہ راستے کا مطالبہ کریں گے اور وہاں گھر اور زمینوں میں راستہ بنانا ہو تو اس مقصد کے حصول کے لئے تنگ اور کشادہ گھروں والے سب شریک ہوں گے۔

اس لئے اتفاق رائے سے لوگ جو راستہ نامزد کر دیں تو بہتر یہ ہے کہ اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔[4]

دفعہ ۵: مشترک چیز میں ایسا تصرف کرنا جائز نہیں جس کی وجہ سے دوسرے شرکاء کا حق باطل ہو جائے۔[5]

---

(1) قرةعين الأخيار، ۱۸۷:۸

(2) بداية المبتدي، ۲۲۶:۱

(3) نفس مصدر، ۱۰۵:۴

(4) فتح القدير، ۸۵:۱۰

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۱۰۵:۴

وضاحت:

نہر کے شرکاء اور حصے داروں میں جو سب سے اوپر ہوں اگر وہ نہر میں بند لگا کر اپنے حصے کو سیر اب کرنا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا یعنی اسے اس بات کا حق نہیں ہو گا، کیونکہ ایسا کرنے سے دیگر شرکاء کے حق کو باطل کرنا ہے اس لئے اسے چاہئے کہ بغیر بند لگائے اپنے حصہ کو سیر اب کرے۔

اگر سارے شرکاء اس بات پر راضی ہو جائیں کہ اوپر والا بند لگا کر اپنا حصہ سیر اب کرے یا وہ سب اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ہر شریک اپنی باری میں بند لگا کر اپنے اپنے حصے کو سیر اب کرے تو اس صورت میں یہ فعل جائز اور درست ہو گا۔

اس لئے کہ بند نہ لگانا شرکاء کی حق کی وجہ سے تھا اور جب انہوں نے خود اپنا حق ساقط کر دیا تو اس میں اباحت اور جواز لوٹ کر آئے گا کیونکہ اصل تو چیزوں میں اباحت ہے۔[1]

تقابل:

لینڈ ریوینو ایکٹ کے مطابق اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے حصہ میں تصرف کر سکتا ہے۔[2]

دفعہ ٦: مقر کا اقرار اس پر لازم ہو جاتا ہے غیر پر اس کے اقرار کوئی چیز لازم نہیں ہو جاتی۔[3]

وضاحت:

ایک گھر میں چند وارث شریک ہیں ان میں سے بعض وارثوں نے اقرار کیا کہ اس میں فلاں شخص کا راستہ یا پانی بہانے کا راستہ ہے تو وہ شخص نہ وہاں سے گزر سکتا ہے اور نہ پانی بہا سکتا ہے جب تک اس پر سب ورثاء متفق نہ ہوں۔

لیکن اگر اس گھر کو تقسیم کیا جائے پس تقسیم کے بعد وہ راستہ اور پانی بہانے کا راستہ اس اقرار کنندہ کے حصہ میں پڑا تو اقرار کرنے والے کو حکم کیا جائے گا کہ اس کو مقرلہ کے حوالہ کریں۔ اگر وہ غیر اقرار کنندہ کے حصہ میں پڑا تو مقرلہ اقرار کرنے والے کے حصہ میں راستے اور پانی بہانے کی قیمت کا شریک ہو گا اور مقر کو اپنے حصہ میں اس کی قیمت کے سوا ملے گا اس طرح وہ حصہ ان دونوں میں شریک ہو گا، کیونکہ مقر نے اس شخص کے لئے گزرنے اور پانی بہانے کے حق کا اقرار کیا ہے، راستے اور پانی بہانے کے رقبہ کا اقرار نہیں کیا ہے۔

اقرار رقبہ کی صورت میں مقرلہ کو ذراع کے بقدر شریک ہو گی اور مقر کو اپنے حصہ کے حساب سے گز ناپ کے ملیں گے اس راستہ کے گزوں کے علاوہ کہ وہ اس قدر نکالا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ حکم واجب ہے اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق مقرلہ کو آدھے راستے اور پانی بہانے میں شریک ہوں گے اور مقر کو اپنے حصے کی تمام قیمت کی شرکت ہو گی اس راستے اور پانی بہانے کی آدھے قیمت کے جو اس نے دوسرے کے لئے اقرار کیا ہو۔[4]

باب ١٢: دین کے دعویٰ کے بیان میں:

دفعہ ٧: قرضہ میعادی کا اثبات حالاً کیا جا سکتا ہے لیکن مطالبہ اس وقت نہیں کیا جا سکتا۔[5]

---

(1) الهداية، ٤:٣٩٠

(2) Land Revenue Act1967,Section;135.

(3) نفس مصدر، ٤:١٠٥

(4) المحيط البرهانی، ٩:١٤١

(5) فتاویٰ عالمگیری، ٤:١٠٦

وضاحت:

اگر عورت اپنے شوہر پر بقیہ مہر ثابت کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس کا اختیار حاصل ہے اگر چہ اس مہر کا مطالبہ وہ ابھی نہیں کر سکتی۔ یہ اس مسئلے کی طرح ہے کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرضہ میعادی ہو اگر اس نے دوسرے شخص پر ثابت کرنا چاہا تو اس کو ثابت کرنے کا اختیار ہے لیکن فی الحال اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ فی الحال کسی چیز کو ثابت کرنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اسی وقت اس کا مطالبہ بھی کیا جائے، جیسا کہ کسی میت کے وارث پر اسی مردے کے مال پر کوئی قرض کا دعویٰ کرے حالانکہ ابھی تک اس وارث کو اس میت کی وراثت میں کوئی چیز نہیں ملی ہو تو اس کا یہ دعویٰ کرنا صحیح ہے اگر چہ اس وقت وہ اس قرض کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔[1]

دفعہ ۸: دین متعارف میں ظاہر کو حکم بنایا جائے گا اور زیادتی پر قسم لے گا۔[2]

وضاحت:

ایک عورت نے شوہر کے ورثاء پر مہر مثل سے زائد کا دعویٰ کیا قاضی کے دریافت کرنے پر وارث تو نکاح کا اقرار کرتا ہے لیکن مہر مثل کی زیادتی سے انکار کرتا ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ: کہ قاضی کو پہلے اس عورت کے مہر مثل کے بارے میں علم ہو، تو قاضی یہ طریقہ اپنائے گا۔

کہ قاضی وارث سے پوچھے گا کہ اس قدر مہر مثل ہے یعنی مہر مثل کی مقدار سے زیادہ کا قول کرے مگر پہلے مرتبہ سے کم کر کے پوچھے پھر اگر اس نے کہا کہ نہیں تو اور کم کر کے دریافت کرے یہاں تک کہ نوبت مہر مثل تک پہنچے اور اگر اس نے مہر مثل سے کم پر بھی کہا کہ نہیں تو قاضی عورت کے لئے مہر مثل لازم کرے گا اور زیادتی پر قسم لے گا۔

دوسرا یہ کہ: قاضی کو اس عورت کے مہر مثل کے بارے میں معلوم نہ ہو تو قاضی اس عورت کا مہر مثل جاننے کے لئے امین مقرر کرے گا اور یا عورت سے اس دعویٰ پر گواہ طلب کرے گا۔[3]

دفعہ ۹: مدّعی کے دو باتوں میں سے ایک بات کا اقرار اور دوسرے کا انکار کریں تو جس کا اقرار کرے اس کو اس پر لازم کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک عورت نے ایک شخص کو قاضی کے مجلس میں حاضر کیا کہ میرے فلاں کے ذمے اس قدر مہر باقی تھا اور تو نے اس کی طرف سے اس مہر کی ضمانت کر لی تھی کہ اگر وہ مجھے تین طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کرلے تو، تو اس کا ضامن ہو گا اور اب مجھے اس نے تین طلاقیں دے دی ہیں، پس باقی مہر تجھ پر جدائی واقع ہونے کے بعد ضامن ہونے کی وجہ سے لازم ہے اور ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو مدّعیٰ علیہ نے ضامن ہونے کا اقرار کر لیا لیکن حرمت طلاق واقع ہونے سے انکار کیا کہ میں اس سے واقف نہ ہوں تو عورت نے وقوع طلاق پر گواہ پیش کئے تو عورت کے لئے مہر اس ضمانت لینے والے پر لازم ہو گا اور وقوع حرمت کے احکام غائب پر نافذ کرے گا۔[5]

---

(1) المحیط البرھانی، ۹:۱۴۶

(2) نفس مصدر، ۴:۱۰۶

(3) المحیط البرھانی، ۹:۳۹۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۶

(5) المحیط البرھانی، ۹:۴۴۰

دفعہ ۱۰: میت پر دعوی قرض کی صورت میں حاضر وارث اقرار کرے اور قاضی کا حکم بھی اس اقرار کے مطابق جاری ہوا ہو تو قرض کی ادائیگی اسی مقر کے حصہ میراث سے دیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا اور اس کے ورثاء میں سے صرف ایک وارث حاضر ہے اور باقی غائب ہے، اس حاضر وارث نے مدّعی کے ساتھ اس بات پر صلح کی کہ جو بھی فیصلہ ہو جائے وہ ہم دونوں کے درمیان ہو گا۔

مدّعی نے اپنے حق کے اثبات کے لئے میت پر گواہ قائم کئے اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ اس حاضر وارث پر لاگو ہو گا غائب ورثاء پر اس فیصلے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ وہ تو اس فیصلے پر راضی نہیں تھے۔ تمام قرض اسی کے حصہ میراث سے دلایا جائے گا۔

یہ حکم اسی وقت ہے کہ اس وارث کے اقرار کے ساتھ قاضی کا حکم بھی اس اقرار کے مطابق جاری ہوا ہو، محض وارث کے اقرار سے اس کے حصہ میں قرض لازم نہیں ہو گا۔[2]

دفعہ ۱۱: ترکہ پر قرض کا دعویٰ کیا جائے تو بعض ورثاء نے اقرار کیا اور بعض نے انکار، تو اس قرض کو ان ورثاء کے حصص سے ادا کیا جائے گا جنہوں نے مدّعی کی تصدیق کی۔[3]

وضاحت:

کسی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا اور بعض ورثاء نے اس کی تصدیق کی تو تصدیق کرنے والوں کے حصص میراث سے اس قرض کو ادا کیا جائے گا کیونکہ یہ خصم کی تصدیق کرتا ہے اور جس طرح کسی کے لئے اقرار کرنے سے وہ چیز لازم ہو جاتی ہے اسی طرح خصم کی تصدیق کرنے سے بھی وہ چیز تصدیق کرنے والے پر لازم ہو جاتا ہے۔[4]

دفعہ ۱۲: وارث میت کی طرف سے ضامن ہے ہر اس چیز میں جو کوئی میت پر اس کے لازم ہونے کا دعویٰ کرے یا وہ اشیاء جو میت کا کسی کے اوپر لازم ہو جائے۔[5]

وضاحت:

ایک وارث کو حاضر کر کے میت پر قرض کا دعویٰ کیا گیا اور گواہ پیش کئے تو یہ قرض سب کے حق میں ثابت ہو گا، کیونکہ یہ ایسا ہے گویا اس نے میت پر دعویٰ کیا ہو۔

اسی طرح اگر کسی وارث نے میت کا قرض کسی شخص پر ثابت کیا اور اس پر گواہ پیش کئے تو یہ سب کے حق میں ثبوت ہو گا، قاضی اس قرض کو لے کر مدّعی حاضر کا حصہ اس کو دیا جائے گا اور غائبین کا حصہ مدّعیٰ علیہ کے پاس چھوڑ دیا جائے گا۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کسی عادل کے پاس رکھا جائے گا۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۰۷

(2) المحيط البرهاني، ۸:۱۲۷

(3) نفس مصدر، ۴:۱۰۷

(4) مجمع الضمانات، ۱:۳۵۶

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۷

اس کی وجہ یہ ہے کہ وارث میت کی طرف سے ضامن ہے ہر اس چیز میں جو کوئی میت پر اس کے لازم ہونے کا دعویٰ کرے یا وہ اشیاء جو میت کا کسی کے اوپر لازم ہو جائے۔[1]

دفعہ ۱۳: مدّعی ودیعت کا قول معتبر ہو گا جب وارث اور قرض خواہ اس کی تصدیق کریں۔[2]

وضاحت:

وارث میت کے ترکہ کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ اس کے پاس فلاں آدمی کی مال دیعت ہے اور اس میت پر لوگوں کا قرض بھی ہے۔ وارث نے جس کے لئے ودیعت کا اقرار کیا تھا اس نے آکر اسی طرح دعویٰ کیا اب اگر قرض خواہ اس کی تصدیق کریں تو یہ مال مدّعی ودیعت کے لئے ہو گا۔

اسی صورت مسئلہ میں اگر قرض خواہوں نے تکذیب کی اور یا خاموش رہے یا وارث نے مدّعی ودیعت کے دعویٰ سے انکار کیا تو ان سب صورتوں میں مدّعی ودیعت کا قول معتبر نہیں ہو گا، اب اگر ودیعت کا دعویٰ کرنے والا وارث سے قسم لینا چاہے تو اس سے قسم طلب نہیں کیا جا سکتا، یہ حکم مضاربت، بضاعت، عاریت، اجارہ اور رہن میں ہے۔

یہ سب اس وقت ہے جب میت کے پاس کوئی مال عین ہو اور وارثوں نے کسی امر کا ان میں سے اقرار کیا ہو۔[3]

دفعہ ۱۴: میّت پر دعویٰ قرض کی صورت میں نابالغ ورثاء کی طرف سے وکیل مقرر کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

میت پر قرض کا دعویٰ کیا گیا اور اس کے ورثاء میں سے بالغ بھی تھے اور نابالغ بھی، لیکن بالغ غائب تھے اور نابالغ حاضر تھے تو اس صورت میں قاضی کو اختیار ہے کہ وہ نابالغ کی طرف ایک وکیل مقرر کرے اور اس پر کسی حق کا ثبوت سب پر ثبوت تصور کی جائے گی۔

اگر قرض خواہوں کو بالغ کے حصوں سے قرض وصول کرنا مشکل ہو تو نابالغ کے حصہ سے سب وصول کر لے گا اور بالغ ورثاء جب حاضر ہو جائیں تو نابالغ ان کی طرف سے اداشدہ حصہ کے بقدر حصہ وصول کریں گے۔[5]

دفعہ ۱۵: قضا علی المیت کے لئے گواہ قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے محض اقرار سے کام نہیں چل سکتا۔[6]

وضاحت:

تقسیم سے پہلے ترکہ میت ہی کی ملکیت میں رہتا ہے، یہی وجہ ہے اگر تقسیم سے پہلے ترکہ میں کچھ زیادتی ہو جائے تو اس میں میت کی وصیت نافذ ہو گی اور اس زیادتی سے اس کے قرض بھی ادا کئے جائیں گے تو جب تقسیم سے پہلے ترکہ میت کی ملکیت میں رہتا ہے تو تقسیم ترکہ گویا قضا علی المیت ہے اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے گواہوں کا ہونا مفید ہوتا ہے، کسی ایک وارث کی طرف سے اقرار کرنا سب کی طرف سے اقرار شمار ہو گا۔

اسی طرح اگر تمام وارثوں نے اقرار کیا اور مدّعی نے گواہ قائم کئے تو بھی گواہ مقبول ہوں گے، اس لئے کہ مقر اور مخاصم کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ جیسے کسی میت کا کوئی وارث یا اس کا وصی ہے دوسرے نے میت پر اپنے قرض کا دعویٰ کیا اور وارث یا وصی نے اقرار

---

(1) المحيط البرهاني، ۴:۱۰۷۔

(2) نفس مصدر، ۴:۱۰۷۔

(3) الأصل للشيباني، ۵:۵۲۳۔

(4) نفس مصدر، ۴:۱۰۷۔

(5) مجمع الضمانات، ۱:۴۱۳۔

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۰۸۔

کرلیا، پھر اگر دائن اسی وارث یا وصی سے قاضی کے ہاں گواہ قائم کرے تو اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔ تو اجتماع بینہ اور اقرار درست ہے۔

اس لئے کہ مدّعی کو اپنا قرض ثابت کرنے کی وارثوں اور غیر وارثوں کے حق میں ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کا کوئی دوسرا قرض خواہ نکل آتا ہے اور اس کا حق قرض زیادہ ظاہر ہوتا ہے اس مدّعی قرض کے مقابلہ میں جس کا وارثوں نے اقرار کیا تھا اس وجہ گواہ قائم کرنا لازمی ہو گیا۔[1]

دفعہ ۱۶: اقرار کرنے والے کا اقرار اس کے حق میں قبول کیا جائے گا اور دوسرے پر اس کے اقرار سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی قاضی کے مجلس میں حاضر ہوا اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں اس فلاں شخص کی طرف وکیل مقرر کیا گیا ہو تا کہ میں مدّعیٰ علیہ سے وہ قرض وصول کروں جو میرے مؤکل کی طرف سے اس پر لازم ہو چکا ہے اور وہ مال ودیعت حاصل کروں جو اس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے اور مدّعیٰ علیہ نے اس کی تصدیق کی تو مدّعیٰ علیہ کو قرض کا مال دے دینے کا حکم کیا جائے گا اور مال ودیعت دینے کا حکم نہ ہو گا، یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قرض اور ودیعت دونوں کے دینے کا حکم کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک دین اور عین میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔

جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں کے درمیان فرق موجود ہے اور یہ قول ظاہر الروایۃ ہے۔

فرق یہ ہے کہ کسی کے لئے قرض کا اقرار کرنا ایسا ہے کہ گویا مدّعیٰ علیہ اپنے مال میں اس کے حصے کا اقرار کرتا ہو اور یہ اقرار علیٰ نفسہ ہے تو یہ اقرار مقبول ہو گی۔

مال ودیعت میں کسی کے وکیل ہونے کا اقرار کرنا ایسا ہے کہ گویا وہ غیر کی ملکیت میں اس کے قبضہ کا ثبوت دیتا ہے اور یہ اقرار علی الغیر ہے اور اقرار علی الغیر معتبر نہیں۔ مدّعیٰ علیہ کی تکذیب کی صورت میں اگر وکیل اپنی وکالت پر گواہی پیش کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دین میں اس کی گواہی مقبول ہو گی اور مال میں نہیں، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دین اور مال دونوں صورتوں میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور امام محمدؒ سے یہاں کوئی قول نقل نہیں کی گئی ہے۔[3]

دفعہ ۱۷: قرض خواہوں کو نقصان کی صورت میں تقسیم ترکہ موقوف کیا جاسکتا ہے۔[4]

وضاحت:

قاضی کو باوثوق ذرائع سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ میت پر قرض خواہوں کا قرض ہے اور ورثاء مال متروکہ میں نقصان کر رہا ہے تو قاضی تقسیم ترکہ کو موقوف کر سکتا ہے۔

---

(1) العنایۃ شرح الھدایۃ،۹:۴۳۱

(2) نفس مصدر،۴:۱۰۸

(3) المحیط البرھانی،۸:۲۱۵

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۰۹

جیسے ایک آدمی کے مرنے کے بعد لوگوں نے آکر یہ دعویٰ کیا کہ فلاں آدمی مرگیا اور وہ ہمارے مقروض ہے لیکن اس کے مال پر ورثاء نے قبضہ کرلیاہے اور اس کو تقسیم کراناچاہتاہے اور قاضی سے یہ درخواست کی کہ تقسیم ترکہ موقوف کرے۔
اگر قاضی کو مدّعی صالح اور نیک معلوم ہوجائے اور یا وارث اس طرح تلف کرنے میں مشہور ہو تو قاضی اس ترکہ کو موقوف کرسکتاہے۔
اسی طرح اگر کسی میت کی طرف سے وصیت کرنے کا دعویٰ کیا اور اس میں یہ صورت پیدا ہوئی تو اس کو حل کرنے کا یہی طریقہ نکل سکتاہے۔[1]

دفعہ ۱۸: دعویٰ دین اور عین میں مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے تو صحیح قول کے مطابق مدّعیٰ علیہ سے قسم لیاجائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے قاضی کے پاس جاکر دعویٰ کیا کہ میرا باپ مرچکاہے اور اس نے میرے علاوہ کوئی وارث نہیں چھوڑاہے اور اس کا مدّعیٰ علیہ پر اتنا قرض ہے، تو قاضی مدّعیٰ علیہ سے پوچھے گا اگر اس نے عین اور دین دونوں صورتوں میں اس کا اقرار کیا تو اس کا یہ اقرار صحیح ہوگا اور اس کو حکم کیاجائے گا کہ یہ قرض اور مال اس کو حوالہ کرے۔ مدّعیٰ علیہ کے انکار کی صورت میں اگر مدّعی نے گواہ قائم کئے تو بھی اس کو سپرد کرنے کا حکم دیاجائے گا۔
اگر مدّعی کے پاس گواہ نہ ہو اور اس نے مدّعیٰ علیہ سے قسم لینی چاہی، تو ایک روایت کے مطابق قسم نہیں لی جائے گی اور دوسرے روایت کے مطابق اس سے قسم لی جائے گی اور یہ صحیح قول ہے۔[3]

دفعہ ۱۹: وارث اگر دین کا اقرار کرے اور ترکہ قرض میں ڈوباہوا ہو تو اس کا اقرار صحیح نہیں اور دوسرے قرض خواہ پر اس دین کا ثبوت نہ ہوگا۔[4]

وضاحت:

اگر ترکہ قرض میں ڈوباہوا ہو اور کسی دوسرے قرض خواہ نے آکر گواہوں سے اپنا قرض ثابت کیا تو اس کے گواہ وارث پر مقبول ہوں گے نہ کہ دوسرے قرض خواہ پر، لیکن وارث سے قسم نہیں لی جائے گی۔
کیونکہ وارث اگر دین کا اقرار کرے اور ترکہ قرض میں ڈوباہوا ہو تو اس کا اقرار صحیح نہیں اور نہ اس کی وجہ سے دوسرے پر کوئی حق لازم ہوتاہے۔
اسی طرح وارث کا اقرار اپنے حق میں صحیح ہے یا نہیں تو اس کا اقرار صحیح ہوناچاہئے تاکہ اگر میت کا کوئی اور مال ظاہر ہو تو اس وارث مقر کے حصہ سے یہ قرض وصول کیاجائے لیکن اس صورت میں قسم نہیں لی جائے گی۔[5]

دفعہ ۲۰: ورثاء ترکہ چھڑاناچاہے تو قرض خواہ کو دین قبول کرنے پر مجبور کیاجائے گا۔[6]

---

(1) قرۃعین الأخیار،۸:۴۰۰
(2) نفس مصدر،۴:۱۰۹
(3) الدرالمختار،۴:۴۹۱
(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۰۹
(5) المحیط البرهانی،۹:۱۴۸
(6) نفس مصدر،۴:۱۰۹

وضاحت:

اگر ترکہ قرض میں ڈوباہوا ہواور ورثاء ترکہ کو چھڑاناچاہے اور نقد مال دیتے ہو تو قرض خواہ کو اس کے لینے پر مجبور کیاجائے گا، کیونکہ جو ترکہ قرض میں ڈوباہوا ہو اگرچہ ورثاء کا اس میں کوئی ملکیت نہیں لیکن اس ترکہ چھڑانے کا حق حاصل ہے۔

اسی طرح اگر نقدمال نہ ہو اور ورثاء کہتے ہیں کہ ہم قرض ادا کریں گے تو قاضی اس ترکہ کو فروخت کرے گا اور قرض خواہوں کا حق ادا کرے گا۔[1]

دفعہ ۲۱: تین مواقع پر قاضی میت کے مال میں وصی مقرر کرے گا۔ جب میت پر قرض ہو، ورثاء چھوٹے ہو اور یا میت نے وصی بنانے کی وصیت کی ہو۔[2]

وضاحت:

تین صورتوں میں قاضی میت کے مال میں وصی مقرر کر سکتا ہے۔

ایک یہ کہ: میت پر مال قرض ہو۔ ایک آدمی ایک شہر میں مر گیا اور اس نے ترکہ ایک اجنبی کے ہاتھ میں چھوڑا اور اس کے وارث دوسرے شہر میں ہیں، کچھ لوگوں نے اس پر اپنے حقوق واموال کا دعویٰ کیا اگر ورثاء اس شہر سے منقطع ہو تو قاضی میت کی طرف سے ایک وصی مقرر کرے گا کہ اس کی موجودگی میں وہ لوگ اپنے حقوق ثابت کریں گے، اور اگر اس شہر سے انقطاع نہ ہو تو قاضی وصی کو مقرر نہیں کرے گا بلکہ مدّعیوں کے بیانات سن کر جو کچھ اس کے نزدیک ثابت ہوں گے تو وہ اس شہر کے قاضی کو لکھے گا جس میں وارث موجود ہیں تاکہ وہ فیصلہ کرے پھر وہ قاضی اس قاضی اول کو تحریر کرے گا تاکہ ترکہ سے قرض مدّعیوں کے حوالہ کر دیں۔

دوسرا یہ کہ: میت کے ورثاء نابالغ ہیں، ایسا کوئی نہیں ہے جو امور کے قیام اور چلانے کے لائق ہو تو قاضی اس کی طرف سے ایک وصی مقرر کرے گا کہ ان نابالغ ورثاء کے کاموں کی درستگی میں مدد کرے، پس اگر قرض خواہوں نے اس وصی کی موجودگی میں اپنے حقوق ثابت کئے اور یہ کہا کہ میت کے مال سے ہمارے حقوق ادا کئے جائیں تو قاضی کو چاہئے کہ ہر ایک سے قرض ادا کرنے سے پہلے قسم لے کہ واللہ! میں نے اس مال سے جو میرا فلاں کی طرف ثابت ہوا کچھ وصول نہیں کیا اور نہ مجھے اس کی طرف سے کسی نے ادا کیا اور نہ میرے حکم سے کسی نے وصول کیا اور نہ میں نے اس مال سے بری کیا اور نہ اس میں سے کچھ مال سے بری کیا اور نہ مجھے یہ مال یا اس میں سے کچھ کسی پر اُتر آیا اور نہ میں نے فلاں میت سے اس مال یا اس میں سے کچھ مال کے عوض کچھ رہن لیا اگرچہ وصی اس قسم کی درخواست نہ کرے پس جب وہ قسم کھائے تو اس کے قرض ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور اگر انکار کرے تو اس کو کچھ دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تیسرا یہ کہ: اگر کوئی مر گیا نہ کوئی وارث چھوڑا اور نہ کوئی وصی مقرر کیا اور اس پر کسی نے اموال وحقوق کا دعویٰ کیا تو قاضی اس کی طرف سے وصی مقرر کرے گا۔[3]

دفعہ ۲۲: دعویٰ قرض کی صورت میں قاضی وصی کو وصی برقرار رکھے گا اور دعویٰ عین کی صورت میں وصی برقرار رہے گا۔[4]

وضاحت:

وصی نے اگر ترکہ پر قرض کا دعویٰ کیا تو قاضی اس کو وصی برقرار رکھے گا اور اگر ترکہ میں عین مال کا دعویٰ کیا تو اس کو وصی برقرار نہیں رکھا جائے گا۔

---

(1) تبیین الحقائق، ۶:۲۱۴

(2) نفس مصدر، ۴:۱۰۹

(3) المحیط البرہانی، ۸:۲۶۶

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۱۰

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ وصی کو کہاجائے گا کہ ترکہ میں قرض کے دعویٰ قائم کرے اور یا دین سے برأت ظاہر کرے اور یا تجھ کو وصی برقرار نہیں رکھے گے، اگر وہ برأت ظاہر نہ کریں تو اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کیاجائے گا۔[1]

دفعہ ۲۳: میراث تقسیم کرنے کے بعد ترکہ میں قرض کے دعویٰ کرنے سے تقسیم میراث فسخ کیاجائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک شخص کاانتقال ہوا اور اس کے ورثاء نے تحقیق کئے بغیر مال میراث کو تقسیم کرلیا اب اس پر کسی کا قرض ظاہر ہوا تو دین خواہ پورے ترکہ کو محیط ہو یا بعض کو ہر صورت میں تقسیم فسخ کردی جائے گی۔ اس لئے کہ اگر دین محیط ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ورثاء کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کا حق ادائیگی دین سے مؤخر ہے۔ اور اگر دین غیر محیط ہے تو اس صورت میں ترکہ سے قرض خواہوں کا حق متعلق ہوگا اور ورثاء اور غرماء میں ہر ایک کے لئے اس میں تصرف دشوار ہوگا اس لئے اس صورت میں تقسیم بھی فسخ کیاجائے گا۔

البتہ اگر تقسیم کرنے کے بعد اتناحق بچتاہے کہ اس سے قرض ادا کردیاجائے تو اس صورت میں تقسیم فسخ نہیں کیاجائے گا۔[3]

باب ۱۳: وکالت، کفالت اور حوالہ کے دعویٰ کے بیان میں:

دفعہ ۲۴: مدعیٰ علیہ کی طرف سے کوئی شخص وکیل بن کر مدعی کے دعویٰ کا جواب دے لیکن مدعیٰ علیہ کی طرف سے اس کا وکیل مقرر کرنا ثابت نہیں تو اس کی وکالت درست نہیں ہوگی۔[4]

وضاحت:

ایک وکیل نے یہ دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے وکیل ہوتا کہ لوگوں پر اس کے حقوق اور قرضے ثابت کروں اور میرے مؤکل اس فلاں شخص پر اتنا قرض ہے اس لئے وہ اسے میرے حوالہ کردے لیکن مدعیٰ علیہ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔ تاہم مدعیٰ علیہ کی موجودگی میں ایک دوسرے وکیل بن کر اس کی طرف سے جواب دیا کہ میرے مؤکل کہتاہے کہ اس کا میرے ذمہ کوئی چیز بھی لازم نہیں، اور مدعی کے وکیل کی وکالت سے انکار کردیا لیکن اس وکیل نے اپنی وکالت گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا اور مدعیٰ علیہ نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اس شخص کا وکیل ہونا مدعیٰ علیہ کی طرف سے ثابت ہوا ہے تو علما کے نزدیک مدعیٰ علیہ کے وکیل کی وکالت درست نہیں ہوگی، اسی پر امام ظہیر الدین فتویٰ دیتے تھے۔[5]

تقابل:

اس ضمن میں وضعی قانون یہ ہے کہ وکیل کے لئے مختار نامہ جمع کرانا لازمی ہے۔[6]

دفعہ ۲۵: وکیل کی معزولی اس وقت ثابت ہوگی جب اپنے معزولی پر گواہ لائے۔[7]

---

(1) لسان الحکام،۱:۴۲۱

(2) نفس مصدر،۴:۱۱۰

(3) البنایة شرح الهدایة،۱۱:۴۶۰

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۱۰

(5) المحیط البرهانی،۹:۲۶۶

(6) Civil Procedure Code1908,P:476,Order:7,Rule:4

(7) نفس مصدر،۴:۱۱۱

وضاحت:

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں آدمی کی طرف سے فلاں مدیون سے قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا گیا ہو، مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ مجھے دائن نے بری کیا ہے یا میں نے قرض ادا کیا ہے، پھر وکیل نے کہا کہ مجھے مؤکل نے معزول کر دیا ہے تو اس کا معزول ہونا گواہوں کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کی جائے گی۔

اگر یوں کہا کہ میں وکیل نہیں ہوں اور خصم نے اس کی تصدیق کی تو صحیح نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس نے خصم سے صلح کر لی پھر کہا کہ میں وکیل نہیں ہوں اور جو دیا ہے اس کو پھیرنا چاہا اور خصم نے تصدیق کی تو اس کی سماعت نہیں ہو گی۔[1]

دفعہ ۲۶: لڑائی ختم کرنے کے لئے حاضر پر گواہ پیش کئے جائیں تو غائب کے حاضر ہونے کے بعد دوبارہ گواہ پیش کرنا ضروری نہیں۔[2]

وضاحت:

ایک شخص نے ایک آدمی کو اپنا قرض یا ودیعت وصول کرنے کے لئے وکیل کیا اور ودیعت رکھنے والے یا قرض دار نے اس کی تصدیق کی اس کے باوجود وکیل نے اپنی وکالت پر گواہ پیش کئے تو غائب کے حاضر ہونے کے بعد دوبارہ گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔[3]

قصاص میں امام ابو حنیفہؒ سے یہ قول منقول ہے کہ اس صورت میں دوبارہ گواہ پیش کرنا لازمی ہے جیسے حاضر پر گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا گیا کہ اس نے فلاں کا باپ قتل کیا ہے تو اس صورت میں غائب کے حاضر ہونے کے بعد دوبارہ پیش کرنا لازمی ہے۔[4]

دفعہ ۲۷: قاضی کا مشاہدہ سے علم اس علم سے اولیٰ ہے جو خبر کے ذریعہ ہو۔[5]

وضاحت:

ایک آدمی نے قاضی کی مجلس میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے فلاں آدمی کو وکیل خصومت مقرر کیا ہے اس صورت میں اگر قاضی مؤکل کو نام و نسب سے پہچانتا ہو تو اس کی وکالت قبول کی جائے گی اسی وکیل نے اگر مؤکل کے غائب ہو جانے کے بعد کسی شخص کو حاضر کر کے اس پر مؤکل کی حق کا دعویٰ کیا تو اس قول قبول کیا جائے گا۔ اگر قاضی مؤکل کو نام و نسب سے نہیں پہچانتا تو وکالت قبول نہیں کرے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں قاضی کا علم مشاہدہ کے درجہ میں ہے جب وہ مؤکل کو جانتا ہو اور دوسری صورت میں علم بالخبر کی طرح ہے اور علم بالمعاینۃ اولیٰ ہے علم بالخبر سے۔[6]

دفعہ ۲۸: دو آدمیوں نے قرض کے حصول کے لئے وکیل بننے پر گواہ قائم کئے اور مدّعیٰ علیہ نے وکالت اور قرض دونوں سے یا ان میں سے ایک سے انکار کیا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[7]

---

(1) المحیط البرهانی،۹:۲٦٦

(2) نفس مصدر،۴:۱۱۱

(3) البحرالرائق،۷:۲۰۰

(4) العنایة شرح الهدایة،۷:۳۴۹

(5) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۱۱

(6) المحیط البرهانی،۸:۴۴٦

(7) نفس مصدر،۴:۱۱۱

وضاحت:

ایک آدمی نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں فلاں دو آدمیوں کی طرف سے وکیل ہوا نہوں نے مجھے فلاں سے قرض کے وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا ہے اور مدّعیٰ علیہ قرض و وکالت دونوں کا یا ان میں صرف وکالت کا انکار کرتا ہے تو مدّعی نے وکالت اور قرض دونوں پر گواہ قائم کئے، امام محمدؒ کے نزدیک اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گواہی مقبول نہ ہوگی۔

جب اس نے وکالت اور قرض ثابت کیا تو جب تک دوسرا حاضر نہ ہو تب تک قرض وصول نہیں کر سکتا۔

لیکن اگر اس طرح کہے کہ فلاں نے مجھے اور فلاں دوسرے آدمی کو قرض کے حصول کے لئے وکیل مقرر کیا ہے اور جو کچھ ہم سے ہر ایک کرے اس کو جائز رکھا ہے تو اس وقت حاضر کی وکالت کا حکم دیا جائے گا اور غائب کے لئے نہیں دیا جائے گا۔

اسی طرح اگر وصی نے گواہ قائم کئے کہ فلاں شخص نے مجھے اور فلاں غائب کو وصی کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے اور غائب کے لئے وصی کا حکم کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف حاضر کے وصی کا حکم کیا جائے گا۔[1]

دفعہ:۲۹۔ا۔ کفیل پر اس وقت مال ثابت ہوگا جب اس کو اصیل پر ثابت کیا جائے گا۔

۲۔ کفیل اصیل سے رجوع کرے گا اگر اس کے حکم سے اصیل بن گیا ہو۔[2]

وضاحت:

کفالت کے لغوی معنی ہیں ملانا اور ضم کرنا۔ اور اصطلاح میں مطالبہ میں ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانا، جیسے کوئی چیز پہلے زید پر لازم ہو اور پھر کفالت کے ذریعے وہی چیز بکر کے ذمہ واجب ہو جائے اور اسی سے اس کا مطالبہ کیا جائے۔[3] اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کفیل پر اس وقت کوئی چیز لازم ہوگی جب اس کو پہلے اصیل پر ثابت کیا جائے۔

کفالت کی دو قسمیں ہیں: کفالت بالنفس اور کفالت بالمال۔ کفالت کی یہ دونوں قسمیں جائز ہیں۔

کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ کفیل ضامن ہوتا ہے۔[4]

صحت کفالت کے لئے مکفول عنہ کا کفیل کو حکم دینا ضروری نہیں بلکہ جس طرح مکفول عنہ کے حکم سے کفالت منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح مکفول عنہ کے حکم کے بغیر بھی کفالت منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ اس مذکورہ بالا حدیث مطلق ہے اس میں مکفول عنہ کے حکم دینے اور نہ دینے سے متعلق کوئی وضاحت نہیں ہے اس لئے مطلقاً کفالت جائز ہوگی۔

کفالت نام ہے اپنے اوپر مطالبہ لازم کرنے کا اور مطالبہ کا التزام ایک طرح کا تصرف ہے اور انسان اپنی ذات میں جو تصرف کرتا ہے اس میں اگر کسی کا نقصان نہ ہو تو وہ لازم ہو جاتا ہے۔

اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم کے بغیر اس کی کفالت قبول کی تو وہ اس مال کا مکفول عنہ سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس صورت میں وہ متبرع ہے اور متبرع جو کچھ کرتا ہے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت قبول کی تو پھر کفیل مکفول عنہ سے مطالبہ کر سکتا ہے۔[5]

---

(1) فتح القدير، ۴۳۳:۷

(2) نفس مصدر، ۱۱۲:۴

(3) الهداية، ۸۷:۳

(4) سنن ابن ماجه، باب الكفالة، ۸۰۴:۲، حدیث نمبر: ۲۴۰۵، البانی نے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔

(5) المحيط البرهاني، ۲٦٦:۹

دفعہ ۳۰: جو چیز گواہوں سے ثابت ہوتی ہے وہ مشاہدہ سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہوتی ہے۔(1)

وضاحت:

اگر کسی شخص مجہول مکفول بہ کی کفالت کی اور یوں کہا کہ تمہارا فلاں پر جو کچھ مال ہے میں اس کی کفالت قبول کر رہا ہوں، اس کے بعد گواہوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ مکفول لہ کا مکفول عنہ پر ایک ہزار روپیہ ہے تو اب کفیل پر مکفول لہ کے لئے ایک ہزار واجب ہو گا، کیونکہ جو چیز بینہ سے ثابت ہوتی ہے وہ مشاہدہ سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر کفیل اس بات کا مشاہدہ کر لیتا کہ مکفول لہ کا مکفول عنہ کے ذمہ ایک ہزار روپیہ ہے تو ظاہر ہے کفیل کو ایک ہزار دینا پڑے گا۔ لہٰذا جب بینہ سے ایک ہزار دین ثابت ہوا تو اس صورت میں کفیل مکفول لہ کو اتنی رقم دے گا۔

اگر گواہوں سے کسی رقم کا ثبوت نہ ہو تو اس میں کفیل کا قول معتبر ہو گا وہ جو مقدار بیان کرے وہ راجح ہو گا اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اقرار کرتا ہے تو اس کا قول معتبر نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں کفیل زیادتی کا منکر ہے اور مکفول عنہ مدّعی زیادت ہے اور قاعدہ ہے کہ مدّعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا، تو اس صورت میں کفیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔ مکفول عنہ جس زیادتی کا اقرار کرتا ہے تو وہ کفیل کے حق میں معتبر نہیں ہو گا کیونکہ یہ اقرار علی الغیر ہے اور اس کو کفیل پر کوئی ولایت حاصل نہیں۔

البتہ یہ زیادتی مکفول عنہ کے حق میں معتبر ہو گی کیونکہ اسے اپنے نفس پر ولایت کا حق حاصل ہے اور مکفول لہ کو مکفول عنہ سے اس کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔(2)

دفعہ ۳۱: ان اعیان کا کفالہ درست نہیں ہے جو مضمون بغیرہ ہوتی ہے جیسے مبیع اور مرہونہ، اور نہ ہی ان اعیان کا کفالہ درست ہے جو امانت ہوتی ہیں۔(3)

وضاحت:

بائع کی طرف سے کوئی شخص مبیع کا کفیل ہوا تو صحیح نہیں، کیونکہ مبیع ایک عین ہے جو ثمن کے بدلے مضمون ہوتی ہے اور اعیان مضمونہ کا کفالہ درست نہیں اس لئے مبیع کا کفالہ درست نہیں۔ احنافؒ کے نزدیک ان اعیان کا کفالہ درست اور جائز ہے جو بذات خود مضمون ہوں جیسے بیع فاسد کی صورت میں مشتری جس مبیع پر قبضہ کرتا ہے وہ مضمون بنفسہ ہوتا ہے۔ اس طرح جس پر خریدنے کی نیت سے قبضہ کیا گیا ہو وہ بھی مضمون بنفسہ ہوتا ہے اور غاصب کے قبضہ میں شے مغصوب بھی مضمون بنفسہ ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اس سب میں کفالہ درست نہیں کیونکہ ان کے نزدیک کفالہ کا محل دیون اور قرضے ہیں نہ کہ اعیان، لہٰذا جب اعیان کفالہ کا محل نہیں تو ان کا کفالہ کس طرح درست ہو گا۔(4)

احنافؒ کے نزدیک ان اعیان کا کفالہ درست نہیں جو مضمون لغیرہ ہو اور نہ ہی ان اعیان کا کفالہ درست ہیں جو امانت سے متعلق ہوتی ہیں۔ مضمون لغیرہ کی مثال مبیع اور مرہونہ ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک غیر کے بدلے مضمون ہوتی ہیں مبیع ثمن کے عوض اور مرہونہ دین کے بدلے میں۔

---

(1) نفس مصدر، ۴: ۱۱۲

(2) فتح القدير، ۷: ۱۸۶

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۱۲

(4) البحرالرائق، ۶: ۲۵۰

امانت سے متعلق اعیان میں ودیعت کا مال، اجرت پر لیا ہو امال، عاریت پر لیا ہو امال، اور مضاربت وشرکت کا مال، ان سب چیزوں میں امین پر ضمانت نہیں اگر وہ اس کے تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو جب اصیل پر ضمان نہیں تو کفیل پر کس طرح ضمان واجب ہو سکتا ہے۔[1]

دفعہ ۳۲: دعویٰ کفالت اجازت کو متضمن ہوتا ہے جس طرح دعویٰ بیع شراء کو متضمن ہوتا ہے۔[2]

وضاحت:

دعویٰ کفالت میں ضرور یہ کہنا چاہیئے کہ مجلس کفالت میں، میں نے اس کو اجازت دی تھی اور اسی پر امام ظہیر الدین فتویٰ دیتے تھے۔
جب کوئی دوسرے پر بیع کا دعویٰ کرتے وقت کہے کہ تو نے مجھ سے یہ چیز خریدی ہے تو یہ اس بات کی طرف "کہ میں نے خریدا ہے" محتاج نہیں ہے۔
اسی طرح کفیل ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو کفیل بننے کی اجازت دی گئی ہے۔[3]

دفعہ ۳۳: کفیل غائب کی طرف سے کفالت کا اقرار اور قرض کا انکار کرتا ہے، مدّعی نے قرض کو گواہوں کے ذریعے ثابت کیا تو حاضر اور غائب دونوں پر دین لازم ہو گی۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے کو حاضر کر کے اس پر یہ دعویٰ کیا کہ یہ فلاں غائب کی طرف سے کفیل ہے اور میرے اس کے ذمہ ہزار درہم واجب ہے اور کفیل کفالت کا اقرار تو کرتا ہے لیکن دین سے منکر ہے۔ مدّعی نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ اس کے فلاں غائب پر ہزار درہم واجب ہے تو غائب اور حاضر دونوں پر اس کا حق لازم ہو گا، غائب کے حاضر ہونے دوبارہ گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔[5]

دفعہ ۳۴: ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہو تو ہر ایک آدھے میں کفیل اور آدھے میں اصیل ہو گا۔ اس لئے اصالت اور کفالت میں کوئی منافات نہیں۔[6]

وضاحت:

اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی طرف سے کفیل ہو تو ان میں سے ہر ایک نصف میں اصیل اور نصف میں کفیل ہو گا اور اس نصف میں جو ایک پر بحق اصالت ہے اور اس نصف میں جو اس پر بحق کفالت ہے کوئی معارضہ نہیں ہے۔
کیونکہ پہلا نصف دین ہے اور دوسرا مطالبہ ہے پھر دوسرا پہلے کے تابع ہے اس لئے جو رقم ادا کرے گا تو اس کو ساتھی سے لینے کا کوئی حق نہیں۔
ہاں اگر کسی ساتھی کی طرف سے ادا کردہ رقم آدھے سے زیادہ ہو جائے تو زیادہ ادا کرنے والے کو اپنے ساتھی سے زائد رقم کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

---

(1) اللباب فی شرح الکتاب، ۱۵۸:۲
(2) نفس مصدر، ۱۱۲:۴
(3) المحیط البرہانی، ۲۶۶:۹
(4) فتاویٰ عالمگیری، ۱۱۲:۴
(5) تبیین الحقائق، ۱۹۲:۴
(6) نفس مصدر، ۱۱۲:۴

اصالت اور کفالت میں کوئی منافات نہیں، کیونکہ جو دراہم اصالت کی وجہ سے واجب ہیں وہ اقویٰ ہے اس لئے کہ وہ دین ہے اور ان کے مقابلے میں جو دراہم کفالت کی وجہ سے واجب ہیں وہ اضعف ہیں، اس لئے کہ کفالہ کی وجہ سے ان دراہم میں صرف مطالبہ واجب ہے، تو اقویٰ اور اضعف میں کوئی منافات نہیں ہو سکتا۔

یا یہ کہ جو دراہم اصالت کی وجہ سے واجب ہیں وہ متبوع ہے اور جو کفالت کی وجہ سے لازم ہیں وہ تابع ہے اور متبوع اور تابع میں کوئی منافات نہیں ہوتا۔[1]

---

(1) بدائع الصنائع،۶:۱۵

فصل سوم

حصۂ دعویٰ کے باب ۱۴ سے ۱۷ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۱۴: دعویٰ نسب کے بیان میں:

دفعہ ۱: ثبوت نسب کے تین مراتب ہیں۔[1]

وضاحت:

ثبوت نسب کے تین مراتب ہیں:

۱۔ نکاح صحیح کے ساتھ: نکاح صحیح اور نکاح فاسد کی صورت میں نسب دعویٰ کے بغیر ثابت ہو گا۔

۲۔ ام ولدہ کے بچہ کا نسب دعویٰ کے بغیر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ مولیٰ کو اس سے وطی کرنا حلال ہو۔

۳۔ باندی کا بچہ ہو تو اس کا نسب مالک کے دعویٰ کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ خواہ بچے کی پیدائش کے بعد دعویٰ کرے یا اس وقت دعویٰ کرے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہو۔[2]

دفعہ ۲: صرف انکار کرنے سے نسب منتفی نہیں ہوتا جب تک لعان واقع نہ ہو۔[3]

وضاحت:

نکاح صحیح اور نکاح فاسد[4] کی صورت میں دعویٰ کے بغیر نسب ثابت ہوتا ہے، صرف نسب کے انکار سے نسب منتفی نہیں ہو گا جب تک میاں بیوی کے درمیان لعان واقع نہ ہو، لعان کے بغیر نسب کو منتفی نہیں کیا جا سکتا۔[5]

دفعہ ۳: نسب سے انکار تب صحیح ہو گا جب اس نے پہلے اقرار نہ کیا ہو یا اس سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہو چکا ہو جو اقرار پر دلالت کرتا ہے۔[6]

وضاحت:

نسب سے انکار تب کر سکتا ہے جب اس نے صریح طور پر نسب کا اقرار نہیں کیا ہو اور یا اس سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہو چکا ہو جو اقرار شمار ہوتی ہے، جیسے مبارکبادی قبول کرنا، بچے کے لئے ضرورت کی چیزیں خریدنا، بچے کی ولادت کی آگاہی کا طویل عرصہ گزر جائے، انکار نسب سے مستغنی ہو جائے۔ ان سب صورتوں اگر نسب سے انکار کرے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔[7]

دفعہ ۴: مدت طویلہ کا دار و مدار عرف پر ہے۔[8]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۱۳

(2) الدرالمختار، ۳:۵۴۹

(3) نفس مصدر، ۴:۱۱۳

(4) نکاح فاسد کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ محرمات ابدیہ میں سے ہو۔ ۲۔ محرمات وقتیہ میں سے ہو۔ ۳۔ نکاح گواہوں کے بغیر ہو۔

۴۔ جب عقد صغیر، مجنون، غلام کی طرف سے ہو۔ ۵۔ نکاح اکراہ کی صورت میں بعض کے نزدیک جائز نہیں، احنافؒ کے نزدیک جائز ہیں۔

۶۔ نکاح مؤقت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہے۔ ۷۔ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو تو امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔[النتف فی الفتاویٰ للسغدی، ۱:۲۶۷]

(5) المحیط البرہانی، ۳:۱۲۴

(6) نفس مصدر، ۴:۱۱۳

(7) المحیط البرہانی، ۹:۲۶۸

(8) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۱۳

وضاحت:

بچے کی پیدائش کے بعد طویل مدت گزر جائے اور اس کو ولادت سے آگاہی حاصل ہو تو طول مدت کا پہچاننا عرف پر موقوف ہے، یعنی اس قدر زمانہ گزر گیا کہ اتنے میں نسب کرنے والے نسب سے انکار کرتے ہیں لیکن اس نے انکار نہیں کیا تو اتنے زمانہ کے گزرنے کے بعد اس کا قول معتبر نہیں ہو گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے مدت طویلہ کا مقدار چالیس دن بیان کی ہے چالیس دن گزرنے کے بعد اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔(1)

دفعہ ۵: نسب فراش سے ثابت ہوتا ہے اور موت ولد سے قرار پاتا ہے اس لئے موت کے بعد نسب سے انکار کرنا درست نہیں ہو گا۔(2)

وضاحت:

ایک شخص نے اپنی عورت کے لڑکے کے نسب سے انکار کیا حالانکہ وہ مر چکا ہے یا زندہ تھا مگر لعان سے پہلے مر گیا تو وہ بچہ اسی کا ہو گا اس کے نسب سے انکار نہیں کر سکتا اور قتل کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نسب فراش کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا تقرر موت کی وجہ سے ہوتا ہے موت ولد کے بعد اس کے نسب سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔(3)

دفعہ ۶: اس مولیٰ سے نسب ولد دعویٰ کے بغیر ثابت ہو گا جس کے لئے باندی سے وطی کرنا جائز ہوں۔(4)

وضاحت:

ام ولد کے بچے کا نسب مولیٰ سے دعویٰ کے بغیر ثابت ہو گا لیکن اس شرط پر جب مولیٰ کے لئے اس باندی سے وطی کرنا جائز ہو، اگر اس باندی کے بچے کے نسب کا دعویٰ ہو جس کے ساتھ مولیٰ کے لئے وطی کرنا جائز نہیں جیسے مکاتبہ تو اس صورت میں نسب دعویٰ کے بغیر ثابت نہیں ہو گا۔(5)

دفعہ نمبر ۷: بچہ کی مبارکبادی دینے کے بعد خاموش رہنا ثبوت نسب کا اقرار ہے۔(6)

وضاحت:

کسی نے ایک آدمی کو بچہ کی پیدائش مبارکباد دی اس نے خاموشی اختیار کی تو اس کا خاموش رہنا نسب کے ثبوت کا اقرار کرنا ہے اس لئے کہ بیان کی جگہ میں سکوت اختیار کرنا اقرار کے مرتبہ میں ہے۔(7)

دفعہ ۸: بچے کا نسب اس وقت ثابت ہو گا کہ جب وہ نکاح یہ ملک یمنی کے چھ مہینے گزرنے کے بعد پیدا ہو جائے۔(8)

وضاحت:

اقل مدت حمل چھ مہینے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حمل اور رضاعت کی مدت دونوں کی مدت ایک ساتھ بیان کی ہے،

---

(1) المحيط البرهانی،۹:۲۶۹

(2) نفس مصدر،۴:۱۱۳

(3) المبسوط للسرخسی،۱۷:۱۵۷

(4) نفس مصدر،۴:۱۱۳

(5) المبسوط للسرخسی،۷:۲۳۷

(6) نفس مصدر،۴:۱۱۳

(7) بدائع الصنائع،۳:۲۴۷

(8) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۱۳

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مدت حمل اور رضاعت تیس مہینے ہیں۔[1]
اس کے بعد دودھ چھڑانے کے لے چوبیس مہینے متعین کئے توکم از کم مدت حمل چھ مہینے متعین ہو گئے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہیں۔[2]
اگر بچہ چھ مہینوں سے کم میں پیدا ہو جائے تو اس کا نسب اسی سے ثابت نہ ہو گا اور چھ مہینوں سے زیادہ مدت میں پیدا ہو جائے تو باندی کے بچے کا نسب مالک سے ثابت ہو جائے گا اور نکاح کی صورت میں شوہر سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔[3]

تقابل:

Birth during marriage conclusive proof of legitimacy.[4]

شادی کی صورت میں بچہ کی پیدائش میں شرعی ثبوت کافی ہو گا۔ جو بچہ شادی کے چھ مہینے بعد پیدا ہو جائے اور یا دو سال سے پہلے، تو اس بچہ کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو جائے گا۔

دفعہ ۹: دعویٰ نسب کی تین قسمیں ہیں۔[5]

وضاحت:

دعویٰ نسب کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ دعویٰ استیلاد: اس کا مطلب یہ ہے کہ مدّعی کا علوق مدّعی کی ملک میں ہو، یہ دعویٰ وقت علوق کی طرف مستند اور وطی کے اقرار کو متضمن ہو تا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایسے بچے کی نسب کا دعویٰ کرے کہ اس کا اصل نطفہ قرار پانا معلوم ہو کہ اس کی ملک میں واقع ہوا ہے تو وقت علوق نطفہ کی طرف منسوب ہو گا اور جو عقود درمیان میں آئے ان کو فسخ کیا جائے گا لیکن اس شرط پر کہ وہ محل فسخ ہوں۔

۲۔ دعویٰ تحریر: یہ اس کو کہتے ہیں کہ مدّعی کا علوق غیر ملک مدّعی میں ہو تو یہ دعویٰ اقرار وطی کو متضمن نہیں ہو تا کیونکہ بوقت علوق ملک نہ ہونے کی وجہ سے استیلاد متصور نہیں ہو گا اور نہ جاری شدہ عقود کو فسخ کیا جائے گا۔ اور اس کا نفاذ ملک غیر میں نہیں ہو تا۔

۳۔ دعویٰ شبہ: کہ باپ اپنے بیٹے کی باندی کے بچہ کا دعویٰ کرے، اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وقت علوق سے وقت دعویٰ تک باندی اور اس کے ولد میں بیٹے کی ملک قائم رہے۔[6]

دفعہ ۱۰: تینوں قسم کے دعاوی کے جمع ہونے کی صورت میں دعویٰ استیلاد اولیٰ ہو گا۔[7]

وضاحت:

اگر یہ دعاوی آپس میں جمع ہو جائیں تو ان میں کونسا دعویٰ راجح ہو گا۔
دعویٰ استیلاد اولیٰ ہے دعویٰ تحریر سے اور دعویٰ تحریر اولیٰ ہے دعویٰ شبہ سے، اور دعویٰ نکاح سب سے اولیٰ ہے خواہ نکاح صحیح

---

(1) سورۃ الأحقاف، ۴۶:۱۵
(2) سورۃ لقمان، ۳۱:۱۴
(3) المحیط البرھانی، ۹:۲۶۹
(4) The Qanun-e-Shahadat1984,P:193,Chapter:9,Article:128
(5) نفس مصدر، ۴:۱۱۴
(6) المحیط البرھانی، ۹:۲۷۳
(7) نفس مصدر، ۴:۱۱۵

ہو یا فاسد۔[1]

دفعہ ۱۱: کسی کی ملکیت میں علوق کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسا کہ کوئی غیر کے حق کو گواہوں سے باطل کرے۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے باندی فروخت کی اس نے بیع کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا یا دو سال سے زیادہ میں بچہ جنا اور یا ان دونوں مدتوں کے درمیان بچہ جنا۔

اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ بائع بچہ کا دعویٰ کرے۔

۲۔ مشتری اس بچہ کا دعویٰ کرے۔

۳۔ بائع اور مشتری دونوں اس بچہ کا ایک ساتھ دعویٰ کرے۔

۴۔ دونوں دعویٰ کرے لیکن ایک پہلے اور دوسرا بعد میں کرے۔

اگر بچہ بیع کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا اور بائع نے اس پر دعویٰ کیا تو وہ بچہ بائع کا ہو گا اور یہ عورت اس کی ام ولدہ ہو گی، یہ احنافؒ کی رائے ہیں۔ امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ بائع کا باندی کو فروخت کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اس کی باندی ہے ام ولد نہیں، تو اقرار اور اس دعویٰ میں تناقض کی وجہ سے اس کا قول رد کیا جائے گا۔

احنافؒ کی دلیل استحسان ہے، وجہ یہ ہے کہ حمل کا ٹھہرنا ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے تناقض کو نظر انداز کیا جائے گا اور بائع کی ملکیت میں حمل کا ٹھہرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ بائع کا ہے، کیونکہ ولادت چھ ماہ سے کم میں ہوا ہے، بائع کا دعویٰ صحیح ہونے کی وجہ سے بچہ اصل علوق کی طرف منسوب ہو گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے ام ولد کی بیع کی ہے اور چونکہ اس کی بیع درست نہیں ہوتا اس لئے بیع کو فسخ کرکے ثمن واپس کیا جائے گا۔[3]

اگر مشتری بچے کے نسب کا دعویٰ کرے تو اس کے دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا خواہ بائع کے دعویٰ کے ساتھ کیا ہو یا اس کے بعد، کیونکہ بائع کا دعویٰ پہلے ہے،، جیسے اگر مشتری کے دعویٰ سے پہلے ہو تو بات ظاہر ہے اور اگر اس کا دعویٰ مشتری کے دعویٰ کے بعد ہو تو اس کا دعویٰ اس لئے اولیٰ ہو گا کہ اس کی نسبت علوق کی طرف کی جاتی ہے تو یہ دعویٰ استیلاد ہوا اور مشتری کا دعویٰ، دعویٰ تحریر ہے۔

اسی طرح اگر بچہ بیع کے وقت سے دو برس سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا یا چھ ماہ سے زیادہ اور دو برس سے کم میں پیدا ہوا تو دونوں صورتوں میں بائع کا دعویٰ رد کیا جائے گا مگر یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کرے۔

پہلی صورت میں بائع کا دعویٰ مشتری کے تصدیق کے بغیر اس لئے رد کیا جائے گا کہ اس کی ملکیت کے ساتھ علوق کا اتصال یقینی طور پر نہیں پایا گیا، مشتری کی تصدیق سے بچہ کا نسب ثابت ہو گا لیکن اس کو نکاح پر محمول کیا جائے گا اور بیع باطل نہ ہو گی۔

دوسری صورت میں یہ احتمال ہے کہ شاید بائع کی ملکیت میں علوق نہ ہوا ہو تو مشتری کی تصدیق سے نسب ثابت ہو جائے گا اور بیع باطل ہو گی اور بچہ آزاد ہو گا اور اس کی ماں ام ولد ہو گی۔[4]

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۲۶۹

(2) نفس مصدر، ۴:۱۱۵

(3) العنایة شرح الهدایة، ۸:۲۹۲

(4) المحیط البرہانی، ۹:۲۹۴

دفعہ ۱۲: دعویٰ استیلاد میں بچہ اصل ہے اور ماں اس کی تابع ہے۔[1]

وضاحت:

ایک شخص کی ملکیت میں ایک باندی حاملہ ہوئی اس نے اس کو فروخت کی، باندی مشتری کے ہاں چھ مہینوں سے کم میں بچہ جنا، بائع نے اس کا دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے حالانکہ مشتری اس کی ماں کو آزاد کر چکا ہے تو دعویٰ صحیح ہو کر بچہ کا نسب بائع سے ثابت ہو گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بائع کل ثمن میں سے اس کا حصہ واپس کرے گا، اور اگر مشتری نے بچہ کو آزاد کیا ماں کو آزاد نہیں کیا تو بائع کا دعویٰ باطل ہو گا۔ صاحبینؒ کے نزدیک بچہ کا حصہ ثمن واپس کرے گا۔

وجہ یہ ہے کہ دعویٰ استیلاد میں بچہ اصل ہے اور ماں اس کی تابع ہے، پہلی صورت میں آزادی ماں میں پائی گئی جو تابع ہے تو یہ اصل میں مؤثر نہ ہو گی، یعنی بچہ میں نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے کہ تابع میں حکم میں ممتنع ہونا اصل میں حکم کے ممتنع ہونے کو واجب نہیں کرتا۔

دوسری صورت (بچہ کی آزادی) میں امر مانع بچہ میں پایا گیا جو اصل ہے تو اصل میں نسب کا ثابت ہونا ممتنع ہے اور جب اصل میں ممتنع ہوا تو تابع یعنی ماں میں ممتنع ہو گا۔[2]

دفعہ ۱۳: ثبوت نسب کے بعد اگر کوئی اس بچہ کو نقصان پہنچائے تو مجرم پر آزاد کی دیت لازم ہو گی۔[3]

وضاحت:

حاملہ باندی فروخت کر دی گئی اور ثمن وصول کیا اس کے بعد اس نے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ جنا، پس بائع نے بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا اور مشتری نے اس کی تکذیب کی تو بائع کا قول راجح ہو گا۔

اس کے بعد کسی نے اس کو قتل کیا یا اس کو نقصان پہنچایا تو مجرم پر اس صورت میں وہی دیت لازم ہو گی جو آزادوں پر جرم کرنے سے آتی ہے اور بچہ کی ماں پر جرم کی صورت میں مجرم پر وہی حکم ہو گا جو ام ولد عورتوں پر جرم کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اگر بچہ نے خود جرم کیا تو اس کا جرم آزادوں کی طرح جرم قرار دیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۱۴: صحت دعویٰ کے لئے مدّعی کی ملکیت میں اتصال علوق کا حقیقتاً یا حکماً ہونا ضروری ہے۔[5]

وضاحت:

باندی نے مشتری کے پاس چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا پھر گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ بائع نے اس بچہ کے نسب کا پیدائش کے وقت دعویٰ کیا ہے اور بائع اس کا انکار کرتا ہے۔ اس صورت میں اگر مشتری مدّعی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہو گی اسی طرح اگر بچہ مؤنث ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

اگر بچہ مذکر ہو تو اس صورت میں بھی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی یہی رائے ہیں، جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہی مقبول نہ ہو گی، بچہ کے حق میں اس لئے درست نہیں کہ غلام کی آزادی دعویٰ کے بغیر صرف گواہوں سے ثابت نہ ہو گی اور باندی کے حق میں اس لئے مقبول نہ ہو گی،

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۱۵

(2) الجامع الصغیر، ۱:۴۱۳

(3) نفس مصدر، ۴:۱۱۶

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۰۴

(5) نفس مصدر، ۴:۱۱۶

کیونکہ باندی اس آزادی کے باب میں بچہ کا تابع ہوتا ہے۔[1]

دفعہ ۱۵: ظاہری حالت جس کے قول کے موافق ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

بائع اور مشتری میں جس کا قول ظاہر کے موافق ہو تو اس کا قول مقبول ہوگا، جیسے باندی کا چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ ہوا بائع کہتا ہے کہ یہ میری ملکیت میں حاملہ ہوئی تھی اور مشتری اس کا انکار کرتا ہے تو بائع کا قول قبول کیا جائے گا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو بھی بائع کا قول اولیٰ ہوگا، یہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مشتری کا قول قبول کیا جائے گا۔ اگر مشتری تاریخ علوق کو بائع سے پہلے بیان کرے تو اس صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا۔[3]

دفعہ ۱۶: جو مدعی زیادت ہو تو اس کا قول گواہوں کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

بائع اور مشتری میں اختلاف ہوا بائع جس قول کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری تاریخ شراء میں زیادتی کو بیان کرتا ہے تو بائع کا قول معتبر ہوگا مگر یہ کہ مشتری گواہ قائم کرے اور اگر دونوں گواہ قائم کرے تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک بائع کے گواہ مقبول ہوں گے کیونکہ اس کے ذریعہ وہ علوق کو اپنی ملکیت میں ثابت کرتا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک مشتری کے گواہ قبول کی جائے گی، کیونکہ مشتری اس سے شراء کی تاریخ کا مقدم ہونا بیان کرتا ہے اور جو زیادتی کو گواہوں کے ذریعہ بیان کرتا ہے اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۱۷: جڑواں بچوں میں ایک کے لئے دعویٰ نسب کرنا دوسرے کے حق میں بھی ثابت ہوتا ہے۔[6]

وضاحت:

جس نے دو جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس سے دونوں کا ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ دونوں ایک ہی نطفہ سے ہیں۔ تو ایک کے نسب ثابت ہونے سے دوسرے کا نسب ضرور ثابت ہوگا اور یہ اس لئے کہ جڑواں بچے وہ دو بچے ہیں جن کی پیدائش کے درمیان چھ ماہ سے کم مدت ہو، پس دوسرے کا حمل بعد میں ممکن نہیں، کیونکہ حمل کی مدت چھ ماہ سے کم نہیں ہے۔

اسی طرح جب کسی کے قبضہ میں دو جڑواں غلام ہوں جو اسی کے پاس پیدا ہوئے ہیں اور وہ ان میں سے ایک فروخت کرے اور مشتری اس کو آزاد کرے، آزاد کرنے کے بعد بائع اس غلام کا دعویٰ کرے جو اس کے قبضہ میں ہے تو وہ دونوں اس کے بیٹے ہوں گے اور مشتری کا آزاد کرنا باطل ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے جب اس بچہ کا نسب ثابت ہو گیا جو بائع کے پاس ہے اور اس کی آزادی بھی ثابت ہوئی تو دوسرے بچہ کا نسب بھی اس بائع سے ثابت ہوگا، کیونکہ وہ دونوں جڑواں ہیں۔ پس مشتری کا خریدنا اور آزاد کرنا باطل ہو گیا۔

یہ اس صورت میں ہے جب دونوں جڑواں ہو اور اگر دونوں جڑواں نہ ہو تو جس کا دعویٰ سابق ہو تو اس کے لئے اول کا نسب ثابت ہوگا، اور

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۲۹۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۱۶

(3) المحیط البرہانی، ۹:۲۹۹

(4) نفس مصدر، ۴:۱۱۷

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۰۵

(6) نفس مصدر، ۴:۱۱۸

دوسرے کے لئے اس دوسرے بچہ کا نسب ثابت ہو گا۔[1]

دفعہ ۱۸: بائع کا باپ دو بچوں کے نسب کا دعویٰ کرتا ہے لیکن بائع اور مشتری اس کی تکذیب کرتا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک باندی کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کو مالک نے فروخت کر دیا اس کے بعد بائع کے باپ نے دونوں کے نسب کا دعویٰ کیا لیکن بائع اور مشتری نے اس کی تکذیب کی تو بچوں کا نسب اسی سے ثابت ہو گا۔ بائع کے قبضہ میں جو بچہ ہے وہ بلا قیمت کے آزاد ہو گا اور جو مشتری کے قبضہ میں ہے وہ غلام رہے گا۔

اسی طرح اگر ایک بچہ باندی کے ساتھ فروخت کیا اور پھر بائع کے باپ نے نسب کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک باپ کا دعویٰ نسب باطل ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ دعویٰ باندی کے حق میں صحیح نہیں اور دونوں بچوں کے ثبوت نسب کے حق میں درست ہے مگر آزادی کے اعتبار سے صحیح نہیں، تو جو لڑکا فروخت ہوا ہے وہ مشتری کا غلام رہے گا، اور جو بائع کے قبضہ میں ہے وہ بلا قیمت کے آزاد ہو گا۔

اس میں اگر مشتری نے بائع کے باپ کے قول کا تصدیق کیا اور بائع اس کا انکار کرتا ہے تو اس صورت میں باندی ام ولد ہو گی اور فروخت کیا گیا بچہ قیمت کے بغیر آزاد ہو گا اور بائع کو اس کے غلام کا قیمت دیا جائے گا، اور دونوں بچوں کا نسب اسی سے ثابت ہو جائے گا۔[3]

دفعہ ۱۹: خیار شرط بچہ کی پیدائش سے ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عورتوں میں عیب ہے۔[4]

وضاحت:

کسی نے باندی خریدتے وقت اپنے لئے خیار شرط لگایا اس کے ہاں خیار کے دوران بچہ پیدا ہوا اور مشتری نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا قول معتبر ہو گا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بچہ کی پیدائش سے اس کا خیار ساقط ہو جاتا ہے اور یہ مشتری کی ملک ہو گی، کیونکہ بچہ پیدا ہونا عورت میں عیب پیدا کرتا ہے اور مشتری کے ہاتھ میں عیب کے پیدا ہونے سے اس کا خیار ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر خیار بائع کا ہو اور مشتری نے بچہ کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں بیع کا جائزہ ہونا بائع کی اجازت پر موقوف ہو گا اگر بائع نے اس کی اجازت دی تو مشتری سے بچہ کا نسب ثابت ہو گا، اور اگر اس نے اجازت نہ دی تو مشتری کا دعویٰ نسب باطل ہو گی۔[5]

دفعہ ۲۰: نسب ثابت ہو گی لیکن جب وہ وقت علوق سے لے کر وقت دعویٰ تک بیٹے کی ملکیت میں ہو۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی کی باندی کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کے باپ نے اس کا دعویٰ کیا لیکن اصل حمل اس کے پاس نہ تھا اور اس آدمی نے باپ کی تکذیب کی تو اس کا قول مقبول نہ ہو گا۔ اور اس آدمی کی تصدیق کی صورت میں نسب اس سے ثابت ہو گا لیکن اس باندی کا مالک نہ ہو گا، جیسا ایک اجنبی کے دعویٰ میں ہوتا ہے۔

---

(1) بدائع الصنائع، ۲۴۶:۶

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۱۱۸:۴

(3) قرةعين الأخيار، ۱۹۶:۸

(4) نفس مصدر، ۱۱۸:۴

(5) المحيط البرهانی، ۳۱۱:۹

(6) نفس مصدر، ۱۱۹:۴

اسی طرح اگر بیٹے کی ام ولد کے بچہ کا، مدبرہ باندی کے بچہ کا اور یا اس کی مکاتبہ کی بچہ کا جو حال کتابت میں یا اس سے پہلے پیدا ہوا ہو تو باپ کا قول بیٹے کی تصدیق کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۲۱: باندی سے جماع کرنے کی صورت میں اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔[2]

وضاحت:

کوئی شخص اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کر لے اور بچہ پیدا ہو جائے اور باپ اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کرے تو اس یہ دعویٰ درست ہو گا اور وہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی اور باپ پر لازم ہو گا کہ وہ اپنے بیٹے کو اس باندی کی قیمت دیدے۔ اس صورت میں اگر باپ یہ کہے کہ مجھے وطی کے وقت یہ معلوم تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تب بھی اس کا دعویٰ درست ہو گا۔ یہاں پر اس پر حد نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ یہاں شبہ حکمیہ موجود ہے۔

اور وہ آپ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے آیا ہے۔ ''کہ تو اور تیرا مال تمھارے باپ کے لئے جائز ہے''۔[3]

اور وطی کے بعد واطی کے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو گا۔[4]

دفعہ ۲۲: ثبوت نسب میں شرط یہ ہے کہ اس چیز کی ملکیت اس کو منتقل ہو جائے اور اس کی قیمت کا ضامن رہے[5]

وضاحت:

باپ نے بیٹے کی باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا، اس کا بیٹا مسلمان ہے اور یہ خود کافر یا غلام ہے تو اس کا قول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ثبوت نسب کا دعویٰ کرنے میں اس چیز کی قیمتا ضامن ہو کر اس کی ولایت اپنی طرف منتقل کرانا ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ بات درست نہیں کیونکہ کافر اور غلام کو یہ ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر بیٹا کافر اور باپ مسلمان ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[6]

دفعہ ۲۳: باپ کے ہوتے ہوئے دادا کا دعویٰ نسب درست نہیں۔[7]

وضاحت:

اگر باپ موجود ہو اور دادا اپنے پوتے کے باندی سے وطی کر لے اور اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو دادا سے اس بچہ کا نسب ثابت نہ ہو گا، کیونکہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کی ولایت معدوم رہتی ہے۔ ہاں اگر باپ مر گیا ہو تو اس صورت میں دادا سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں دادا اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر باپ کافر اور یا غلام ہو اور بیٹا آزاد ہو اور دادا بھی آزاد ہو تو بھی دادا کی ولایت باپ سے مقدم ہو گی، کیونکہ کفر اور رقیت موت کی طرح ہے جس طرح موت قاطع ولایت ہے اسی طرح یہ بھی ہوں گے۔[8]

---

(1) دررالحکام شرح غررالأحکام،۱:۳۵۲

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۱۹

(3) سنن ابن ماجه،باب ماللرجل من مال ولده،۲:۷۶۹، حدیث نمبر:۲۲۹۱، البانی نے اس حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے، اور اس کے رواۃ امام بخاریؒ کی شرائط پر پورے اترتے ہیں۔

(4) المحیط البرهانی،۹:۲۹۱

(5) نفس مصدر،۴:۱۲۰

(6) المبسوط للسرخسی،۱۷:۱۱۷

(7) نفس مصدر،۴:۱۲۰

(8) المحیط البرهانی،۹:۲۹۲

دفعہ ۲۴: اگر باندی مشترک ہو تو دعویٰ نسب کے بغیر اس کے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔[1]

وضاحت:

اگر باندی دو آدمیوں کے مابین مشترک تھی اور ان دونوں کی ملکیت میں اس کا بچہ پیدا ہوا ان میں سے ایک نے اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو گا اور باندی اس کی ام ولد ہو گی۔ باندی کی آدھے قیمت یعنی آدھے عقر[2] کا شریک کے لئے ضامن ہو گا۔[3]

دفعہ ۲۵: مدّعی کے اقرار کے بعد بچہ اور باندی پر اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

مدّعی نے دوسرے شریک سے کہا کہ تونے مجھ سے پہلے اس باندی سے بچہ پیدا کیا ہے اور تونے اس کا دعویٰ بھی کیا ہے، تو شریک نے اس کی تصدیق کی لیکن باندی نے تکذیب کی تو باندی اور بچہ پر دونوں کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہاں تک کہ دونوں کے حقوق جو مدّعی کی طرف سے ثابت ہو گئے ہیں باطل ہوں گے اور مدّعی سے ضمان باطل نہ ہو گی۔ لیکن مقر باندی کی طرف اس کی ام ولد ہونے کی حیثیت سے ادا کرے گا، یہ صاحبینؒ کا قول ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر اپنے مقر لہ کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہو گا۔[5]

دفعہ ۲۶: ثبوت نسب میں بچہ اصل اور باندی اس کی تابع ہے۔ اور جہاں ام ولد مقصود بالذات ہو جائے تو اس کے اصل ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔[6]

وضاحت:

ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی ایک شریک نے کہا کہ یہ میری ام ولد اور تیری ام ولد ہے یا یوں کہا کہ ہم دونوں کی ام ولد ہے، پس اگر دوسرے شریک نے اس ک تصدیق کی تو باندی دونوں کی ام ولد ہو جائے گی اور کسی پر ضمان لازم نہیں ہو گا۔

اگر دوسرے نے اس کی تکذیب کی تو مقر اپنے شریک کو آدھا قیمت اور آدھا عقر ادا کرے گا اور نصف باندی مقر کی ام ولد ہو جائے گی اور آدھی موقوف رہے گی، اس کے بعد اگر اس شریک نے تصدیق کی تو باندی دونوں کی امولد ہو جائے گی اور اس نے دوسرے شریک سے جو ضمان لیا ہے اس کو واپس کرے گا۔[7]

دفعہ ۲۷: ثبوت نسب کے لئے اصل سبب ملکیت ہے نہ کہ صفت مالک۔[8]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۲۰

(2) عقر سے مراد وطی حلال کی صورت میں اجرت الوطی ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد مہر مثل ہے۔ بعض کی رائے یہ ہیں کہ اگر اصیل عورت باکرہ ہو تو اس کا عقر مہر مثل کا دسواں حصہ ہے اور ثیبہ کی صورت میں مہر مثل کا بیسواں حصہ ہو گا۔ باندی اگر کنواری ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ مراد ہو گا، اور ثیبہ کی صورت میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ لازم ہو گا۔ [کتاب التعریفات، ۱:۱۵۳]

(3) الأصل للشيبانی، ۵:۱۴۷

(4) نفس مصدر، ۴:۱۲۰

(5) المحيط البرهانی، ۹:۲۸۶

(6) نفس مصدر، ۴:۱۲۰

(7) المحيط البرهانی، ۹:۲۸۵

(8) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۲۱

وضاحت:

ایک باندی دو، تین یاچار آدمیوں کے درمیان مشترک ہواس کے بچہ پر سب نے دعویٰ کیاتووہ سب کا بیٹا تصور کیاجائے گا۔سب سے اس کانسب ثابت ہو گااور باندی ان سب کی ام ولد ہو گی، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دوسے زیادہ سے ثابت نہیں ہو گا کیونکہ قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ ثبوت نسب ایک ہی فرد سے ہو لیکن دوسے نسب کی ثبوت خلاف القیاس اثر سے ثابت ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک تین سے زیادہ سے ثابت نہیں ہو گا۔وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حمل میں تین بچے ہوں اور ہر ایک کانطفہ مختلف ہو لیکن ایک سے زیادہ کا ہونانادر ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعداد میں ایک کوراجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا دلیل کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ نسب کے ثبوت کادارومدار ملکیت پر ہے نہ کہ صفت مالک پر۔

اگر حصے ہر ایک کے مختلف ہوں تو بچہ کے حق میں مختلف نہیں ہو گا لیکن استیلاد ہر ایک کے حق میں اس کے حصوں کے بقدر ثابت ہو گا۔[1]

دفعہ ۲۸: ۱۔ملک ناقص بھی دعویٰ استیلاد کے لئے کافی ہوتا ہے۔

۲۔دعویٰ استیلاد متعذر ہو تو دعویٰ تحریر کی اعتبار کی جائے گی۔[2]

وضاحت:

ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی ان کے مالک ہونے کے وقت سے چھ مہینے بعد اس نے ایک بچہ کو جنم دیا اور اس کی پیدائش کے چھ مہینے بعد دوسرے بچہ کو جنم دیا،ان دونوں شریکوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ چھوٹا بچہ میرا ہے اور یہ بڑا میرے شریک کا ہے۔

اس کی دوصورتیں ہیں:

ایک یہ کہ:شریک نے اس مدّعی اصغر کی تصدیق کی تواس صورت میں اس بچہ کانسب اس سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ مدّعی اصغر آدھی باندی کامالک ہے اور دعویٰ استیلاد کے لئے آدھی ملکیت بھی کافی ہوتی ہے۔اور یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی،اس لئے باندی کا ام ولد ہونا ثبوت نسب پر موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ اصغر اپنے شریک کے لئے آدھے قیمت اور نصف عقر کا ضامن ہو گاخواہ یہ مالدار ہو یاغریب اور بچہ کی قیمت کا اس پر کوئی ضمان نہیں۔اور بڑے بچہ کانسب اس اکبر سے ثابت ہو گا اور وہ اس کو آزاد کرنے والا شمار کیاجائے گا۔

دوسرا یہ کہ: کہ شریک نے اس اصغر کی تکذیب کی تو بھی یہی صورت ہے،البتہ بڑے بچہ کانسب کسی سے ثابت نہ ہو گااور اس کو آزادی دی جائے گی۔[3]

دفعہ ۲۹:اپنے لئے ثبوت نسب کادعویٰ کرنااس آدمی کی دعویٰ سے اولیٰ ہو گا جو غیر کے لئے ثبوت نسب کادعویٰ کرتا ہے۔[4]

---

(1) بدائع الصنائع،۶:۲۴۴

(2) نفس مصدر،۴:۱۲۱

(3) المحیط البرہانی،۹:۳۵۲

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۲۲

وضاحت:

ایک باندی کے حمل کے بارے دو آدمیوں کا نزاع ہے ایک کہتا ہے کہ اس باندی کا حمل میرے باپ سے ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ اس کا حمل مجھ سے ہے، تو جو ثبوت نسب کا دعویٰ اپنے لئے کرتا ہے اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا اور دوسرے کا دعویٰ رد کیا جائے گا کیونکہ وہ دوسرے پر ثبوت نسب کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرے پر نسب ثابت کرنے کے لئے صرف قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس کا قول مقبول ہو گا جو اپنے لئے نسب کا دعویٰ کرتا ہے۔(1)

دفعہ ۳۰: ملک تأویلی ملک حقیقی کا معارض نہیں بن سکتا۔(2)

وضاحت:

ایک باندی نابالغ اور ایک آدمی کے درمیان مشترک ہے اس نے بچہ جنا اس پر اس آدمی نے اور نابالغ کے باپ نے دعویٰ کیا تو بچہ کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو گا، کیونکہ ایک کا دعویٰ حقیقی ہے اور دوسرے کا تاویلی، اس لئے حقیقی کا قول مقبول ہو گا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب باندی عورت اور آدمی کے مابین مشترک ہو۔(3)

دفعہ ۳۱: ثبوت نسب کے دعویٰ میں باپ کی موجودگی میں دادا کو اجنبی کے مرتبہ میں تصور کیا جاتا ہے۔(4)

وضاحت:

بیٹا اور باپ اگر مشترک باندی کے بچہ پر دعویٰ کرے تو باپ کا قول قبول کیا جائے گا، اسی طرح اگر پوتے اور دادا کے درمیان باندی مشترک تھی اور دونوں نے اس کے بچہ پر دعویٰ کیا تو ان دونوں سے نسب ثابت ہو گا۔ اس لئے کہ دادا کی موجودگی میں باپ کو اجنبی تصور کیا جائے گا۔(5)

دفعہ ۳۲: اسلام کو ہر موقع پر ترجیح ہوتی ہے لیکن مرجح ہونے کے لئے کوئی تعارض کا ہونا چاہیے اور یہاں کوئی تعارض نہیں۔(6)

وضاحت:

ایک بچہ مسلمان اور عیسائی کے قبضہ میں ہے۔ عیسائی کہتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مسلمان کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے تو اس کو نصرانی کا بیٹا قرار دے کر آزاد کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو ہر موقع پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور مرجح ہونا تعارض کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں کوئی تعارض نہیں۔

عیسائی کا بیٹا اور آزاد قرار دینے میں بچہ کے لئے شفقت زیادہ ہے کہ ابھی وہ آزادی کی نعمت حاصل کرے گا اور انجام کار اسلام کا شرف حاصل کرے گا کیونکہ دلائل توحید خوب واضح ہے۔

اس کے برعکس اگر کیا جائے یعنی مسلمان کا غلام قرار دینے سے وہ اپنے آقا کا تابع ہو کر مسلمان قرار دیا جائے گا لیکن آزادی سے محروم ہو گا۔(7)

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۷۴

(2) نفس مصدر، ۴:۱۲۳

(3) المحیط البرهانی، ۹:۳۶۴

(4) نفس مصدر، ۴:۱۲۳

(5) بدائع الصنائع، ۶:۲۴۵

(6) نفس مصدر، ۴:۱۲۳

(7) الهدایة ۳:۱۷۶

دفعہ ۳۳: جس دعویٰ میں بچہ کے لئے فائدہ ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

ایک بچہ پر مسلمان و مرتد یا مجوسی اور کتابی دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ اس کا بچہ ہے، سب کے دعویٰ کی صورت میں یہ بچہ مسلمان کا ہو گا۔ کیونکہ اس میں بچہ کے لئے فائدہ ہے اس لئے نسب اور اسلام دونوں حکم ثابت ہوں گے اور جس میں بچہ کے لئے فائدہ ہو اسی کا حکم لگایا جائے گا۔ یہ احنافؒ کی رائے ہیں، امام زفرؒ کے نزدیک یہ دونوں کا بیٹا ہو گا لیکن مسلمان ہو گا، اس لئے مالک ہونے میں دونوں برابر ہے۔[2]

دفعہ ۳۴: خارج اور قابض بیٹا ہونے پر گواہ قائم کرے تو قابض کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔[3]

وضاحت:

ایک بچہ کے بارے میں اختلاف ہوا ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے ان میں سے یہ بچہ ایک کے قبضہ میں ہے تو جس کے قبضہ میں ہے اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ نسب نتاج کی طرح ہے اور نتاج کی صورت میں قابض کے گواہ مقبول ہوتے ہیں۔

اسی طرح قابض اور خارج نے گواہ پیش کر دیئے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ہر ایک نے تاریخ بیان کی لیکن بچہ کی عمر میں اشکال ہے تو اس صورت میں بھی قابض کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔[4]

دفعہ ۳۵: ام ولد کا دعویٰ نتاج کے مرتبہ میں ہے اور یہ وہ سبب ہے جس میں تکرار نہیں آتا۔[5]

وضاحت:

ایک باندی کے دو بیٹے ہیں اور وہ باندی ایک بچہ کے ساتھ ایک آدمی کے قبضہ میں ہے اور دوسرا بچہ دوسرے آدمی کے قبضہ میں ہے اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ باندی اس کی ام ولد ہے تو جس کے قبضہ میں باندی ہے اس کا قول قبول کیا جائے گا، خواہ دونوں بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے ہو اور یا مختلف سے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک ام ولد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور ام ولد کا دعویٰ کرنا نتاج کے معنی میں ہے، کیونکہ یہ اس کے لئے ابتدا سے ثابت ہے کسی کی وجہ سے نہیں اور یہ اس سبب کی طرح ہے کہ جس میں تکرار نہیں آتا تو یہ نتاج کی طرح ہوا اور نتاج میں قابض کا دعویٰ قبول کیا جاتا ہے اسی طرح اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور بچہ کا ثبوت نسب بھی نتاج کی طرح ہے تو اس میں بھی قابض کے گواہ مقبول ہوں گے۔[6]

دفعہ ۳۶: دعویٰ نسب میں قابض کے گواہ اولیٰ ہے خارج سے، لیکن اگر کوئی ایسی دلیل قائم ہو جائے جو مثبت ہو خارج کے قول کے لئے تو پھر خارج کا قول راجح ہو گا۔[7]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۲۳

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۲۸

(3) نفس مصدر، ۴:۱۲۴

(4) المحیط البرہانی، ۹:۳۲۳

(5) نفس مصدر، ۴:۱۲۴

(6) المحیط البرہانی، ۹:۳۳۹

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۲۴

وضاحت:

قابض اور خارج دونوں اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ باندی میری ہے اور اس باندی کے بچے کا نسب مجھ سے ثابت ہے تو قابض کے گواہ مقبول ہوں گے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ یہ غلام نابالغ ہو اور یا قابض کی تصدیق کرتا ہو۔ اور اگر بالغ ہو اور مدّعی کی تصدیق کرے تو مدّعی (خارج) کے گواہ قبول کئے جائے گے اس لئے کہ اس صورت میں ایسا ہو گا کہ گویا یہ بینہ اس نے پیش کئے ہیں۔ اور یہ اپنے حق کو ثابت کرتا ہے اور نسب بھی ایک حق ہے۔[1]

دفعہ ۳۷: نسب کی طرح دعویٰ نکاح میں بھی قابض کے گواہ اولیٰ ہوں گے لیکن جب نکاح، نکاح صحیح ہو۔[2]

وضاحت:

ایک بچہ اور عورت ایک آدمی کے قبضہ میں ہے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس عورت کے بچے کا نسب مجھ سے ثابت ہے اور ایک شخص نے آکر اس طرح کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ قائم کئے تو قابض کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔

اب اگر قابض ذمی ہو اور مدّعی اور اس کے گواہ مسلمان ہوں لیکن عورت ذمی ہے تو اس صورت میں قابض کے گواہ اولیٰ ہوں گے۔ اور اگر عورت مسلمان ہو تو مدّعی کا قول قبول کیا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں یہ نکاح فاسد ہے۔[3]

دفعہ ۳۸: ا۔ صرف دعویٰ معارض نہیں ہو سکتا اس دعویٰ کے جس میں گواہ پیش کئے جائیں۔

۲۔ اثبات دعویٰ میں ایک عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک بچہ ایک آدمی کے قبضہ میں ہے اور وہ اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ایک عورت نے اس پر گواہ قائم کئے کہ یہ بچہ میرا ہے تو عورت کا قول معتبر ہو گا۔ اس لئے کہ قابض صرف مدّعی ہے اور عورت کے پاس گواہ بھی ہے اور صرف دعویٰ گواہوں کا معارض نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح اگر عورت نے صرف ایک عورت کی گواہی قائم کی تو اس صورت میں قابض کا قول راجح ہو گا، کیونکہ جو حق قابض کے لئے ثابت ہے وہ ایک عورت کی گواہی سے باطل نہیں ہو سکتا، ہاں جس کے قبضہ میں وہ بچہ ہے اگر وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتا اور پھر عورت نے ایک عورت کی گواہی قائم کی تو استحسان کے طور وہ بچہ اس عورت کو دیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۳۹: دعویٰ میں اشکال ہو یعنی تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو تو اس چیز کا فیصلہ دونوں کے لئے کیا جائے گا۔[6]

وضاحت:

ایک لقیط پر دو آدمیوں نے دعویٰ کیا ایک نے اس بات پر گواہ پیش کی کہ یہ میرا بیٹا ہے اور دوسرے نے گواہ قائم کئے کہ یہ میری بیٹی ہے ، جب دیکھا تو وہ خنثیٰ نکلا، تو اگر آلہ تناسل سے پیشاب کرتا ہو تو اس مدّعی کے لئے ہو گا جو لڑکے کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر عورتوں کے اندام

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۶۹:۱۷

(2) نفس مصدر، ۱۲۴:۴

(3) الأصل للشیبانی، ۱۲۴:۸

(4) نفس مصدر، ۱۲۵:۴

(5) المبسوط للسرخسی، ۸۱:۱۸

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۱۲۵:۴

مخصوصہ سے پیشاب کرتاہوتواس کے لئے ہوگاجو بیٹی کامدّعی ہو،اگر دونوں سے پیشاب کریں تو جس سوراخ سے پہلے نکلے اس کااعتبار کیاجائے گا،اور اگر دونوں سے ایک ساتھ اور برابر نکلے تو دونوں کے لئے اس کا فیصلہ کیاجائے گا۔[1]

دفعہ ۴۰۔ا۔ ثبوت نسب میں ہر ایک کااقرار درست ہوگااور ہر ایک جو دوسرے سے اس بچہ کی نفی کرتاہے اس کو قبول نہیں کیاجائے گا۔

۲۔یہ اس صورت میں ہے جب لڑکااپنی ذات سے تعبیر نہیں کرسکتا،اگر وہ تعبیر کرسکتاہوتواس کا قول قبول کیاجائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک بچہ عورت اور مرد کے قبضہ میں ہے اور ہر ایک اس بچے کانسب اپنے آپ سے ثابت کرتاہے۔مثلامرد یہ دعوی کرتاہے کہ یہ میرابیٹا ہے لیکن اس عورت سے نہیں اور عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس مرد کے علاوہ دوسرے مرد سے یہ میرابیٹاہے۔اس صورت میں یہ بچہ دونوں کابیٹاہوگااور اس کانسب ان دونوں سے ثابت ہوگا۔کیونکہ ہر ایک اس لڑکے کادعویٰ کرتاہے کہ اس کانسب مجھ سے ہے صرف دوسرے مدّعی سے اس کانفی کرتاہے۔

اگر بچہ مرد کے قبضہ میں ہواور وہ دعویٰ کرے کہ میرایہ بیٹادوسری عورت سے ہے اور عورت دعویٰ کرتی ہے کہ مجھ سے ہے اور یاعورت کہتی ہے کہ میرایہ بچہ میرے پہلے شوہر سے ہے اور مرد کہتاہے کہ تجھ سے ہے تودونوں صورتوں میں شوہر کا قول قبول کیاجائے گا۔

اگر لڑکاتکلم کرسکتاہوتووہ جس کی تصدیق کرے اس کا قول مقبول ہوگا۔[3]

دفعہ ۴۱: غیرپرالزام نسب کے لئے حجت تامہ کاہوناضروری ہے۔[4]

وضاحت:

غیرپرنسب لازم کرنے کے لئے دوچیزوں کاہوناضروری ہیں:

ا۔سبب لازم نسب کے لئے۔ ۲۔حجت

جیسے ایک عورت نے شوہر کی موجودگی میں یہ دعویٰ کیاکہ یہ میرابیٹاہے اور شوہر اس سے منکر ہے تو دعویٰ صحیح نہ ہوگاجب تک عورت کے اس قول پر دوسری عورت گواہی نہ دے۔

عورت معتدہ ہواور شوہر پر نسب کادعویٰ کیااور یامعتدہ منکوحہ نہ ہوتوان دونوں صورتوں میں حجت تامہ کے بغیر ثابت نہ ہوگی۔اور اگر شوہرنے اس کی تصدیق کی تودونوں کابیٹاقرارپائے گا۔[5]

دفعہ ۴۲: ثبوت نسب کااقرار کرنے کے بعد اگر اس سبب میں اختلاف واقع ہوجائے جو مثبت للفراش ہوتواس کااعتبار نہیں کیاجائے گا۔[6]

وضاحت:

عورت اور مرد نے ایک لڑکے کی نسب میں ایک دوسرے کی تصدیق کی تواس کی یہ تصدیق محمول ہوگانکاح صحیح پر۔اس لئے کہ بیٹے کی نسب کاتصدیق کرنانکاح کی صحیح ہونے کااقرارہے۔اب اگر عورت کواس کاآزاد ہونامعلوم نہ ہواور وہ کہتی ہے کہ میں ام ولد ہوں اور شوہر

---

(1) بدائع الصنائع،۲۵۳:۶

(2) نفس مصدر،۱۲۶:۴

(3) قرۃعین الأخیار،۲۰۲:۸

(4) نفس مصدر،۱۲۶:۴

(5) الجامع الصغیر،۴۱۴:۱

(6) فتاویٰ عالمگیری،۱۲۶:۴

کہتا ہے کہ نہیں تو میری بیوی ہے۔ عورت نکاح سے منکر ہے اور رقیت کا اظہار کرتی ہے اور مرد رقیت سے انکار کرتا ہے اور نکاح کا اظہار کرتا ہے۔ اس میں جب مرد نے عورت کی رقیت کا انکار کیا تو وہ آزاد ہو گی، اور نکاح میں عورت نے مرد کی تکذیب کی تو نکاح درست نہ ہو گا۔ لیکن اقرار کی وجہ سے نسب ثابت ہو گا اور مثبت للفراش جو سبب (نکاح یا ام ولد) ہے اس میں اختلاف کی وجہ سے ثبوت نسب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[1]

دفعہ ۴۳: مدّعی فساد کے مقابلے میں مدّعی جواز کا قول راجح ہو گا۔[2]

وضاحت:

ایک بچہ کے ثبوت نسب میں عورت اور مرد میں سے ایک نکاح جائز کا قول کرتا ہو اور دوسرا نکاح فاسد کا، ہر ایک صورت میں اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو گا، اور مدّعی جواز کا قول راجح ہو گا۔ اب اگر شوہر مدّعی فساد ہے تو دونوں میں جدائی واقع ہو گی اور اس جدائی سے شوہر کے ذمہ مہر ونفقہ لازم ہو گا، اور عورت مدّعی فساد ہونے کی صورت میں تفریق نہیں کی جائے گی۔[3]

دفعہ ۴۴: غیر کی باندی پر دو آدمیوں میں سے ہر ایک نکاح کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر ایک اپنے قابض بچہ کا اس سے ہونے کا اقرار کرتا ہے تو عدم منازعت کی وجہ سے دونوں کا قول قبول کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک شخص کے قبضہ میں ایک باندی ہے اور اس سے ایک لڑکا ہے اس نے گواہ قائم کئے کہ یہ اس فلاں کی باندی تھی اس نے میرے نکاح میں دی ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ اس کی باندی تھی اور اس نے اس کی نکاح مجھ سے کرائی ہے اور میرے قبضہ میں جو یہ بچہ ہے یہ اسی سے پیدا ہوا ہے تو عدم نزاع کے سبب ہر ایک کا قول قبول کیا جائے گا۔ تاہم باندی قابض کے ہاتھ میں موقوف رہے گی اس سے وطی کرنا جائز نہ ہو گا اور یہ ہر ایک کی ام ولد ہو گی اور ان میں سے جو مر گیا تو یہ آزاد ہو گی۔ اور ہر ایک کے قبضہ میں جو بچہ ہے وہ آزاد ہو گا۔[5]

دفعہ ۴۵: قابض کے اقرار کا جب مدّعیٰ علیہ تصدیق کرے تو دعویٰ درست رہے گا اور مقر مقر لہ کے لئے ضامن ہو گا۔[6]

وضاحت:

ایک باندی ایک شخص کے قبضہ میں ہے اس کے ہاں اس کا بچہ پیدا ہوا قابض نے دعویٰ کیا کہ یہ تیری باندی ہے تو نے اس کے ساتھ میرا نکاح کرایا تھا اور دوسرے شخص نے اس کی تصدیق کی، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ باندی اس کی تھی تو اقرار کی وجہ سے قابض مقر لہ کے لئے باندی کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ یہ اس کی باندی ہے تو قابض سے نسب ثابت ہو گا اور بچہ و باندی دونوں مقر لہ کے مملوک ہوں گے۔[7]

دفعہ ۴۶: ثبوت نسب کے لئے سبب فراش ہے اور عدم فراش کی وجہ سے زانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔[8]

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۷: ۱۷۵

(2) نفس مصدر،۴: ۱۲۷

(3) المحیط البرھانی،۹: ۳۳۹

(4) نفس مصدر،۴: ۱۲۷

(5) المحیط البرھانی،۹: ۳۴۰

(6) فتاویٰ عالمگیری،۴: ۱۲۷

(7) الأصل للشیبانی،۸: ۱۰۰

(8) نفس مصدر،۴: ۱۲۷

وضاحت:

آدمی سے نسب فراش کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور عورت اس کے لئے فراش ہوتی ہے۔

اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کہ بچہ صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔[1]

اس حدیث سے تین طریقوں پر استدلال کیا جاسکتا ہیں:

۱۔ اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے تقسیم بیان کی ہے کہ بچہ صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے بچہ کو صاحب فراش کے لئے ثابت کیا ہے اور زانی سے نفی کیا ہے اور اس جیسا کلام نفی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔ اس حدیث میں جنس ولد کی نسب صاحب فراش سے ثابت کیا ہے اگر کوئی صورت اس سے مستثنیٰ کیا جائے تو یہ نص کے خلاف ہے۔ اور اس بچہ کا نسب عورت سے ثابت ہو گا۔[2]

دفعہ ۴۷: ولد نکاح کا نسب لعان کے بغیر منتفی نہیں ہوتا۔[3]

وضاحت:

مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح ایک غلام سے کرایا، نکاح سے چھ مہینے یا زیادہ کے بعد اس کا بچہ ہوا تو بچہ کے نسب شوہر سے ثابت ہو گا، شوہر کے نفی کرنے سے اس کا نسب نفی نہ ہو گی، کیونکہ نکاح میں نسب کا انتفاء لعان کے بغیر نہیں ہو سکتا اور مرد اور اس کی بیوی جو باندی ہو کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مولیٰ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ بھی صحیح نہ ہو گا۔ اس اقرار کی وجہ سے بچہ آزاد ہو جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو گی۔ا[4]

دفعہ ۴۸: دعویٰ مولیٰ کی تصدیق کرنے سے اس کا نکاح فاسد ہو جائے گا۔[5]

وضاحت:

باندی کا نکاح کسی سے کرایا جائے اور اس کے چھ مہینے یا اس زیادہ مدت میں بچہ پیدا ہو تو مولیٰ اگر بچہ کے نسب کا دعویٰ کرے باندی کا شوہر اس کی تصدیق کرے یا تکذیب ہر صورت میں اس بچہ کا نسب مولیٰ سے ثابت نہ ہو گا لیکن مولیٰ کے اقرار کی وجہ سے یہ بچہ آزاد ہو گا اور باندی مالک کی ام ولد ہو گی۔

اب شوہر کی تصدیق کی صورت میں فساد نکاح کا حکم کیا جائے گا کہ نہیں، فساد اور عدم فساد دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔[6]

دفعہ ۴۹: دعویٰ نسب میں جہالت ہو تو جہالت کی وجہ سے نسب ثابت نہیں ہو گا اور جہالت کو دور کرنا ضروری ہے۔[7]

---

(1) صحیح بخاری، باب تفسیرالمشبهات، ۳:۵۴، حدیث نمبر:۲۰۵۳

(2) بدائع الصنائع، ۶:۲۴۲

(3) نفس مصدر، ۴:۱۲۸

(4) المحیط البرهانی، ۹:۳۳۶

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۲۸

(6) الأصل للشیبانی، ۸:۸۹

(7) نفس مصدر، ۴:۱۲۹

وضاحت:

ایک باندی کے بطون مختلفہ سے اولاد ہے اور اس کا کوئی شوہر نہیں ہے اور مولیٰ نے کہا کہ ان میں سے ایک میرا بیٹا ہے تو اس کو بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا جب تک وہ زندہ ہو اور بلا بیان مر گیا تو اس سے کسی کا نسب ثابت نہیں ہو گا اور ان میں سے کوئی اس کے میراث کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں باندی آزاد ہو جائے گی اور اولاد کی آزادی میں مختلف آراء ہیں۔[1]

دفعہ ۵۰: دعویٰ نسب جب نسب کے ثبوت میں کام نہ آئے تو یہ آزادی کا اقرار تصور کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک شخص مر کر تین بچے اور ایک باندی چھوڑی اور ہر ایک بطون مختلفہ سے تھا، باندی نے گواہ قائم کئے کہ میت نے اقرار کیا تھا کہ یہ بڑا لڑکا میرا ہے پیرے نسب سے اس باندی سے پیدا ہوا ہے تو وہ مولیٰ کا بیٹا قرار دیا جائے گا اور باقی دونوں بمنزلہ اپنی ماں کے ہے اور باندی ام ولد ہو جائے گی اور آزاد تصور کی جائے گی۔[3]

دفعہ ۵۱: کسی کے لئے نسب کا اقرار کرے اس کے بعد اپنے لئے نسب کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہو گا۔[4]

وضاحت:

ایک باندی کا بچہ پیدا ہوا، مالک نے اقرار کیا کہ یہ اس کا بچہ ہے کہ جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح ہوا تھا، اس کے بعد اپنے لئے نسب کا دعویٰ کیا، اگر مقرلہ اس کی تصدیق بھی کرے تو اس سے نسب ثابت نہیں ہو گا لیکن اقرار کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر مقرلہ خاموش رہا نہ اس کی تصدیق کی اور نہ اس کی تکذیب کی تو بھی نسب کا دعویٰ صحیح نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ اقرار کے بعد نسب کا دعویٰ کرنا اپنے اقرار کی تردید کرنا ہے اور یہ درست نہیں۔[5]

دفعہ ۵۲: دعویٰ کے بغیر نسب پر گواہوں کی گواہی سے ثابت نہ ہو گی۔[6]

وضاحت:

ایک عورت نے گواہی دی کہ لڑکا اس عورت کا ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں ہوئی، پھر گواہی دینے والی عورت نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر دو گواہ قائم کئے تو اس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے، کیونکہ گواہی دینے سے اس عورت نے بچہ کے دعویٰ نسب سے اپنے آپ کو نکال دیا۔

ہاں اگر لڑکے نے بڑا ہونے کے بعد اس پر گواہ قائم کئے کہ میں اس عورت کا بیٹا ہوں تو قاضی اس کا نسب اس سے ثابت کرے گا۔[7]

دفعہ ۵۳: کسی غیر پر نسب لازم کرنے کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔[8]

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۳۶۵

(2) نفس مصدر، ۴:۱۲۹

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۴۲

(4) نفس مصدر، ۴:۱۳۰

(5) قرۃعین الأخیار، ۸:۴

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۳۰

(7) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۱۲

(8) نفس مصدر، ۴:۱۳۱

وضاحت:

غیر سے نسب ثابت کرنے کے لئے دلیل کا ہونا لازمی ہے دلیل کے بغیر کسی سے اپنا نسب ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے اگر کوئی میت سے اپنا نسب ثابت کرنا چاہے اور یہ کہے کہ یہ میت میرا باپ تھا تو جب تک اپنے دعویٰ کی ثبوت کے لئے میت کا وارث، میت کا قرض دار، قرض خواہ اور یا اس کا وصی حاضر نہ کریں۔ جب کسی شخص کو حاضر کر کے میت پر اپنے باپ ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ شخص مقر ہو یا منکر، قاضی اس کو خصم مان کر گواہوں کی گواہی سنے گا۔[1]

دفعہ ۵۴۔ ا۔ مرد اگر ان افراد (والدین، بیوی، ولد اور مولیٰ) کے لئے نسب کا دعویٰ کریں تو یہ تحمیل النسب علی الغیر نہیں۔

۲۔ عورت اگر ان افراد (والدین، شوہر اور مولیٰ) کے لئے نسب کا دعویٰ کریں تو یہ تحمیل النسب علی الغیر نہیں۔[2]

وضاحت:

مذکورہ بالا افراد میں سے مرد پانچ افراد کے لئے نسب کا دعویٰ کر سکتا ہے اور عورت چار افراد کے لئے دعویٰ نسب کر سکتا ہے۔

ان افراد کے علاوہ اگر مرد کسی کے لئے اقرار نسب کرتا ہے، جیسے کسی کے لئے بھائی ہونے کی تصدیق کرنا تحمیل النسب علی الغیر ہے۔

اسی طرح دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا چچا ہے اور یا کسی عورت پر دعویٰ کیا کہ یہ میری بہن یا پھوپھی ہے تو اس کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہو گا۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ نسب میں ان لوگوں کے لئے دعویٰ درست نہیں کیونکہ غیر پر نسب کا ثبوت گواہوں کے بغیر نہیں ہو سکتا، جہاں تک میراث کی بات ہے تو اگر مقر کے لئے کوئی وارث ظاہر نہ ہو تو اس کا اقرار درست ہو گا کیونکہ یہ اقرار علی نفسہ ہے۔ اسی طرح اگر وارث ظاہر ہو تو پھر اس کا اقرار ان کے حق میں قبول نہیں کیا جائے گا، اور یا ایسا اقرار ہو جس کی وجہ سے قریب رشتہ داروں کے حق کو نقصان پہنچاتا ہوں تو پھر قبول نہیں کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۵۵: جہاں فراش کا زوال یقینی نہ ہو تو نسب ثابت کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی نے عورت کو طلاق رجعی دی اور اس عورت نے طلاق کے وقت سے دو سال یا اس سے زیادہ مدت میں بچہ جنا تو وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہو گا لیکن اس شرط پر کہ عورت نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا ہو تو اقرار نہ کرنے کی صورت میں اس کو ممتد الطہر مان لیا جائے گا اور اس کی عدت دراز ہونے کی وجہ سے یہ امکان ہے کہ شوہر اس عدت میں بیوی سے وطی کی ہو تو اس کی وجہ سے نسب بھی ثابت ہو گا اور رجعت بھی ثابت ہو گی۔

اگر دو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد پیدا ہوا ہو اور دونوں نے اس کی نفی کی تو پھر اس سے نسب ثابت نہ ہو گی۔

طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کی صورت میں اگر دو برس سے پہلے بچہ پیدا ہوا تو ان دونوں سے نسب ثابت ہو گا اور دو برس سے زیادہ مدت گزر جائے تو اس کا نسب اس سے ثابت نہ ہو گا۔[5]

---

(1) تبيين الحقائق، ۴: ۲۹۸

(2) نفس مصدر، ۴: ۱۳۱

(3) تحفة الفقهاء، ۳: ۲۰۲

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۳۳

(5) فتح القدير، ۴: ۳۵۴

دفعہ ۵۶: بچہ کے نسب کا ثبوت علوق کی بنیاد پر ہوتا ہے لہذا جس صورت میں علوق کا ہونا یقینی ہو اس کی طرف بچہ منسوب ہو گا۔(1)

وضاحت:

ایک مرد نے عورت کو طلاق بائن دی اور وہ اس سے وطی کر چکا ہے پھر دوبارہ نکاح کیا اور اور اس نکاح سے چھ ماہ سے کم مدت میں لڑکا پیدا ہوا دونوں نے نفی کی، تو اس کی وجہ سے دونوں میں لعان کرایا جائے گا اور جدائی واقع کرائی جائے گی اور بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو گا، اس لئے اس صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ بچہ کا علوق اسی نکاح اول سے ہے۔ اگر چھ ماہ سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا تو نسب نفی کرنے سے اس کا نسب ثابت نہ ہو گا۔(2)

دفعہ ۵۷: جو بچہ نکاح کی وجہ سے پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہو گا اگر چہ میاں بیوی میں سے ایک اس کے نسب کا انکار کریں جب مدت حمل میں پیدا ہو جائے۔(3)

وضاحت:

نکاح صحیح کی صورت میں بچہ مدت حمل یعنی چھ مہینوں میں پیدا ہوا اور مرد و عورت دونوں مسلمان ہیں۔ ایک نے اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کی تکذیب کی تو وہ دونوں سے بیٹا قرار پائے گا۔ اگر بچہ کی نسب کے اقرار کرتے وقت عورت یہ دعویٰ کرے کہ میرا یہ بیٹا تجھ سے ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مجھ سے پہلے شوہر کا ہے، تو اسی شوہر کا قرار دیا جائے گا اور دونوں میں لعان نہ ہو گی۔(4)

دفعہ ۵۸: نسب موضع شبہ میں ثابت ہوتا ہے تو شبہ کی بنیاد پر اس کو منتفی نہیں کیا جا سکتا۔(5)

وضاحت:

ایک عورت کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے، شوہر کو ایک کا علم ہوا اس نے نفی کی اور لعان کیا اور قاضی نے بچہ کو اس کی ماں کی طرف منسوب کیا اور دونوں میں جدائی واقع کر دی گئی، پھر دوسرے کا علم ہوا تو دونوں ان کے بیٹے ہوں گے، کیونکہ ان دونوں کا نسب اس سے فراش کی وجہ سے ثابت ہوا ہے اور لعان اس بچہ کی وجہ سے واقع ہوا جس کی وجہ سے فرقت واقع ہوئی ہے تو دوسرے کا نسب اس طرح ثابت رہے گا۔ قاضی کی تفریق کے بعد دوسرے بیٹے کا نسب منتفی نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ یہ لازم ہے کہ پہلے کا نسب بھی اس سے ثابت ہو جائے، کیونکہ دونوں جڑواں بچے ہیں۔

اگر جدائی سے پہلے دوسرے بچہ سے واقف ہو جائے اور اس کی نفی کی تو دوبارہ لعان کرایا جائے گا اور لعان کے بعد دونوں بچے ماں کی طرف منسوب ہو گا۔

لعان کے بعد اگر شوہر نے اپنے دعویٰ کی تکذیب کی اور بچہ زندہ ہو تو اس کا نسب شوہر سے ثابت ہو گا اور شوہر کو حد قذف ماری جائے گی خواہ عورت زندہ ہو یا مر گئی ہو۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۳۳

(2) المحیط البرہانی، ۹:۲۷۷

(3) نفس مصدر، ۴:۱۳۴

(4) المحیط البرہانی، ۹:۲۷۳

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۳۴

اگر بچہ مر گیا ہو اور اس نے میراث چھوڑی ہو پھر باپ اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ باپ مال کا دعویٰ کرتا ہے نسب کا نہیں۔ اس لئے کہ بچہ مرنے کی وجہ سے نسب کی شرافت حاصل کرنے سے مستغنی ہے اور صرف دعویٰ سے مال ثابت نہیں ہوتا۔[1]

دفعہ ۵۹: نسب کی انتفاء لعان سے ہوتا ہے اور لعان اصیل اور مملوک کے مابین نہیں ہو سکتا۔[2]

وضاحت:

کسی کے منکوحہ باندی کا بچہ پیدا ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ا۔ اس بچہ کی پیدائش نکاح کرنے کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں ہوئی، اس صورت میں بچہ کا نسب اس آدمی سے مولیٰ کے تصدیق کے بغیر ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ علوق نکاح سے پہلے کا ہے اور اس میں مولیٰ کا تصدیق کرنا لازم ہے۔

۲۔ اگر نکاح کرنے کے بعد بچہ چھ ماہ سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا تو اس کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا خواہ وہ اس کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ نکاح کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، نسب منفی کرنے کی صورت میں دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا کیونکہ لعان اصیل اور مملوک کے درمیان نہیں ہو سکتا۔

اگر مالک نے باندی کو آزاد کر دیا اور پھر اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

ا۔ بچہ آزاد کرنے کے بعد چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا، اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: شوہر اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کرے تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، خواہ باندی نکاح کو برقرار رکھے یا نکاح ختم کرے اور خواہ یہ صورت دعویٰ سے پہلے ہو اور یا بعد میں۔

اب اگر نکاح برقرار رہے تو نکاح علوق اور دعویٰ کے وقت برقرار تھا اور نسب کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے۔

اور اگر باندی نکاح ختم کرے تو اس صورت میں نکاح اگرچہ دعویٰ کے وقت موجود نہیں ہے لیکن علوق کے وقت موجود تھا اس لئے نسب ثابت ہوگا۔

ب: شوہر بچے کے نسب سے انکار کرے، اس صورت میں اگر نکاح برقرار رہا تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اور نکاح ختم کرنے کے لئے دونوں کے درمیان لعان ہوگا۔ نسب ولد نکاح کی وجہ سے ثابت ہوگا اور یہ لعان سے اس لئے منفی نہیں ہو سکتا کیونکہ علوق کے وقت یہ دونوں لعان کے اہل نہیں تھے۔

۲۔ اگر بچہ چھ ماہ سے زیادہ مدت میں ہوا تو اس کا نسب ہر صورت میں اس آدمی سے ثابت ہوگا۔[3]

دفعہ ۶۰: غلام کی کسب کی اضافت شرع میں اس کی طرف ہوتا ہے اور صحت دعویٰ کے لئے یہ کافی ہوتا ہے۔[4]

وضاحت:

عبد مأذون نے ایک باندی خرید کر اس سے وطی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا اس غلام نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ درست ہے، کیونکہ کسب غلام کی اضافت شرع میں اس کی طرف ہوتا ہے اور یہ اضافت دعویٰ کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۵۹:۱۷

(2) نفس مصدر، ۱۳۴:۴

(3) المحیط البرہانی، ۲۷۸:۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۱۳۶:۴

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "کہ جس نے کوئی غلام فروخت کیا اور غلام کے پاس مال ہو تو وہ مال بائع کا ہو گا"۔[1]
اور یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنے بیٹے کی باندی کے بچے کے نسب کا دعویٰ کرے۔[2]

دفعہ ۶۱: شبہ نکاح کے بغیر اقرار سے نسب ثابت ہوتا ہے تو شبہ نکاح سے نسب کا ثابت ہونا اولیٰ ہے۔[3]

وضاحت:

اگر اس باندی کو مولیٰ نے کسی کو بیاہ پر دیا تو یہ ایسا ہے جیسے کسی باندی کا نکاح کرانا، اسی صورت میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو گا۔ کیونکہ جب نکاح کے بغیر صرف اقرار سے نسب ہوتا ہے تو جہاں پر نکاح کا شبہ ہو تو ضرور نسب ثابت ہو گا۔[4]

دفعہ ۶۲: عبد ماذون دعویٰ نسب میں اصیل کی طرح ہوتا ہے۔[5]

وضاحت:

اگر غلام نے اپنے مالک کے علاوہ کسی دوسرے کی باندی کے بچہ کا نکاح فاسد یا جائز سے دعویٰ کیا اور اس مالک نے اس کی تصدیق کی تو نسب اس سے ثابت ہو گا، کیونکہ غلام دعویٰ نسب میں اصیل کی طرح ہوتا ہے۔[6]

دفعہ ۶۳: ثبوت نسب میں ملک رقبی کا اعتبار نہیں کیا جاتا جب نکاح موجود ہو۔[7]

وضاحت:

اپنی مکاتبہ کے بچہ کا دعویٰ کیا اور اس کا شوہر ہو تو نسب ثابت نہیں ہو گا خواہ شوہر اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے، کیونکہ اس کا نسب شوہر سے ثابت ہو گا جس کے لئے فراش ہے اور جہاں پر فراش کا سبب نکاح ہو تو وہاں پر ملک رقبی کا اعتبار نہیں کیا جاتا تاہم بچہ اس کی اقرار کی وجہ سے آزاد ہو گا۔[8]

دفعہ ۶۴: میت سے نسب ثابت کرنے اور اس کے میراث میں حصہ دار بننے کے لئے گواہ پیش کرنا لازمی ہے اگر کوئی خصم موجود ہو۔[9]

وضاحت:

میت سے نسب کا ثبوت گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ تحمیل النسب علی الغیر ہے اور یہ تب ثابت ہو گا جب گواہ موجود ہو، یہی حکم میراث کا بھی ہے۔ اس صورت میں خاص کر جب کوئی دوسرا وارث موجود ہو۔
ایک شخص مر گیا اور اس نے ایک عورت چھوڑی اور اس کا بچہ پیدا ہوا اور وارث نے اقرار کیا کہ اس نے یہ لڑکا میت کے نطفے سے جنا ہے۔ تو منازع نہ ہونے کی صورت میں اقرار کرنے والوں میں کچھ تعداد یا لفظ گواہی شرط نہیں ہے اور اگر مقر کا کوئی منازع موجود ہو تو

---

(1) سنن ترمذی، باب ماجاء فی ابتیاع النخل بعد التأبیر، ۵۳۸:۳، حدیث نمبر: ۱۲۴۴۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ نے اس پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے۔

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۲۰:۱۷

(3) نفس مصدر، ۱۳۶:۴

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۲۰:۱۷

(5) نفس مصدر، ۱۳۶:۴

(6) الأصل للشیبانی، ۶۳:۸

(7) نفس مصدر، ۱۳۷:۴

(8) المبسوط للسرخسی، ۱۲۳:۱۷

(9) فتاویٰ عالمگیری، ۱۳۸:۴

اس صورت میں اقرار کرنے والوں کی تعداد شرط ہے لیکن اس کی عدالت شرط نہیں، اور مقر کا شہادت کے لفظ سے گواہی دینے میں دو قسم کی روایات ہیں۔[1]

دفعہ ۶۵: جب حمل ظاہر نہ ہو اور یا فراش قائم نہ ہو تو صرف دائی کی گواہی سے نسب ثابت نہ ہو گی مگر یہ کہ مولیٰ اقرار کرے۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی ام ولد چھوڑ کر مر گیا اور مرنے سے دو برس تک کے درمیاں ایک بچہ جنا اور وارثوں نے اس کے نسب کا انکار کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک میت سے اس کا نسب ثابت نہ ہو گا اور دائی کی گواہی سے وارث نہ ہو گا جب تک دو گواہ گواہی نہ دے، ہاں اگر مولیٰ نے اقرار کیا تھا تو پھر اس سے نسب ثابت ہو گا۔ اور اگر ورثاء اقرار کریں تو ان کا اقرار میت کا اقرار ہے کیونکہ وہ اس کے خلفاء ہیں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان سب صورتوں میں دائی کی گواہی قبول کی جائے گی۔[3]

دفعہ ۶۶: جہاں ایک سے نسب کا ثبوت مشکل ہو تو اس بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہو گا۔[4]

وضاحت:

دو عورتوں نے ایک بچہ پر ثبوت نسب کا دعویٰ کیا اور ہر ایک عورت نے دو دو گواہ قائم کئے تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی سے نسب ثابت نہ ہو گا، کیونکہ ایک بچہ دو عورتوں کا نہیں ہو سکتا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں سے اس کا نسب ثابت ہو گا۔

اگر ہر ایک نے ایک عورت گواہی میں پیش کی تو امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک روایت کے مطابق کسی سے نسب ثابت نہیں ہو گا اور دوسری روایت کے مطابق دونوں سے نسب ثابت ہو گا۔[5]

دفعہ ۶۷: ثبوت نسب میں مدّعی کا دعویٰ مالک کی تصدیق کے بغیر صحیح ہوتا ہے اگر علوق مدّعی کی ملک میں ہوا ہو۔[6]

وضاحت:

باپ کی باندی کے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر اس کے بیٹے نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو باپ کے تصدیق کے بغیر اس کا دعویٰ صحیح نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر بیٹے نے نکاح کا دعویٰ کیا تو بھی باپ کے تصدیق کے بغیر اس کا دعویٰ درست نہیں ہو گا۔ کیونکہ ثبوت نسب میں مدّعی کا دعویٰ مالک کی تصدیق کے بغیر اس وقت درست ہو گا جب علوق مدّعی کی ملک میں ہوا ہو ورنہ مالک کی تصدیق ضروری ہے۔[7]

دفعہ ۶۸: جب نسب ثابت کرنے والے اسباب میں دونوں برابر ہو تو ایک کو ترجیح وطی یا خلوت صحیحہ سے دی جائے گی۔[8]

وضاحت:

ایک عورت کو یہ خبر آئی کہ اس کا شوہر وفات ہو چکا ہے اس نے عدت کے بعد نکاح کیا اور اس کا بچہ پیدا ہوا، اس کے بعد وہ پہلا شوہر آیا تو اس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟

---

(1) المحيط البرهاني، ۹:۲۴۸

(2) نفس مصدر، ۴:۱۳۸

(3) المبسوط للسرخسي، ۱۷:۱۳۹

(4) نفس مصدر، ۴:۱۳۹

(5) المحيط البرهاني، ۹:۴۰۰

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۳۹

(7) المحيط البرهاني، ۹:۳۷۰

(8) نفس مصدر، ۴:۱۴۰

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بچہ پہلے شوہر کا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر نکاح ثانی سے ولادت تک چھ ماہ سے کم میں ہوا ہو تو پہلے شوہر کا ہو گا اور اگر زیادہ مدت میں ہوا ہو تو دوسرے شوہر کا ہو گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر دوسرے کی وطی کے وقت سے دو برس سے کم میں ہوں تو پہلے شوہر کا اور اگر زیادہ ہوں تو دوسرے شوہر کا ہے۔ ان میں اصح قول امام محمدؒ کا ہے۔

اس لئے اول کے لئے اگرچہ فراش ثابت تھا لیکن وطی نہ حقیقت میں ثابت تھی اور نہ حکم میں، کیونکہ وہ غائب تھا۔[1]

دفعہ ۶۹: مفقود کے بچوں کا نسب دوسرے آدمی سے ثابت ہو گا۔[2]

وضاحت:

شوہر نے ایک عورت چھوڑی اور خود کئی برسوں تک غائب رہا اس مدت میں اس عورت نے دوسرے آدمی سے نکاح کیا اور اس سے بچے پیدا ہوئے، ایک زمانہ کے بعد وہ پہلا شوہر لوٹا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ سب بچے پہلے شوہر کے ہوں گے اور دوسرا ان کو زکوۃ بھی دے سکتا ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ دوسرے شوہر کے ہوں گے اور اسی کی طرف امام ابو حنیفہؒ نے رجوع کیا تھا۔[3]

باب ۱۵: دعویٰ استحقاق کے بیان میں:

دفعہ ۷۰: مبیع میں کوئی استحقاق کا دعویٰ کرے تو مشتری ثمن میں رجوع کر سکتا ہے، لیکن اگر استحقاق ایسے سبب سے ہو جو شراء سے مقدم ہو۔[4]

وضاحت:

مشتری نے بیع کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ مبیع میں کسی استحقاق کا دعویٰ کیا ہے اور بائع سے ثمن واپس لینا چاہا تو وہ استحقاق کی وضاحت اور اس کا سبب بیان کرے گا، پھر اگر اس نے اسے سبب کا ذکر کیا جو شراء سے مقدم ہو تو اس کا دعویٰ صحیح ہو گا، اور مشتری اس سے ثمن واپس لے سکتا ہے اور مبیع کا حاضر کرنا ضروری نہیں۔ اگر ثمن دینے میں تاخیر کرتا ہے تو بائع کو ثمن ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۷۱: استحقاق کی وجہ سے اعیان میں شرکت لازم ہو جاتا ہے اور اعیان میں شرکت عیب ہے اس لئے اس صورت میں مشتری کو اختیار ہو گا۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے سے ایک گھر ایک غلام کے عوض خریدا اور ایک نے گھر پر اور دوسرے نے غلام پر قبضہ کر لیا۔ گھر پر مستحق نے دعویٰ کیا کہ اس گھر میں آدھا میرا ہے اور استحقاق کی وجہ سے اس سے آدھا گھر لے لیا تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ وہ باقی آدھے گھر کو نصف غلام کے بدلے میں لے اور یا چھوڑ دے۔ کیونکہ استحقاق کو وجہ سے اس میں شرکت پیدا ہوا اور شرکت کی وجہ سے اس میں عیب پیدا ہوا، اسی عیب کی وجہ سے مشتری کو اختیار حاصل ہے۔[7]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۶۲:۱۷

(2) نفس مصدر، ۱۴۰:۴

(3) قرۃعین الأخیار، ۲۱۴:۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۱۴۱:۴

(5) المحیط البرهانی، ۶۱:۹

(6) نفس مصدر، ۱۴۱:۴

(7) المحیط البرهانی، ۶۰:۹

دفعہ ۷۲: استحقاق کے ثبوت سے جس قدر بیوعات واقع ہوئی ہوں فسخ ہونا واجب نہیں ہیں۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے سے کوئی چیز خریدی پھر مشتری نے دوسرے کے ہاتھوں فروخت کیا، اب مشتری اول نے مشتری ثانی سے وہ چیز خریدی اس کو کسی نے استحقاق میں لے لیا۔ تو ایک روایت کے مطابق جتنے بھی بیوعات واقع ہوئی ہیں اس کو فسخ کیا جائے گا۔

راجح قول کے مطابق مستحق کے مالک ہونے کا حکم کیا جائے گا اور تمام بیوعات کا فسخ کرنا واجب نہیں۔[2]

دفعہ ۷۳: ملک مطلق میں قابض پر گواہوں کے ذریعہ فیصلہ کرنا، یہ اس پر اور جس کی طرف سے یہ چیز اس کی ملکیت میں آیا ہے فیصلہ تصور کیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے سے غلام خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا اور ایک شخص نے کہا کہ اگر اس میں کسی قسم کے استحقاق کا دعویٰ کیا گیا تو میں تیرے لئے ثمن کا ضامن ہو گا پھر اس کو فروخت کیا گیا لیکن اس وقت کسی نے اس پر استحقاق کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ سب پر دعویٰ تصور کیا جائے گا۔ اور ہر ایک اپنے بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا۔[4]

دفعہ ۷۴: دعویٰ استحقاق کے بعد مشتری نے مستحق کے حق میں اقرار کیا یا نکول قسم، تو بائع سے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔[5]

وضاحت:

مشتری نے مستحق کے لئے اس چیز کا اقرار کر لیا اور اس سے قسم طلب کی گئی اور اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اس کے بعد اگر وہ بائع سے ثمن واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

اسی طرح اگر باندی کا کوئی مستحق پیدا نہیں ہوا لیکن اس نے اپنی حریت کا دعویٰ کیا اور مشتری نے اس کا اقرار کیا اور یا قسم کھانے سے انکار کیا اور قاضی نے اس کی حریت کا فیصلہ کر لیا تو بائع سے اس کی قیمت واپس نہیں لے سکتا۔

مستحق نے مشتری پر دعویٰ کیا کہ یہ میری باندی ہے میں نے اس کو آزاد، مدبر اور یا ام ولد بنایا ہے اور مشتری نے اس کا اقرار کیا اور یا قسم سے انکار کیا تو بھی بائع سے ثمن واپس نہیں لے سکتا۔[6]

دفعہ ۷۵: فرع قضا میں اصل کے تابع ہوتے ہیں۔[7]

وضاحت:

ایک باندی خریدی اور اس نے بچہ جنا اور درخت خریدنے کے بعد اس پر پھل نکل آئے، اسی وقت ایک شخص نے گواہ پیش کر کے مستحق ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھل درخت پر اور بچہ باندی کے قبضہ میں تھا۔ قاضی نے باندی اور درخت کا فیصلہ مستحق میں کیا تو اصل کے تابع ہونے کی وجہ سے پھل اور بچہ کا مستحق حقدار قرار دیا جائے گا۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۴۱

(2) المحیط البرہانی، ۹:۶۲

(3) نفس مصدر، ۴:۱۴۲

(4) المحیط البرہانی، ۹:۶۳

(5) نفس مصدر، ۴:۱۴۳

(6) فتح القدیر، ۷:۶۷

(7) نفس مصدر، ۴:۱۴۴

ایک قول یہ ہے کہ فرع کا فیصلہ الگ ہونا چاہیے چنانچہ اس صورت میں کہ پھل یا بچہ دوسرے کے قبضہ میں ہو تو فرع کا حکم جدا ہونا شرط ہے۔[1]

دفعہ ۷۶: جس کا ملک کسی غیر کے ملک کے ساتھ متصل ہو جائے۔ انفصال میں ضرر ہو تو جدا نہ کیا جائے گا اور اگر انفصال میں نقصان نہ ہو تو جدا کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

جس کا ملک کسی غیر کے ملک کے ساتھ متصل ہو جائے اور اس کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہو، اب اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اس کو ایک دوسرے سے جدا کرنا نقصان کے بغیر ممکن نہ ہو اور باقی رکھنے میں شرکت کا نقصان ہو تو اصل مالک قیمت کے ذریعے اس کا مالک ہو گا اور اس کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۲۔ اگر ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں نقصان نہ ہو تو مالک کو اس کی قیمت ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس سے بہت سے مسائل کا استنباط ہوتا ہیں:

۱۔ مستأجر کا درخت لگانا اور مدت گزرنے کے بعد اس کا اکھاڑنا۔

۲۔ مستعیر کا عمارت بنانا اور عاریت کی مدت ختم ہونے کے بعد اس کا حکم۔

۳۔ مشتری کا مشفوعہ زمین میں کوئی چیز بنانا۔

۴۔ غاصب سے مشتری نے زمین خریدی اور اس میں کوئی چیز بنائی اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مغصوبہ زمین ہے۔[3]

ان سب صورتوں میں اگر مالک زمین کو ضرر ہو تو وہ دوسرا فرد مقلوع درختوں کی قیمت دے گا اور اگر کوئی تعمیر ہو تو گرائے گئے تعمیر کی قیمت دے گا۔ اور مالک کہے کہ اس کو اکھاڑ و تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۷۷: مشتری کی طرف سے کفیل ثمن کا ضامن ہوا اور کفیل نے ثمن ادا کی تو استحقاق کی صورت میں مشتری بائع سے ثمن نہیں لے سکتا۔[5]

وضاحت:

ایک شخص نے دوسرے سے ایک غلام ہزار درہم میں خریدا اور مشتری کے حکم سے کسی کفیل نے اس کی طرف سے ثمن کی ضمانت کر لی اور کفیل نے بائع کو ثمن ادا کر دیا اور غائب ہو گیا، کسی نے غلام کو مشتری سے استحقاق ثابت ہونے کی وجہ سے لے لیا اور یا وہ آزاد، مدبر اور یا مکاتب نکلا، یا باندی تھی اور ام ولد ثابت ہوئی، ان صورتوں میں مشتری نے بائع سے ثمن واپس لینا چاہا۔ اگر کفیل نے مشتری سے لے کر ثمن ادا کیا تھا تو بائع سے مشتری ثمن لے سکتا ہے اور اگر کفیل نے مشتری سے نہ لیا ہو تو مشتری بائع سے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کفیل کو حاضر ہونے کے بعد اختیار ہے وہ جس سے لینا چاہے لے سکتا ہے، اگر اس نے بائع سے لے لیا تو وہ مشتری سے نہیں لے سکتا اور اگر کفیل نے مشتری سے لے لیا تو مشتری بائع سے واپس لے گا۔

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۶۴

(2) نفس مصدر، ۴:۱۴۴

(3) القواعد لابن رجب، زین الدین، عبد الرحمٰن بن احمد، ۱:۱۴۹، دار الکتب العلمیہ

(4) مجمع الضمانات، ۱:۱۴۹

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۴۵

اسی طرح اگر کفیل نے دام ادا کیا اور غائب ہو گیا لیکن غلام قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا تو مشتری کو اختیار ہے کہ وہ بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے خواہ کفیل نے مشتری سے لیا ہو یا نہ لیا ہو۔

کفالت اگر مشتری کے حکم سے ہو تو ان کا مذکورہ بالا حکم ہے۔ اگر کفالت مشتری کے حکم کے بغیر ہو تو کفیل ثمن کا مطالبہ صرف بائع سے کر سکتا ہے مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔(1)

دفعہ ۷۸: مبیع میں کوئی استحقاق کا دعویٰ کرے تو مشتری ثمن میں رجوع کر سکتا ہے، لیکن اگر استحقاق ایسے سبب سے ہو جو شراء سے مؤخر ہو تو پھر رجوع نہیں کر سکتا۔(2)

وضاحت:

مشتری سے مبیع استحقاق کی وجہ سے مستحق نے لے لیا تو مشتری پر استحقاق کا سبب بیان کرنا لازمی ہے اگر وہ ایسا سبب بیان کرے جو شراء سے مؤخر ہو تو پھر بائع پر ثمن کے لئے رجوع نہیں کر سکتا۔(3)

باب ۱۶: دعویٰ غرور کے بیان میں:

ولد مغرور کی تعریف: مغرور ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو ملک یمین یا ملک نکاح کے اعتماد پر کسی عورت سے صحبت کرے اور اس سے بچہ پیدا ہو جائے، پھر وہ عورت کسی اور کی نکل آئے۔(4)

دفعہ ۷۹: عام بچوں کی قیمت ولادت کے دن کا معتبر ہو گا اور ولد مغرور میں خصومت کے دن کی قیمت معتبر ہو گی۔(5)

وضاحت:

ایک آدمی نے باندی شراء فاسد یا جائز سے خریدی یا ہبہ اور وصیت سے اس کا مالک ہوا اس سے کئی اولاد پیدا ہوئے، پھر کسی نے استحقاق ثابت کیا اور باندی مستحق کی ہو گئی۔ مگر جب یہ ثابت ہو کہ اس نے دھوکا کھایا ہے اور اس پر گواہ قائم کئے تو اس وقت قاضی مستحق کے لئے باندی، بچہ کی قیمت اور عقر لازم کرے گا۔ مشتری اس کو بائع سے واپس نہیں لے سکتا۔ خریدنے کی صورت میں بچہ کی قیمت لے سکتا ہے لیکن اس کی قیمت وہ معتبر ہو گی جو جھگڑے کے روز ہے۔ کیونکہ مخاصمت اور دعویٰ کے دن ہی اس کے استحقاق کا علم ہو گا اور یہی دن روکنے کا دن ہے، اس کی مثال ایسی ہے، اگر کسی غصب کردہ باندی سے وطی کیا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ بھی مضمون بالمنع ہو گا اور اسی دن کی قیمت واجب ہو گی۔(6)

دفعہ ۸۰: اصل میں استحقاق کا ثبوت متولد میں بھی استحقاق شمار کیا جائے گا۔(7)

---

(1) المحيط البرهاني، ۹:۷۴

(2) نفس مصدر، ۴:۱۴۶

(3) المحيط البرهاني، ۹:۶۱

(4) البناية شرح الهداية، ۱۳:۳۶۹

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۴۷

(6) فتح القدير، ۸:۳۱۴

(7) نفس مصدر، ۴:۱۴۸

وضاحت:

ایک عورت نے ایک شخص کو دھوکہ دے کر کہا کہ میں آزاد ہوں اس نے اس عورت سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، بعد اس کے مالک نے آکر دعویٰ کیا کہ یہ میری باندی ہے اور گواہوں کے ذریعہ یہ بات ثابت کی تو اس کا فیصلہ مالک کے لئے کیا گیا تو یہ فیصلہ بچہ کے حق میں بھی ہو گا، کیونکہ بچہ تو اس کا جزء ہے تو اس لئے فیصلہ اس کے حق میں مقبول ہو گا۔

ہاں اگر شوہر نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ میں نے اس وجہ سے نکاح کیا تھا کہ یہ آزاد ہے تو غرور ثابت ہو گا اس صورت میں بچہ آزاد ہو گا اور باپ پر اس کی قیمت لازم ہو جائے گی اور فی الحال باپ کے مال سے ادا کرنے کا حکم کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۸۱: ولد مغرور کے مخاصمت کے دن سے پہلے مر جانے کی صورت میں باپ پر ضمان نہ ہو گا۔[2]

وضاحت:

اگر مخاصمت کے دن سے پہلے وہ بچہ مر جائے تو باپ پر ضمان نہیں ہو گا کیونکہ یہ مضمون تو ہے لیکن مضمون بالمنع ہے اور مخاصمت سے پہلے مر جانے کی وجہ سے چونکہ منع معدوم ہے اس لئے باپ ضامن نہیں ہو گا۔

اسی طرح اگر وہ بچہ مر گیا اور اس نے وراثت میں مال چھوڑا تو بھی باپ ضامن نہیں ہو گا اور باپ اس مال کا وارث ہو گا، کیونکہ بچہ کا حق حریت اصل ہے۔ اورانت ومالک لأبیک کی وجہ سے باپ اس کے مال کا مستحق ہو گا۔

ہاں اگر باپ اسے قتل کر دے تو منع پایا جائے گا اور وہ ضامن ہو گا اور اگر دوسرے نے قتل کیا اور باپ نے دیت لے لی تو بھی ضامن ہو گا، کیونکہ دیت ولد کا بدل ہے اور بدل کا روکنا اصل کی روکنے کی طرح ہے، اس لئے اصل کی طرح بدل کے روکنے کی صورت میں باپ ضامن ہو گا تو باپ مستحق کو بچہ کی قیمت کا تاوان دے گا اور جب باپ ضمان دے کر فارغ ہو جائے گا تو اب بائع کو پکڑے گا اور اس سے اس بچہ کا ضمان بھی واپس لے گا اور باندی کا ثمن بھی۔

اس لئے کہ بائع نے بیع کی سلامتی کا ضامن بن کر اس کو دھوکہ دیا ہے اور مبیع سالم نہیں تھا، لیکن باندی کا جو عقر اس نے مستحق کو دیا ہے اس کو بائع سے نہیں لے سکتا کیونکہ اس کے بدلے میں اس نے باندی سے فائدہ اٹھایا ہے۔[3]

دفعہ ۸۲: مستحق دوسرے غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہو گا۔[4]

وضاحت:

مستولد مر گیا اور اس پر دیون تھے تو مستحق دوسرے غرماء کے ساتھ برابر شریک ہو گا، اس لئے کہ بچہ کی قیمت بھی میت کے ذمہ مستحق کا قرض ہے تو یہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ دین کا مطالبہ کرنے والا ہے۔[5]

دفعہ ۸۳: ولد مغرور غیر مستحق کے حق میں تمام احکامات میں آزاد ہو گا اور مستحق کے حق میں غلام ہو گا ماسوائے حق ضمان کے، کہ اس میں وہ اصیل متصور کیا جائے گا۔[6]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۷۷

(2) نفس مصدر، ۴:۱۴۸

(3) المحیط البرهانی، ۹:۳۸۶

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۴۸

(5) المحیط البرهانی، ۹:۳۸۶

(6) نفس مصدر، ۴:۱۴۸

وضاحت:

لڑکے کا ولاء باندی کے مولیٰ کو نہیں ملے گی اگرچہ آزادی اس کے مولیٰ کی طرف سے اعتبار کی گئی ہے اس لئے کہ آزادی مستحق کی طرف سے اعتبار کرنا صرف اس لئے ہے کہ مستولد پر ضمان واجب ہونا ممکن ہو مگر باقی احکام میں لڑکے کا حکم آزاد افراد کی طرح ہے اور اسی سے ہم نے کہا کہ مستولد سے مستحق کو قیمت ولد کی ضمان لینے کا اختیار ہے۔ لیکن اگر مستحق اس بچہ کا کوئی ذی رحم محرم ہو تو قرابت کی وجہ سے یہ اعتبار نہیں ہو سکتا کہ مستحق کی طرف سے بچہ آزاد ہو لہذا ضمان نہیں لے سکتا۔[1]

دفعہ ۸۴: عدم سلامتی مبیع کی صورت میں مشتری بائع سے ثمن وصول کرنے کا حق دار ہو گا نہ کہ باندی سے۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی کو باندی نے دھوکہ دیا اور کہا کہ میں فلاں کی باندی ہوں اس آدمی نے باندی اس متعین کردہ شخص سے خرید لیا اور ام ولد بنایا پھر کسی نے استحقاق ثابت کر کے اس باندی کو لے لیا تو یہ بندہ اپنا ثمن اور بچہ کی قیمت اس متعین کردہ شخص سے لے گا نہ کہ باندی سے کیونکہ بائع مبیع کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے اور عقد معاوضہ کی وجہ سے بائع نے یہ بات اپنے اوپر لازم کی تھی نہ کہ باندی نے۔ اس لئے کہ باندی نے جھوٹی خبر دی تھی اور صرف یہ خبر بچہ کی قیمت کا ضامن نہیں بنا سکتا۔[3]

دفعہ ۸۵: عقود تبرّع میں چونکہ عوض نہیں ہوتا اس لئے متبرع کی گئی چیز کی سلامتی متبرع پر لازم نہیں۔[4]

وضاحت:

ایک باندی دو آدمیوں نے خریدی پھر ایک نے اپنا حصہ دوسرے شریک کو ہبہ کیا اور باندی کی اس سے اولاد ہوئی۔ اس کے بعد ایک شخص نے استحقاق کے ذریعہ باندی اور بچہ کی قیمت لے لی تو جس نے ام ولد بنایا ہے وہ آدھے ثمن اور بچہ کی آدھی قیمت کا مطالبہ بائع سے کرے گا اور ہبہ کرنے والے سے کچھ نہیں لے سکتا اس لئے کہ وہ متبرع ہے اور متبرع پر ضمان لازم نہیں ہوتا، تاہم واہب بائع سے باندی کی آدھی قیمت لے سکتا ہے اور اولاد کا کچھ نہیں لے سکتا۔[5]

دفعہ ۸۶: اختلاف کی صورت میں مستحق کا قول قبول کیا جائے گا، کیونکہ سبب ملک ظاہر ہے اور وہ باندی کا مستحق ہونا ہے۔[6]

وضاحت:

ایک باندی کا بچہ پیدا ہوا اور پھر اس پر استحقاق کا دعویٰ کیا گیا۔ جماع کرنے والے نے کہا کہ میں نے یہ باندی فلاں سے خریدی ہے اس نے اس واطی کی تصدیق کی لیکن مستحق نے انکار کیا تو بچہ مستحق کا غلام قرار دیا جائے گا اور مستحق سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ واللہ! میں نہیں جانتا کہ اس نے یہ باندی فلاں آدمی سے خریدا ہے۔

اگر مستحق نے اقرار اور بائع نے انکار کیا تو بچہ آزد ہو گا اور باپ پر اس کی قیمت لازم ہو گی۔ اور اگر مستحق نے اقرار کیا اور ان دونوں نے انکار کیا تو بچہ قیمت کے بغیر آزاد ہو گا۔[7]

---

(1) المحیط البرہانی، ۶:۳۸۷

(2) نفس مصدر، ۴:۱۴۸

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۸۳

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۴۸

(5) المحیط البرہانی، ۹:۳۸۸

(6) نفس مصدر، ۴:۱۴۹

(7) المحیط البرہانی، ۹:۳۹۳

دفعہ ۸۷: مکاتب، مأذون نے مولیٰ کی اجازت سے اپنے گمان کے مطابق نکاح کیا اور بچہ جنا پھر کسی نے استحقاق سے اس باندی کو لے لیا تو اس کا بچہ غلام رہے گا۔(1)

وضاحت:

اگر مکاتب اور مأذون نے مولیٰ کی اجازت سے اپنے گمان کے مطابق کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی اور پھر عورت میں استحقاق ثابت ہوا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بچہ غلام ہو گا اور کوئی قیمت لازم نہ ہو گی۔

امام محمدؒ کے نزدیک بچہ آزاد ہو گا اور اس کی قیمت ابھی مستحق کو دیا جائے گا اگر مالک کی اجازت سے نکاح کیا ہو اور اگر مولیٰ کی اجازت کے بغیر کی ہو تو آزادی کے بعد ادا کرے گا۔(2)

دفعہ ۸۸: ہر وہ عقد جو مؤکل کی طرف منسوب کرنے کا محتاج نہ ہو تو اس میں حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔(3)

وضاحت:

ہر وہ عقد جو مؤکل کی طرف منسوب کرنے کا محتاج نہ ہو اور اس میں وکیل کا اپنی طرف اضافہ کرنا کافی ہوتا ہے، جیسے بیوعات، اشربہ، اجارہ اور صلح اقرار کی صورت میں حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اس پر مبیع کا سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا اور عیب کی صورت میں مخاصمت کرنا۔(4)

کسی نے دوسرے کو باندی خریدنے کا وکیل بنایا اس نے مؤکل کے لئے باندی خریدی۔ مؤکل نے اس کو ام ولد بنایا پھر کسی نے استحقاق ثابت کر کے باندی اور بچہ کی قیمت مؤکل سے لے گا اور باندی کا عقر بھی اس پر لازم ہو گا۔ لیکن مؤکل یہ سب چیزیں بائع سے وصول کرے گا، لیکن وکیل اس کی خصومت کرے گا۔(5)

دفعہ ۹۰۔ ا۔ مضارب مستحق کا لیا گیا ثمن بائع سے لے کر مال مضاربت میں شریک کرے گا۔

۲۔ نفوذ عتق ایک حکمی چیز ہے اس میں مضارب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔(6)

وضاحت:

ایک شخص نے دوسرے کو مضاربت بالنصف پر ہزار دراہم دیئے مضارب نے اس سے ایک باندی خریدی جو تقریباً دو ہزار کی تھی۔ مضارب نے اس کو ام ولد بنایا پھر کسی نے استحقاق ثابت کر کے باندی واپس لے لی تو بچہ قیمت سے آزاد ہو گا۔ اور بائع سے ثمن لے کر مال مضاربت میں شریک کرے گا اور بائع سے چوتھائی قیمت لے گا اور یہ مضارب کا ہی ہو گا۔

اگر باندی میں زیادت کی گئی ہو تو مستحق باندی کو اس کے بچہ سمیت لے گا اور مضارب سے نسب ثابت نہیں ہو گا کیونکہ اس نے ام ولد بنایا اور اس کو معلوم ہے کہ وہ اس میں کسی چیز کا مالک نہیں، اس لئے اس کا نسب ثابت نہیں ہو گا اور بچہ غلام ہو گا۔

اگر رب المال نے خود اس کو ام ولد بنایا، پس اگر باندی میں زیادتی نہ ہو تو بچہ آزاد نہ ہو گا اور رب المال پر اس کی قیمت واجب ہو گی اور بائع

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۴۹

(2) تبيين الحقائق، ۵:۱۶۰

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۴۹

(4) تحفة الفقهاء، ۳:۲۳۵

(5) المحيط البرهاني، ۹:۳۹۲

(6) نفس مصدر، ۴:۱۵۰

سے ثمن اور بچہ کی قیمت واپس لے گا اور خصومت کرنے والا مضارب ہو گا۔[1]

دفعہ ۹۱: مسلمان اور ذمی غرور کے باب میں ایک حکم رکھتے ہیں۔[2]

وضاحت:

دنیوی احکام میں ذمہ اسلام کا نائب ہوتا ہے اور غرور کے احکام کا تعلق دنیا سے ہے تو اس وجہ سے مسلمان اور ذمی غرور کے باب میں برابر ہو گا۔[3]

باب ۱۷: متفرقات کے بیان میں۔

دفعہ ۹۱: جب دو وصیتوں کی تکمیل پر فیصلہ کرنا مشکل ہو اور شرکت بھی نہ ہو سکتا ہو تو ان میں اس پر عمل کیا جائے گا جس کی وصیت گواہوں سے ثابت ہو جائے۔[4]

وضاحت:

جب کوئی شخص مر جائے اور اس نے بہت سی وصیتیں کی تو وصیت چونکہ ثلث مال میں نافذ ہوتی ہے۔ اس لئے ثلث مال دیکھا کو جائے گا اور اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

۱۔ ایک یہ کہ ساری وصیتوں کو ثلث مال پوری کر سکیں گا، اگر ثلث مال سے پوری ہو سکتا ہو تو اس سے پورا کیا جائے گا۔ خواہ وصایا کا تعلق عبادات سے ہوں، جیسے حج، زکوۃ، روزہ، نماز، کفارات، نذور، قربانی، مسجد تعمیر کرنا اور یا عتق کا، اور یا وصایا کا تعلق بندوں سے ہو جیسے زید، عمرو، خالد اور بکر کے لئے وصیت کرنا۔

۲۔ دوسری صورت یہ کہ ساری وصیتیں ثلث مال سے پوری نہ ہو سکیں لیکن ورثاء نے اس کی اجازت دی تو پھر اس کو نافذ کیا جائے گا۔

اگر وصیتیں ثلث مال سے پوری نہ ہو سکتی ہوں اور ورثاء بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

ا۔ وصایا کا تعلق عبادات سے ہو تو اگر میں فرائض، نوافل عبادات ہو تو فرائض مقدم کئے جائے گے اور اگر ساری عبادات فرائض سے ہو تو پھر جو مقدم کرے اس کا اعتبار ہو گا۔

اگر ان کا تعلق بندوں سے ہو تو ثلث مال سے اگر پورا ہو سکتا ہو تو تہائی سے پورا کرے گا، اور اگر پورا نہ ہو سکے تو اس کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۹۲: غصب کی دعویٰ کی صورت میں ایک نے قسم کھائی اور دوسرے نے نکول کیا تو مدّعی پوری چیز کا مالک ہو گا۔[6]

وضاحت:

ایک شخص نے دو بیٹے اور دو گھر چھوڑے اس پر کسی نے دعویٰ کیا کہ ان کے باپ نے یہ گھر مجھ سے غصب کر لیا ہے اور دونوں سے قسم لی پس ایک نے قسم کھائی اور دوسرے نے انکار کیا تو مدّعی قسم کا انکار کرنے والے کا حصہ لے گا اور بقیہ آدھا حصہ انکار کرنے والے کا

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۸۲

(2) نفس مصدر، ۴:۱۵۱

(3) المحیط البرهانی، ۹:۳۹۰

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۵۱

(5) بدائع الصنائع، ۷:۳۷۱

(6) نفس مصدر، ۴:۱۵۲

فروخت کرکے لے گا تو گویا اس کو پورا گھر ملا، کیونکہ اقرار کرنا ایسا ہے کہ گویا وہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کے باپ نے یہ غصب کئے ہیں۔

اگر مدّعی نے غصب کا دعویٰ نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ یہ گھر میرا ہے تو مدّعی کو قسم سے انکار کرنے والے کا دوسرے گھر کا نہیں ملے گا۔[1]

دفعہ ۹۳: ورثاء اس صورت میں خصم بن سکتے ہیں جب میت کا کسی پر حق ہو اور یا کسی کا اس پر حق ہو اور اگر ان میں سے کسی پر استحقاق کا دعویٰ کیا جائے تو وہ ایک دوسرے کی طرف سے خصم نہیں بن سکتے۔[2]

وضاحت:

گھر ورثاء کے قبضہ میں ہو اور ان ورثاء میں سے ایک غائب ہو تو ایک شخص نے آکر دعویٰ کیا کہ میں نے غائب کا حصہ غائب سے خریدا ہے اور اس پر گواہ قائم کئے، تو یہ گواہ مقبول ہوں گے کہ نہیں۔ تو اس میں دو آراء ہیں:

۱۔ یہ ورثاء اگر غائب کے حصہ کا اقرار کرتے ہوں تو اس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے کیونکہ یہ غائب پر اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ اس سے شراء ثابت ہو جائے اور اس کی طرف سے کوئی خصم نہیں ہے۔

۲۔ ورثاء اگر غائب کے حصہ کے منکر ہوں تو پھر گواہ قبول کئے جائیں گے، کیونکہ انکار کی صورت میں یہ اس کی طرف سے خصم ہوں گے۔ اور اگر غائب نے حاضر ہونے کے بعد انکار کیا تو اس کا قول قبول نہ ہو گا۔[3]

دفعہ ۹۴: مرتہن جب رہن کا انکار کرے تو مرہونہ کو اپنے پاس رکھنے کا حق نہیں۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے پر کسی متعین چیز کا دعویٰ کیا کہ یہ میری ملک ہے، کیونکہ یہ میرے باپ کی ملکیت ہے اس نے آپ کے پاس رہن رکھا تھا۔ میرا باپ مر چکا ہے اور اس نے یہ چیز میراث میں میرے لئے چھوڑی ہے اور میرے علاوہ اس کا کوئی وارث ہے۔

قابض مدّعی کی دونوں باتوں سے منکر ہے اور مدّعی نے اس پر گواہ قائم کئے کہ یہ میرے باپ نے اس کے پاس رہن رکھا ہے تو مدّعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ مرتہن جب رہن کا انکار کرے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مرہونہ کو اپنے پاس رکھے۔[5]

دفعہ ۹۵: متولی ہر اس شخص کا خصم ہوتا ہے جو وقف کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی نے ایک مقبوضہ زمین پر دعویٰ کیا کہ یہ میری ملک ہے اور مدّعیٰ علیہ کے قبضہ میں ناحق ہے، مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ میری ملک نہیں ہے یہ وقف کی زمین ہے اور میں اس کا متولی ہوں، قاضی نے اس پر مدّعیٰ علیہ سے گواہ طلب کئے لیکن اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔ قاضی حکم کرے گا کہ اس کو مدّعی کے حوالہ کرے اور اس کی قبضہ میں رہے گا جب تک اس پر گواہ قائم کرے۔ مدّعی پر لازم ہے کہ مدّعیٰ علیہ پر اپنی ملک کے دعویٰ کے گواہ قائم کرے اور ایسے گواہ مقبول ہوں گے۔[7]

---

(1) المحیط البرہانی،۹:۳۹۹

(2) نفس مصدر،۴:۱۵۳

(3) المحیط البرہانی،۹:۵۸

(4) نفس مصدر،۴:۱۵۳

(5) المحیط البرہانی،۹:۴۰۵

(6) نفس مصدر،۴:۱۵۳

(7) المحیط البرہانی،۹:۳۹۷

دفعہ ۹۶: مدّعیٰ علیہ مدّعی کے دعویٰ کا اقرار کرے ایک قبضہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا خرید کا دعویٰ کرے تو مبیع مدّعی کے سپرد کرے گا۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی کے قبضہ میں گھر تھا اس پر کسی نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور قابض کو قاضی کے پاس لایا، قابض نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس کی ملکیت تھی لیکن میں نے اس سے خریدا ہے اور کہا کہ اس پر میرے پاس گواہ ہے۔ قابض کی اقرار کو دیکھتے ہوئے کیا اس گھر کو مدّعی کے حوالے کیا جائے گا، یہ قیاس کا تقاضا ہے اور استحسان یہ ہے کہ مدّعیٰ علیہ کے پاس چھوڑا جائے گا اور اس سے کفیل لے کر تین دن کی مہلت دے گا، یہاں تک کہ وہ اس پر گواہ قائم کرے۔[2]

دفعہ ۹۷: ہبہ، صدقہ اور خرید کی صورت میں ثمن معلوم پر گواہ قائم کرنے کے بغیر استحقاق ثابت نہیں ہو سکتا۔[3]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے کے مقبوضہ غلام پر دعویٰ کیا کہ یہ فلاں آدمی کی ملکیت ہے اور فلاں نے کہا کہ یہ مدّعی کی ملکیت ہے اور مدّعیٰ علیہ اس سے منکر ہے۔ مدّعی نے کہا کہ اگرچہ اس نے میرے لئے اقرار کیا ہے، لیکن میں ہبہ، صدقہ اور یا خرید سے مالک ہوا ہو تو اس صورت میں استحقاق اس وقت ثابت نہ ہو گا جب تک ہبہ، صدقہ اور یا خرید کے ثمن معلوم کے گواہ قائم نہ کرے، گواہ قائم کرنے کے بعد قاضی ثمن لے کر غلام کو سپرد کرے گا۔[4]

دفعہ ۹۸: گواہی دینے کے بعد اپنی گواہی کے خلاف بیان دینے سے پہلی گواہی رد نہیں کی جائے گی۔[5]

وضاحت:

کسی معین غلام کی نسبت اقرار کی گواہی دی اور اس کا نام اور ایسا وصف یا صناعت بیان کی جس میں وہ معروف ہوں۔ اس کے بعد بتایا کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ وہی غلام ہے تو ایسی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ دونوں اس کی شناخت پر گواہ ہوئے اور پھر اپنی گواہی بھول گئے۔[6]

دفعہ ۹۹: مدّعیٰ علیہ کے انکار کے بعد مدّعی نے اس کے اقرار پر گواہ قائم کئے تو مدّعی اس چیز کا مالک ہو گا۔[7]

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے یہ گھر مجھے صدقہ میں دیا ہے اور میں نے قبضہ کر لیا ہے اور یوں کہا کہ میں نے اتنی رقم پر خریدا ہے اور یا اس نے مجھے ہبہ کیا ہے اور میں نے اس کی عوض ادا کی ہے اور مدّعیٰ علیہ منکر ہے۔ اب مدّعی نے اس بات پر گواہ قائم کئے

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۵۴

(2) المحیط البرہانی، ۹:۳۹۷

(3) نفس مصدر، ۴:۱۵۴

(4) المحیط البرہانی، ۹:۳۹۹

(5) نفس مصدر، ۴:۱۵۴

(6) المحیط البرہانی، ۹:۴۰۱

(7) نفس مصدر، ۴:۱۵۴

کہ اس نے میرے لئے اقرار کیا ہے تو یہ گھر مدّعی کو سپرد کیا جائے گا۔ اگر مدّعیٰ علیہ نے اس کے بعد اس ثمن کا مطالبہ کیا جس کا مدّعی نے اقرار کیا ہے تو وہ مدّعیٰ علیہ کو ادا کرے گا۔[1]

دفعہ ۱۰۰: مدّعی کے دعویٰ کے انکار کے بعد اگر مدّعیٰ علیہ کی تصدیق اس کی بیوی کرے تو مقبول نہ ہو گی۔[2]

وضاحت:

مدّعی نے ایک گھر پر دعویٰ کیا کہ میں نے یہ گھر اس سے ایک مہینے پہلے خریدا ہے مدّعیٰ علیہ اس کا انکار کرتا ہے، مدّعی نے اپنے دعویٰ کے گواہ قائم کئے۔ مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ یہ گھر میرا تھا لیکن میں نے تین مہینے پہلے اپنی بیوی کو فروخت کیا ہے اور عورت نے اس کی تصدیق کی اور اس عورت نے پھر مدّعی پر گواہ قائم کئے تو جب تک مدّعی کے دعویٰ کا فیصلہ نہ ہوا ہو تو عورت کے گواہ مقبول نہ ہوں گے، ہاں اگر شوہر پر گواہ قائم کئے تو اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔[3]

دفعہ ۱۰۱: دو مدّعی دوسرے آدمی پر قرض کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن سبب قرض میں اختلاف ہو تو قرض دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک شخص نے مر کر دو بیٹے چھوڑے دونوں نے ایک آدمی پر دعویٰ کیا کہ اس کے ذمہ ہمارے باپ کے ہزار دراہم ہیں، لیکن ایک دعویٰ میں صرف قرض کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا بیٹا کہتا ہے کہ یہ رقم اس باندی کی وجہ سے ہے جو اس کی فروخت کی گئی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی اس بات میں تصدیق کی کہ باپ کے اس پر قرض ہزار سے زیادہ نہیں تو یہ ہزار دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔

---

(1) المحیط البرہانی، ۹:۳۹۹

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۵۵

(3) المحیط البرہانی، ۹:۴۰۲

(4) نفس مصدر، ۴:۱۵۶

خلاصہ باب دوم

یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے جس میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الدعویٰ کے نو(۹) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ پہلی فصل میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر ایک چیز پر دو افراد دعویٰ کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور دیوار پر دعویٰ کی صورت میں کس کا قول قبول کیا جائے گا۔ یہ فصل چون(۵۴) دفعات پر مشتمل ہے۔ دوسری فصل میں راستے اور نالہ پر دعویٰ، دین سے متعلق دعاوی، وکالت، کفالت اور حوالہ سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس فصل میں کل چونتیس(۳۴) دفعات ہیں۔ تیسری فصل میں ثبوت نسب سے متعلق احکامات، کسی چیز میں استحقاق کا دعویٰ اور دعویٰ میں دھوکہ سے متعلق احکام کا بیان ہے۔ اس فصل میں ایک سو ایک(۱۰۱) دفعات مذکور ہیں۔ مجموعی طور پر باب دوم میں کل ایک سو نواسی(۱۸۹) دفعات ہیں۔ اور آٹھ (۸) مقامات پر وضعی قوانین کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔

باب سوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ اقرار کے باب ۱ تا باب ۱۲ کی دفعہ بندی

اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب سوم کا تعارف

یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے جس میں کتاب الاقرار کی بارہ (۱۲) کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں اقرار کی تعریف، شرائط، اکراہ اور نشہ کی حالت میں اقرار کا حکم اور مقرلہ کا اقرار کرنے والے کے تصدیق کا بیان ہے۔ اسی طرح جو صورتیں اقرار میں شمار ہوتی ہیں اور جو شمار نہیں ہوتی کا تذکرہ بھی اس فصل میں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اقرار میں تکرار کی صورت میں اقرار کا کیا حکم ہو گا؟ اس فصل میں کل اکتالیس (۴۱) دفعات ہیں۔

دوسری فصل میں حالت مرض میں اقرار، مبہم چیز کے اقرار کو زیر بحث لایا گیا ہے، اور مقر اور مقرلہ کے درمیان اختلاف واقع ہونے کی صورت میں کس کا قول قبول کیا جائے گا؟ یہ فصل انچاس (۴۹) دفعات پر مشتمل ہے۔

تیسری فصل میں اقرار سے رجوع، مفاد عامہ کی جگہوں سے کسی چیز اٹھانے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اقرار کو اس حالت کی طرف منسوب کرنا جس میں اقرار صحیح نہیں ہوتا کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں چھیالیس (۴۶) دفعات ہیں۔

مجموعی طور پر اس باب میں کل ایک سو چھتیس (۱۳۶) دفعات ہیں اور چھ (٦) مقامات پر وضعی قوانین کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔

فصل اول

فتاویٰ عالمگیری حصہ ۲ اقرار کے باب ۱ تا باب ۴ کی دفعہ بندی

اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ا: اقرار کے معنی، رکن، شرط جواز اور اس کے حکم کے بیان میں:

دفعہ ا: اپنے اوپر غیر کے حق کے ثابت ہونے کی خبر دینے کو اقرار کہتے ہیں۔[1]

وضاحت:

اقرار قرار سے مشتق ہے اور ثبوت کے معنی میں ہے اور انکار کے مخالف ہے۔

شرع کی اصطلاح میں کسی غیر کے اس حق کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو اقرار کرنے والے پر لازم و ثابت ہو۔[2]

اقرار کرنے والے کو مقر، جس کا حق اپنے اوپر ثابت کرے اس کو مقرلہ اور جس چیز کا اقرار کرے اس کو مقربہ کہتے ہیں۔

اقرار کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''وليملل الذي عليه الحق''[3] ترجمہ: چاہئے کہ بتاتا رہے یعنی اقرار کرے وہ شخص جس پر اقرار فرض ہے۔

دوسری جگہ پر باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''قال أأقررتم وأخذتم على ذلكم إصري''[4] ترجمہ: فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔

احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سیدنا ماعزؓ[5] پر ان کے اقرار زنا کی وجہ سے رجم فرمایا۔[6]

اسی طرح جب اقرار کرنے والے کے اقرار سے حدود و قصاص ثابت ہو جاتے ہیں تو مال بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گا۔[7]

تقابل:

An Admission is a statement, oral or documentary, which suggests any inference as to any fact in issue or relevant fact, and which is made by any of the persons, and the circumstances, hereinafter mentioned.[8]

قانون الشہادت (۱۹۸۴ء) کے مطابق اقرار زبانی یا تحریری دستاویز ہوتی ہے جس میں کسی مسئلہ یا مسئلہ سے متعلق معلومات کی حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے جو کسی بھی شخص کی طرف سے بنایا جاتا ہے اور ان حالات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یعنی اقرار ایک ایسا زبانی یا دستاویزی بیانیہ ہے جو کسی امر کو ثابت کرے یا اس کے اثبات کو واضح کرے۔

---

(1) فتاوی عالمگیری، ۱۵۶:۴

(2) أنيس الفقهاء في تعريفات الألفاظ المتداولة بين الفقهاء، ۹۱:۱

(3) سورۃ البقرۃ، ۲۸۲:۲

(4) سورۃ آل عمران، ۸۱:۳

(5) سیدنا ماعزؓ، ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہے جس نے زنا کا اعتراف کیا تھا اور اس کو آپ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے بیٹے عبد اللہ نے اس سے ایک حدیث روایت کی ہے۔(أسد الغابة في معرفة الصحابة، ابن اثیر محمد بن محمد، ۲۳۱:۴، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۹ھ)

(6) ''رأيت ماعز بن مالك حين جيء به إلى النبي صلى الله عليه وسلم رجل قصير، أعضل، ليس عليه رداء، فشهد على نفسه أربع مرات أنه زنى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «فلعلك؟» قال: لا، والله إنه قد زنى الأخر، قال: فرجمه'' صحيح مسلم، باب من اعترف على نفسه بالزناء، ۱۳۱۹:۳، حدیث نمبر: ۱۶۹۲

(7) الهداية، ۱۷۸:۳

(8) The Qanun-e-Shahdat1984,P:55,Chapter:3,Article:30

اقرار کو اس لئے قبول کیا جاتا ہے کہ جب ایک شخص ایسا بیان دیتا ہے جو اس کے فائدے کے خلاف ہوں تو اس میں غالب یہ ہے کہ یہ سچ ہو۔ یہاں شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

شرائط اقرار:

شرائط اقرار یہ ہیں: ۱۔ عاقل ہونا۔ ۲۔ بالغ ہونا۔ ۳۔ آزاد ہونا (بعض چیزوں کے اقرار کے لئے)۔ ۴۔ مقر بہ ایسی چیز ہو جس کو سپرد کرنا واجب ہو۔

اقرار کرنے والے کا عاقل اور بالغ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بچہ و مجنون میں خود پر کوئی چیز لازم کرنے کی لیاقت نہیں ہوتی، البتہ اگر بچہ مأذون فی التجارت ہو تو اجازت کی وجہ سے اس کا حکم بالغوں جیسا ہے۔[1]

آزاد ہونا بعض چیزوں کے اقرار میں شرط ہے، جیسے عبد مجور کا مال کا اقرار کرنا صحیح نہیں، اور قصاص کا اقرار کیا تو لازم ہو گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عبد مجور کا مالی اقرار اگر صحیح ہو جائے تو اس کے ذمہ مال لازم ہو گا حالانکہ اس کی گردن اس کے مالک کی مال ہے۔ جہاں تک حدود اور قصاص کا تعلق ہے تو ان میں عبد مجور اصلی آزادی پر باقی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں مولیٰ کا اپنے غلام پر اقرار کرنا درست نہیں، کیونکہ سزا نقصان کی بنیاد پر ہوتی ہے اور جنایت اس کے مکلف ہونے پر مبنی ہے اور مکلف ہونا آدمیت کے خواص میں سے ہے اور آدمیت غلامی سے زائل ہو جاتی ہے۔[2]

دفعہ ۲: مکرَہ کا اقرار درست نہیں۔[3]

وضاحت:

اقرار میں رضامندی شرط ہے تو جس پر زبردستی کی جائے اس کا اقرار صحیح نہیں ہو گا۔ متأخرین علما کے نزدیک اگر کسی پر جبر کیا جائے اور وہ چوری کا اقرار کرے تو یہ اقرار درست ہو گا۔[4]

اسی طرح پاکستان کے مروجہ قانون معاہدہ ۱۹۷۲ء میں بھی مجبور اور مکرہ کی بیع کو بیع کی تعریف سے نکالا گیا ہے:

> "Coercion" is the committing, or threatening to commit, any act forbidden by the Penal Code or the unlawful detaining or threatening to detain, any property, to the prejudice of any person whatever, with the intention of causing any person to enter into an agreement"[5].

> "جبر سے مراد کسی فعل کے ارتکاب یا ارتکاب کی دھمکی سے ہوتا ہے جو تعزیرات پاکستان کے مطابق منع ہو یا جبر سے مراد کسی جائیداد کی غیر قانونی روک تھام یا غیر قانونی طور پر روکنے کی دھمکی دینا ہے جو کسی شخص کے خلاف اس ارادہ سے ہو کہ دوسرے شخص سے کوئی معاملہ کرایا جائے۔" یہاں شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

---

(1) دررالحکام شرح غررالأحکام، ۳: ۲۵۷

(2) تبیین الحقائق، ۲: ۵

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۵۶

(4) غمزعیون البصائرفی شرح الأشباه والنظائر، شہاب الدین، احمد بن محمد، ۳: ۴۳، دار الکتب العلمیة، ۱۴۰۵ھ

(5) The Contract Act,1872,Chaper:2,Section:15

دفعہ ۳: ان حدود میں جو خالص اللہ کا حق ہو حالت نشہ میں اقرار کرنا درست نہیں۔[1]

وضاحت:

حدود دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جس میں صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہو ان میں حالت نشہ میں اقرار کرنا درست نہیں، اور وہ حدود جس میں بندوں کے حقوق بھی ہوتے ہیں ان میں حالت نشہ میں اقرار کرنا درست ہے جیسے حد قذف کی صورت میں۔

حدود میں حد قذف کے علاوہ میں مسکر کا اقرار درست نہیں، جب کہ قصاص، حقوق مالیہ، طلاق اور عتاق میں اس کا اقرار صحیح ہو گا۔[2]

دفعہ ۴: مقر بہ کا ظہور لازمی ہے اس کا ابتدا میں ثابت ہونا ضروری نہیں۔[3]

وضاحت:

اقرار کا حکم یہ ہے کہ اقرار کرنے والے کے اقرار سے یہ چیز اس پر لازم ہو جاتی ہے مقر لہ کی تصدیق اور قبول کرنا اس کے لئے لازمی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے لئے شراب کا اقرار کرے تو یہ اقرار کرنا درست ہے اور اس کو سپرد کرنے کا حکم کیا جائے گا، اگر اقرار سے ابتدا تملیک ہوتی تو یہ صحیح نہ ہوتی۔

اسی طرح مجبور کر کے طلاق اور عتاق کا اقرار کرانا بھی درست نہیں اور انشاء اکراہ کے ساتھ درست ہوتا ہے۔[4]

دفعہ ۵: نفس اقرار سے مقر لہ کی ملکیت ثابت ہو گی، مقر لہ کا مقر کی تصدیق کرنا لازمی نہیں۔[5]

وضاحت:

نفس اقرار سے وہ چیز مقر لہ کی ملکیت بن جائے گی، خواہ مقر لہ اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے، البتہ اگر مقر لہ اس کو رد کرے تو اس کا یہ اقرار باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح تصدیق کرنے کے بعد اگر اقرار کو رد کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ ہو گا۔[6]

باب ۲: وہ صورتیں جو اقرار شمار ہوتی ہیں اور یا نہیں ہوتی کے بیان میں۔

دفعہ ۶: لفظ قِبلی اور علی قرض کے اقرار کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔[7]

وضاحت:

"قِبلی" اور "عَلیّ" کے الفاظ قرض کے اقرار کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اس لئے کہ لفظ قبلی ضمان کے لئے آتا ہے اور عَلیّ کا لفظ ایجاب میں استعمال ہوتا ہے اور ایجاب کا محل ذمہ ہے اور ثابت فی الذمہ دین ہوتا ہے عین نہیں ہوتا۔[8]

دفعہ ۷: لفظ قبلی اور عَلیّ کے ساتھ اگر لفظ ودیعت متصل ذکر کیا جائے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔[9]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۵۶

(2) البحرالرائق، ۵:۳۰

(3) نفس مصدر، ۴:۱۵۶

(4) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۱۶

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۵۷

(6) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۱۷

(7) نفس مصدر، ۴:۱۵۷

(8) لسان الحکام، ۱:۲۷۰

(9) نفس مصدر، ۴:۱۵۷

وضاحت:

اقرار کرنے والا اگر لہ، قبلی اور علی کے بعد پیوست یہ کہے کہ یہ تو ودیعت ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ یہ کلام اس کا احتمال رکھتا ہے اور وہ اس طرح کہ مال ودیعت کی حفاظت مودَع کے ذمہ ہوتی ہے اور ودیعت بھی مضمون ہوتی ہے تو مال بول کر مراد اس کی حفاظت کا ارادہ کرنا ہے اس کو مجاز کہتے ہیں اور مجاز جائز ہوتا ہے۔

اگر متصل ودیعت کا لفظ نہ بولے تو اس کی تصدیق نہ ہوگی، کیونکہ اس سے ودیعت مراد لینا خلاف حقیقت ہے۔[1]

دفعہ ۸: میرے پاس، میرے ساتھ، میرے گھر، میری تھیلی اور میرے صندوق میں ہیں، جیسے الفاظ ودیعت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔[2]

وضاحت:

اقرار کرنے والا اگر یہ الفاظ کہے کہ عندی، معی، فی صندوقی، فی بیتی۔ تو ان تمام صورتوں میں امانت کا اقرار ہوگا، اس لئے کہ ہر ہر صورت مقر کے قبضہ پر دلیل ہے اور دوسرے کے مال پر قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے: قبضہ امانت اور قبضہ ضمانت، ان میں قبضہ امانت کمتر ہے اس لئے وہی مراد ہوگا۔[3]

دفعہ ۹: ودیعت اور مضاربت کے بعد لفظ قرض بڑھانا قرض شمار ہوگا۔[4]

وضاحت:

اقرار کرنے والا کہے کہ میرے پاس فلاں کے اتنے درہم ودیعت قرض اور یا مضاربت قرض ہے تو یہ قرض شمار کیا جائے گا، کیونکہ ودیعت اور مضاربت قرض بن سکتے ہیں اور قرض ودیعت اور مضاربت نہیں بن سکتے۔[5]

دفعہ ۱۰: ہر وہ چیز جو کیل یا وزن کی جاتی ہو اور ان سے تلف کئے بغیر فائدہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو یہ قرض کا اقرار ہوگا۔[6]

وضاحت:

کوئی یہ اقرار کرے کہ میرے پاس فلاں کے اتنے دراہم عاریت کے ہیں تو یہ قرض کا اقرار ہے اور یہی حکم کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے، کیونکہ جن چیزوں سے فائدہ اٹھانا بدون ہلاک کرنے کے ممکن نہ ہو تو عرف میں وہ قرض شمار کیا جاتا ہے۔[7]

دفعہ ۱۱: اقرار میں لفظ من ہبہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔[8]

وضاحت:

اقرار میں "من" کا لفظ ہبہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اگر کوئی کہے کہ میرے مال میں سے اس کے ہزار درہم ہیں تو یہ ہبہ ہے اور یہ قبضہ اور دفع کرنے کے بغیر مکمل نہیں ہوگا۔ ہبہ کی صورت میں اس کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

---

(1) مجمع الضمانات، ۱:۳۶۵

(2) نفس مصدر، ۴:۱۵۷۔

(3) اللباب فی شرح الکتاب، ۲:۷۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۵۷

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۱:۱۸

(6) نفس مصدر، ۴:۱۵۷

(7) الجوھرۃالنیرۃ، ۱:۲۵۰

(8) نفس مصدر، ۴:۱۵۷

لیکن اگر یوں کہا کہ میرے مال میں فلاں کے اتنے دراہم ہیں اور میرا اس میں کوئی حق نہیں تو اس صورت میں یہ اقرار ہو گا اور اس کو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔(1)

دفعہ ۱۲: اقرار کے بعد ایسے الفاظ ذکر کرنا جو اس کے مخالف ہو تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔(2)

وضاحت:

اقرار کے بعد ایسے الفاظ ذکر کرنا جو اس کے اقرار کے مخالف ہو تو مقر کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ہاں اگر ایسے الفاظ کہے جو اقرار کے مخالف نہ ہوں تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

ایک آدمی نے کہا کہ میرے آپ کے ذمہ جو قرض ہے اس کو ادا کرو اور وہ کہے کہ صبر کر عنقریب ملے گا تو یہ اقرار نہیں، کیونکہ ایسے کلمات کبھی کبھار استہزا کے طور پر بھی بولے جاتے ہیں۔(3)

دفعہ ۱۳: مال سے صلح طلب کرنا اقرار کے معنی میں ہے اور دعویٰ مال سے صلح طلب کرنا اقرار نہیں کہلاتا۔(4)

وضاحت:

کوئی یہ کہے کہ تو نے مجھے اس دعویٰ سے بری کیا ہے یا مجھ سے اس دعویٰ سے صلح کی ہے تو یہ اقرار نہیں ہے اور اگر اس طرح کہا کہ میں نے تیرے حق سے تجھ سے صلح کر لی ہے تو یہ اقرار ہے اور مقر اس کو بیان کرے گا۔(5)

دفعہ ۱۴: مقرلہ جب اقرار کو رد کرے اور پھر اس کی تصدیق کرے تو اس کچھ نہیں ملے گا۔(6)

وضاحت:

اقرار باطل ہونے کا احتمال رکھے گا یا نہیں رکھے گا، پہلی صورت میں مقر اس کو ثابت کرنے میں مستقل ہو گا یا نہیں، یہ صورت مقرلہ کے رد کرنے سے رد کی جائے گی اور دوسری صورت میں یہ خصم کی تصدیق کی طرف محتاج ہو گا۔

کسی نے کہا کہ آپ کا مجھ پر ہزار درہم ہیں تو اس کے مخاطب نے اس کے جواب میں کہا کہ تو میرے تجھ پر ہزار درہم نہیں، پھر اس کی جگہ کہا کہ میرے آپ کے ذمہ ہزار درہم ہیں تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی، کیونکہ مقر نے اس چیز کا اقرار کیا جو باطل ہونے کا احتمال رکھتا ہے اور مقرلہ نے اس کو رد کیا تو اس کے رد کرنے سے یہ رد کی جائے گی۔

"لیس لي علیك شيء" کی جگہ "لي علیك ألف درهم" غیر مفید ہے، اس لئے کہ یہ دعویٰ ہے اور دعویٰ کے لئے حجت کا ہونا ضروری ہے یعنی گواہوں کی موجودگی اور یا خصم کی تصدیق کرنا۔(7)

دفعہ ۱۵: نفس قرض میں مدّعی اور مدّعیٰ علیہ اقرار کرے لیکن قرض کی جنس میں اختلاف ہو تو یہ اقرار شمار نہ ہو گا۔(8)

---

(1) الأصل للشيباني،۸:۲۱۲

(2) نفس مصدر،۴:۱۵۸

(3) قرة عين الأخيار،۸:۲۳٦

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۵۹

(5) مجلة الأحكام العدلية،۱:۳۱۰

(6) نفس مصدر،۴:۱۵۹

(7) العناية شرح الهداية،۷:۳۳۳

(8) نفس مصدر،۴:۱٦۰

وضاحت:

مدّ عی نے کہا کہ میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں تو مدّ عیٰ علیہ نے کہا کہ سو دینار کے ساتھ تو یہ اقرار شمار نہ ہو گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر دینار میں مدّ عی نے اس کی تصدیق کی تو یہ صحیح ہے اور دونوں مالوں کا اقرار ہو گا اور اگر دنانیر میں تکذیب کی تو درہموں کا اقرار صحیح ہو گا۔(1)

دفعہ ۱۶: نفی سے استثناء کرنا مثبت سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔(2)

وضاحت:

اگر دوسرے سے کہا کہ تونے مجھ سے سو درہم غصب کر لئے تو اس نے کہا کہ میں نے تجھ سے غصب نہیں کیا تو یہ اقرار ہے۔

اسی طرح اگر یوں کہا کہ میں نے تجھ سے ان سو درہموں کے بعد کچھ غصب نہیں کیا اور یا ان سو دراہم کے ساتھ کچھ غصب نہیں کیا اور یا ان سو دراہم سے پہلے کچھ غصب نہیں کیا تو یہ سو دراہم کے غصب کا اقرار ہے۔

اگر یوں کہا کہ تیرے بعد کسی سے غصب نہیں کروں گا اور یا تیرے بعد کسی سے غصب نہیں کیا، تو یہ بھی اقرار ہے۔(3)

دفعہ ۱۷: غالب ظن، ظن سے اوپر اور جزم کے قریب ہوتا ہے اور یہ یقین کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔(4)

وضاحت:

طرفین کے درمیان تردد کو شک کہتے ہے اگر اس میں ایک طرف راجح ہو تو وہ ظن کہلاتا ہے اور جانب مرجوح کو وہم کہتے ہے۔ غالب ظن اس طرف راجح کو کہتے ہے جو ظن سے اوپر ہو اور جزم کے قریب ہو اور یہ یقین کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ مجھ پر میرے علم کے مطابق، میں نے جانا اور یا میں جانتا ہوں اتنے درہم ہیں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ باطل ہیں، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار صحیح ہے۔

اگر یوں کہا کہ مجھے علم ہے کہ فلاں کے مجھ پر اتنے دراہم قرض ہے تو سب کے نزدیک یہ اقرار صحیح ہے۔ اسی طرح اگر یوں کہے کہ میرا گمان ہے، میرا خیال ہے کہ مجھ پر اتنے دراہم قرض ہیں تو سب کے نزدیک یہ اقرار باطل ہو گا۔(5)

دفعہ ۱۸: اقرار کے بعد متصل ان شاء اللہ کہنے سے اقرار باطل ہو جائے گا یا کسی تحریر کے بعد ان شاء اللہ لکھے تو یہ تحریر باطل ہو گی۔(6)

وضاحت:

کسی حق کی ایک تحریر ہے اور اس کے نیچے یہ لکھا گیا ہے، کہ جو شخص اس تحریر کو پائے تو وہ اس میں تحریر کردہ باتوں کا ولی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، یا کسی نے شراء کے متعلق تحریر لکھی کہ فلاں پر اس کو خالص کرنا اور مشتری کے سپرد کرنا واجب ہے ان شاء اللہ تعالیٰ تو پوری تحریر باطل ہو گی، کیونکہ ان شاء اللہ کا تعلق پوری تحریر سے ہو گا اور پوری تحریر باطل ہو جائے گی۔

---

(1) مجمع الضمانات، ۱:۳۶۷

(2) نفس مصدر، ۴:۱۶۱

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۶۱

(5) قرۃعین الأخیار ،۸:۳۳۸

(6) نفس مصدر، ۴:۱۶۱

یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔
اس کی دلیل یہ ہے کہ کلام کا مستقل ہونا ہمیں بھی تسلیم ہے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو اور کلام ایک دوسرے پر عطف نہ کیا گیا ہو اور یہاں پر چونکہ ایک کلام کو دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جہاں پر عطف ہوتا ہے وہاں جملے کا استقلال ختم ہو جاتا ہے، اور پورا کلام اور پورا جملہ ایک مضمون کے مانند ہوتا ہے۔
اس لئے کلمہ ان شاءاللہ کا تعلق پوری تحریر سے ہو گا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی معلوم نہیں، اس لئے پوری تحریر باطل ہو جائے گی۔
امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان شاءاللہ کا تعلق اخیر جملہ سے ہو گا اور تحریر باطل نہ ہو گی، اس کی دلیل استحسان ہے۔
تحریر اور دستاویز اس لئے لکھی اور لکھائی جاتی ہے تاکہ اس سے معاملہ میں وثوق اور ثبوت پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ ان شاءاللہ کا تعلق پوری تحریر سے مان کر اسے باطل قرار دینے میں تحریر کا بطلان لازم آتا ہے حالانکہ یہ چیز منشأ تحریر اور مقصد دستاویز کے خلاف ہے، اس لئے تحریر کو بطلان سے بچایا جائے گا اور ان شاءاللہ کو اس سے متصل جملے کی طرف پھیرا جائے گا۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ کلام کا مستقل ہونا اصل ہے، لہذا تحریر کا ہر ہر جملہ مستقل ہو گا اور ان شاءاللہ سے متصل جو آخری جملہ ہو گا اسی سے کلمہ ان شاءاللہ متصل ہو گا۔ لہذا اس دلیل کی رو سے بھی کلمہ ان شاءاللہ کا تعلق پوری تحریر سے نہیں ہو گا اور تحریر باطل نہیں ہو گی۔[1]

دفعہ ۱۹: اقرار کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے۔[2]

وضاحت:

اقرار کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے، اس لئے کہ اقرار خبر ہونے کی وجہ سے معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا، وجہ یہ ہے کہ اقرار گزشتہ کی خبر دینا ہے اور تعلیق آئندہ کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ان دونوں میں تضاد ہے تو اقرار کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہوا۔ جیسے اگر یوں کہے کہ جب فلاں شخص آئے تو فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہوں گے تو اس کا یہ اقرار باطل ہو گا۔
لیکن اگر اس کو اسی زمانہ پر معلق کیا جائے جس میں عرف کے مطابق اس کی صلاحیت ہو تو اس کو دین مؤجل کے اقرار پر محمول کیا جائے گا، جیسے یوں کہے کہ اگر میں اس محل فلانی کو پہنچ جاؤں یا مجھے یہ فلاں عہدہ مل جائے تو فلاں کے میرے ذمہ اتنے دراہم ہوں گے تو یہ اقرار باطل ہے۔ لیکن اگر یوں کہے کہ فلاں مہینے کی اول تاریخ آجائے تو اس کے میرے ذمہ اتنا قرض ہو گا تو اس کو دین مؤجل پر محمول کیا جائے گا اور اس کے اقرار کی وجہ سے یہ اس پر لازم ہو جائے گے۔[3]

دفعہ ۲۰: گونگے کا اشارہ کے ساتھ اقرار کرنا درست ہے لیکن ناطق کا اشارہ سے اقرار کرنا درست نہیں۔[4]

وضاحت:

کسی نے کہا کہ میرے تجھ پر ہزار درہم ہے تو اس نے جواب میں نعم کہا تو یہ اقرار ہے کیونکہ یہ لفظ مستقل نہیں، اگر اس قول کے جواب میں اشارہ سے سر ہلایا اقرار کرنے کے لئے تو یہ اقرار شمار نہ ہو گا، کیونکہ اشارہ گونگے کے علاوہ میں کلام کا قائم مقام نہیں ہوتا۔[5]

---

(1) فتح القدير، ۳۴۷:۷
(2) فتاویٰ عالمگیری، ۱۶۲:۴
(3) مجلة الأحكام العدلية، ۳۱۰:۱
(4) نفس مصدر، ۱۶۲:۴
(5) تبيين الحقائق، ۸:۵

دفعہ ۲۱: مجہول کا اقرار کرنا صحیح ہے۔[1]

وضاحت:

مقر مجہول چیز کا اقرار کرے تو قاضی اس کو مجبور کرے گا کہ وہ اس جہالت کو بیان کرے تا کہ یہ جہالت مرتفع ہو جائے۔[2]

تقابل:

The plaint shall state the precise amount.[3]

سول پروسیجر کوڈ کے مطابق دعویٰ میں ہر چیز کو واضح کرنا ضروری ہے۔ دعویٰ میں کسی قسم کی جہالت ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

دفعہ ۲۲: ہر اقرار مقر کے بیان سے مستغنی نہیں ہوتا تو اس کا بیان قبول کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

ایک اجیر نے اقرار کیا کہ جو کچھ قلیل ہے یا کثیر سامان تجارت ہے یا مال عین و دین، وہ فلاں کا ہے اور میں ان چیزوں میں اس کا اجیر ہوں تو یہ جائز ہے کہ اقرار کے دن اجیر کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں اجیر کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس نے سب چیزوں کا غیر کے لئے کیا ہے۔ صرف کپڑے اور کھانا استحسان کے طور پر اجیر کے قرار دیئے جائے گے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی مقر لہ کے ہو۔ لیکن کپڑے اور کھانا اس قول میں اس لئے داخل نہیں ہوگے کہ اجیر اس کی طرف محتاج ہوتا ہے تو یہ اقرار سے مستثنیٰ ہوں گے، جیسا کہ شرکت مفاوضہ کی صورت میں کپڑے اور کھانا اس میں داخل نہیں ہوتا۔

اگر یوں اقرار کیا کہ جو کچھ فلاں تجارت کے میرے قبضہ میں ہے وہ فلاں کا ہے تو کچھ اجیر کے قبضہ میں اس دن اس تجارت کے ہوں گے تو وہ سب اسی مقر لہ کے ہوں گے اور جو کچھ اس تجارت کے علاوہ کے ہے وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے، اور ان چیزوں کے بیان کرنے میں اجیر کا قول مقبول ہو گا۔[5]

دفعہ ۲۳: اقرار میں مقر بہ اپنے حقوق کے ساتھ ثابت ہو گا اور بیع میں حکم اس کے خلاف ہے۔[6]

وضاحت:

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے لئے یہ اقرار کرے کہ یہ گھر اور جو کچھ اس کے دروازہ نے بند کر لیا ہے اور جو سامان اس کے اندر موجود ہے سب اس عورت کا ہے تو عورت کو گھر اور متاع دونوں ملیں گے۔

اگر اقرار کی بجائے اس کے ساتھ لفظ بیع واقع ہوا تو اس کا حکم اس کے خلاف ہے کیونکہ متاع بیع میں داخل نہ ہوں گے۔[7]

دفعہ ۲۴: جو چیز دلالت النص سے ثابت ہو جائے تو وہ منصوص علیہ کی طرح ہوتا ہے۔[8]

---

(1) نفس مصدر، ۴: ۱۶۲

(2) الأشباه والنظائر، ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، ۱: ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ

(3) Civil Procedure Code1908,P:473,Order:7,Rule:2

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۶۳

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸: ۱۵۲

(6) نفس مصدر، ۴: ۱۶۳

(7) لسان الحکام، ۱: ۲۶۹

(8) نفس مصدر، ۴: ۱۶۳

وضاحت:

ایک دیوار کا کسی کے لئے اقرار کیا پھر کہا کہ میری مراد اس سے زمین کے بغیر صرف دیوار کی عمارت ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اگر پکی اینٹوں کے ستون کا اقرار کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اس کا بیان مطلق کلام کے مغائر ہے تو اس قول متعبر نہ ہو گا، لیکن اگر لکڑیوں کے ہو تو مقرلہ کو صرف لکڑیاں ملے گی، زمین نہیں ملے گی۔[1]

دفعہ ۲۵: اقرار سے پہلے دعویٰ کرنا بعد کے اقرار کی صحت کے لئے مانع نہیں ہوتا اور اقرار کے بعد اس چیز کے بعض کا دعویٰ کرنا جو اقرار کے تحت داخل ہو صحیح نہیں ہوتا۔[2]

وضاحت:

اقرار سے پہلے دعویٰ کیا تو یہ بعد کے اقرار کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا، اقرار کے بعد اس چیز کے بعض کا دعویٰ کرنا جو اقرار کے تحت داخل ہو صحیح نہیں ہوتا۔

اسی طرح آدمی کا اقرار خود اپنی ذات پر دلیل ہے غیر پر دلیل نہیں۔

ان دو اصولوں کی بنیاد پر مختلف مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے۔

۱۔ کسی نے اقرار کیا کہ اس گھر کی عمارت اور زمین فلاں کے لئے ہے،، تو زمین اور اس کی عمارت دونوں مقرلہ کے قرار دیئے جائیں گے۔ اس صورت میں دعویٰ کے بعد اقرار ہے اور اقرار دعویٰ کے بعد صحیح ہوتا ہے۔

۲۔ اقرار کیا کہ زمین میری ہے اور اس کی عمارت فلاں کے لئے ہے، تو مقر کے اقرار کے مطابق ہو گا۔ اسی صورت میں بھی دعویٰ کے بعد اقرار کیا گیا ہے اور اقرار بعد الدعویٰ صحیح ہوتا ہے۔

۳۔ اس دار کی زمین فلاں کے لئے ہے اور عمارت میری ہے، تو زمین اور عمارت دونوں مقرلہ کے ہوں گی۔ اس صورت میں جب اس نے دوسرے کے لئے زمین کی اقرار کیا تو عمارت اس کی تابع ہوئی، اب اپنے لئے اس کی عمارت کا دعویٰ کرنا ایسا ہے کہ اقرار کے بعد اس چیز کے بعض کا دعویٰ کرنا جو اقرار کے تحت داخل ہوا ہے اور یہ صحیح نہیں ہوتا۔

۴۔ اس دار کی زمین فلاں کے لئے ہے اور عمارت دوسرے فلاں شخص کی ہے تو زمین اور عمارت دونوں پہلے مقرلہ کے ہوں گی۔ اقرار کی وجہ سے زمین اور اس کی عمارت فلاں کے ہوئے اب دوسرے کے لئے اس کی عمارت کا اقرار کرنا گویا اقرار علی الغیر ہے اور یہ درست نہیں۔

۵۔ اس دار کی عمارت فلاں کے لئے ہے اور زمین دوسرے فلاں آدمی کے لئے ہے تو مقر کے اقرار کے مطابق ہو گا۔ اسی صورت میں بھی غیر پر اقرار لازم آتا ہے اور اقرار علی الغیر باطل ہے۔[3]

اسی طرح انگوٹھی میں سے نگینہ کا استثناء اور باغ میں سے کھجور کے درخت کا استثناء دار میں سے عمارت کی استثناء کی طرح ہے تو جس طرح دار میں سے عمارت کی استثناء صحیح نہیں، اسی طرح انگوٹھی کے اقرار میں نگینہ کا اور باغ کے اقرار میں درخت کا استثناء درست نہیں۔

اس لئے کہ جیسے دار میں عمارت تابع ہو کر داخل ہے اسی طرح انگوٹھی میں نگینہ اور باغ میں درخت تابع ہو کر داخل ہیں۔[4]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸: ۶۵

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۶۴

(3) اللباب فی شرح الکتاب، ۲: ۸۰

(4) بدائع الصنائع، ۷: ۲۱۱

دفعہ ۲۶: حرف عطف اقرار میں ذکر کیا تو دونوں چیزیں لازم ہو جائے گی۔[1]

وضاحت:

حرف اشتراک کے لئے آتا ہے جیسے کوئی کہے کہ "جاءنی زید و عمرو" کہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں آئے ہیں۔اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں نے یہ چیز اور چیز غصب کی ہے تو اس پر یہ دونوں چیزیں لازم ہو جائیں گی۔

اس کی جگہ اگر یوں کہے کہ کذا من کذا تو اس صورت میں صرف پہلے کا اقرار متصور ہو گا، کیونکہ "من" نکالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے یوں کہے کہ میں نے رومال کو غلام سے اور زین کو دابہ سے غصب کیا ہے تو یہ صرف پہلے کے لئے اقرار ہو گا۔[2]

دفعہ ۲۷: حرف "فی" اقرار میں ذکر کرے تو اگر دوسرا پہلے کے لئے ظرف بن سکتا ہے تو دونوں کا اقرار درست ہو گا اور اگر دوسرا پہلے کے لئے ظرف نہیں بن سکتا تو دوسرا لازم نہ ہو گا۔[3]

وضاحت:

جو چیز ظرف بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں، جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں اور کپڑے کا اقرار رومال میں۔امام محمدؒ نے اس مسئلے کی وضاحت غصب سے کی ہے یعنی اگر مقر کہے کہ میں نے کھجور کو اس کے ٹوکری کے ساتھ غصب کیا ہے تو مقر کے ذمہ ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوں گے، اسی طرح اگر یوں کہا کہ جانور کو اس کے اصطبل کے ساتھ غصب کیا تو دونوں چیزیں مقر پر لازم ہوں گے۔

اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کو منتقل کرنا ممکن نہ ہو، جیسے گھوڑے کا اقرار اصطبل میں اس میں علما کے آراء مختلف ہیں:

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف مظروف لازم ہو گا، جب کہ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے۔

اگر وہ چیز ظرف ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو صرف پہلی چیز لازم ہو گی، جیسے یوں کہے کہ مجھ پر ایک درہم ہے درہم میں تو صرف پہلا درہم لازم ہو گا۔[4]

دفعہ ۲۸: "فی" کو مجازاً "مع" "واو" اور "علی" کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔[5]

وضاحت:

اگر کوئی اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہو گا، یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا بھی ہے۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گیارہ کپڑے لازم ہوں گے، کیونکہ بعض اوقات بہترین کپڑے کو بہت سے کپڑوں میں لپیٹ لیا جاتا ہے۔تو یہاں فی کو ظرف پر محمول کیا جائے گا۔[6]

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دس کپڑوں کا مجموعہ ایک کپڑے کے لئے ظرف نہیں ہے بلکہ ہر کپڑا مظروف ہے، اس لئے جب ایک کپڑا چند کپڑوں میں لپیٹا جائے گا تو ہر کپڑا اپنے ماوراء کے حق میں مظروف ہو گا اور ظرف صرف وہی کپڑا ہو گا جو سب سے اوپر ہے، جب دس

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۶۵

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۹۲

(3) نفس مصدر، ۴:۱۶۵

(4) الدرالمختار، ۵:۵۹۸

(5) نفس مصدر، ۴:۱۶۶

(6) تبیین الحقائق، ۵:۱۰

کپڑوں کا ایک کپڑے کے لئے ظرف نہ ہونا ثابت ہوا تو فی کو ظرف پر محمول کرنا ناممکن ہے، لہذا یہ متعین ہو گیا کہ صرف ایک کپڑا مراد ہے۔[1]

تو "فی" ظرف کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ اس کے حقیقی معنی ہے اور کبھی مجازی معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

اس لئے اگر کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے پانچ ہے پانچ میں، تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے، اگرچہ وہ ضرب وحساب کی نیت کرے، اس لئے کہ ضرب سے صرف اجزاء ہی بڑھتے ہیں نہ کہ اصل مال۔

اگر اس نے کہا کہ میں نے پانچ مع پانچ کا ارادہ کیا ہے تو اس پر دس درہم لازم ہوں گے، کیونکہ "فی" مجازا مع کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر "فی" علی کے معنی میں لیا جائے تو ابتدا اسے پانچ لازم ہوں گے۔[2]

دفعہ ۲۹: عام حکم کو واجب کرتا ہے لیکن اس کے بیان کی ضرورت ہو گی۔[3]

وضاحت:

لغت میں کوئی ایسا صیغہ نہیں جو صرف عموم کے لئے وضع کی گئی ہو بلکہ ہر وہ صیغہ جو عموم کے لئے ہوتا ہے وہ اصل میں عام اور خاص کے مابین مشترک ہوتا ہے اور یا مجمل، تو عمل اور اعتقاد کے باب میں اس میں توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ کوئی دلیل اس کی مراد پر قائم ہو جائے، اور اس میں امر اور نہی برابر ہے، یہ اشاعرہ کا مذہب ہے۔

بعض کے نزدیک اس سے اخص الخصوص مراد لیا جائے گا تو اسم جنس میں ایک، صیغہ جمع میں تین اور اس سے زیادہ میں اس کا حکم موقوف رہے گا یہاں تک کہ اس کی وضاحت ہو جائے۔

بعض کے نزدیک اعتقاد کے اعتبار سے سب میں توقف کیا جائے گا اور عمل کے اعتبار سے توقف نہیں کیا جائے گا۔[4]

کوئی یہ اقرار کرے کہ میرے ذمہ فلاں کے دراہم ہیں، تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے، کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع کی کم از کم مقدار تین ہوتا ہے یہ احنافؒ کا متفقہ رائے ہیں۔

اگر یوں کہے کہ اس کے مجھ پر دراہم کثیرہ ہیں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس دراہم واجب ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوسو درہم واجب ہوں گے، کیونکہ کثیر اس وقت ہوسکتے ہیں جب وہ نصاب کے برابر ہو اور نصاب کی مقدار دوسو دراہم ہوتی ہیں۔

اگر اقرار میں مال عظیم اور مال کثیر کا ذکر کریں تو سب کے نزدیک اس سے نصاب کے برابر مقدار مراد ہو گی۔[5]

دفعہ ۳۰: اقرار کا لکھنا ایسا ہے جیسا کہ زبان سے اقرار کرنا ہے۔[6]

وضاحت:

کتابت سے اقرار کرنے کی کئی صورتیں ہیں۔

---

(1) البناية شرح الهداية،۹:۴۴۴

(2) دررالحكام شرح غررالحكام،۲:۳۶۲

(3) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۶۶

(4) كشف الأسرارشرح أصول البزدوی، عبدالعزیز بن احمد،۱:۲۹۹، دارالکتاب الاسلامی

(5) الأصل للشيبانی،۸:۲۹۳

(6) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۶۶

ایک یہ کہ اس طرح لکھے کہ وہ واضح نہ ہو، جیسے ہوا، پانی اور یا برف پر لکھے تو اس سے اس پر کچھ واجب نہ ہو گا اور اس پر گواہ اس طرح قائم کرے کہ چند لوگوں سے کہنے میں یوں کہے کہ مجھ پر اس کے گواہ رہو اور ان کو کچھ پڑھ کر نہ سنائے۔

دوسرا یہ کہ اگر ان کو پڑھ کر سنا دیا تو جو کچھ لکھا سنایا ہے وہ اس پر لازم ہو گا اور جس شخص نے اس کا یہ اقرار سنا اس کو اس کی گواہی دینا جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس طور پر لکھے کہ وہ واضح ہو، اس کی چند صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ لکھتے وقت پہلے بسم اللہ لکھے اس کے بعد دعا اور پھر مقصود لکھے تو استحسان کے طور پر یہ اقرار شمار ہو گا اور جو شخص اس کی تحریر کا معائنہ کرے اس کو اس بات کی گواہی دینا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ گواہ اس تحریر کو جان لے۔

اگر اس طرح لکھے کہ میں تیرے لئے فلاں شخص کی طرف سے ضامن ہو تو اگرچہ اس تحریر کو محو کر دیا ہو اور دو گواہوں نے اس کی گواہی دی تو اس کے ذمہ یہ لازم ہوں گی۔[1]

تقابل:

No fact need be proved in any proceeding which the parties thereto or their agents agree to admit at the hearing, or which, before the hearing, they agree to admit by any writing under their hands, or which by any rule or pleading in force at the time they are deemed to have admitted by their pleading[2]

کسی بھی کارروائی میں کوئی حقیقت ثابت نہیں کی جاسکتی ہے جس میں فریقین یا ان کے ایجنٹوں کو سننے پر اتفاق ہو یا سماعت سے پہلے، وہ خود لکھے ہوئے کسی بھی تحریر کو داخل کرنے کے لئے اتفاق کرتا ہے، یا اس وقت کوئی بھی قاعدہ یا تقاضا جو میں ان کی درخواست کی طرف سے تسلیم کرنے کے لئے سمجھا جاتا ہے۔

اس سے اقرار کی یہ قسمیں معلوم ہوتی ہیں: اقرار بالمعاہدہ، اقرار بذریعہ نوٹس، اور اقرار بذریعہ نوٹس جو سول پروسیجر کوڈ کے مطابق ہوں۔

یہاں شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔

دفعہ ۳۱: تاجر، سنار اور دلال کا خط حجت ہے۔[3]

وضاحت:

عرف[4] کی وجہ سے اس کے جائز ہونے کا قول کیا جائے گا۔ اسی طرح لوگ جو باہم تحریر کرتے ہیں اس کا حجت ہونا بھی عرف

---

(1) مجلة الأحكام العدلية، ۱:۳۱۸

(2) The Qanun-e-Shahadat,P:176,Chapter:7،Article,113.

(3) نفس مصدر، ۴:۱۶۷

(4) عرف سے لغت میں مراد یہ ہیں کہ جو عقول صحیحہ اور طبائع سلیمہ کے قبول کرنے سے دلوں میں جگہ حاصل کریں۔ تو عرف ہر اس فعل اور قول کو کہتے ہیں جس کا عام لوگوں میں رواج ہو گیا ہو۔[كتاب التعريفات، ۱:۱۴۹]

علما کے نزدیک عرف شریعت میں معتبر ہے۔ اسی وجہ سے ابن عابدینؒ لکھتے ہیں، کہ شریعت میں عرف کو اعتبار ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ حکم کا تعلق ہوتا ہے۔[ردالمختارعلی الدرالمختار، ۳:۱۴۷]

لیکن اس کے چند شرائط ہیں:

شرائط:

اول یہ کہ عرف شریعت کے کسی حکم (نص) کے خلاف نہ ہو۔

دوم یہ کہ عرف غالب اور مشہور ہو یعنی اس کی عادت عام ہو اس معنی کے ساتھ کہ کوئی اس کا مخالف نہ ہو۔

کی وجہ سے ہوتا ہے۔[1]

باب ۳: تکرار اقرار کے بیان میں:

دفعہ ۳۲: اقرار کا سبب ایک ہو تو ایک قسم کا مال لازم ہو گا، اور اگر اقرار کا سبب اور یا مجلس مختلف ہو تو دونوں قسم کا مال لازم ہو گا۔[2]

وضاحت:

تکرار اقرار کی مختلف صورتیں ہیں:

یا تو اپنے اقرار کو نسبت کسی سبب کی جانب کرے گا اور وہ سبب دونوں اقراروں میں ایک ہی ہو گا اور یا مختلف ہو گا اور یا کسی سبب کی طرف منسوب نہ ہو گا۔

اگر سبب کی طرف نسبت کیا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے درہم اس غلام کے ثمن کے ہیں، پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر ہزارر درہم اس غلام کے ثمن کے ہیں، دونوں صورتوں میں غلام اور مقرلہ ایک ہے تو اس کے ذمہ ایک ہی مال لازم ہو گا۔

اگر سبب مختلف ہے تو دونوں قسم کا مال لازم ہو جائے گا، جیسے ایک مرتبہ اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے اتنے درہم اس غلام کے ثمن کے ہیں، پھر دوسری مرتبہ اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے اتنے درہم اس باندی کے ثمن کے ہیں تو سب کے نزدیک اس پر اس صورت میں دونوں مال واجب ہوں گے خواہ یہ اقرار ایک ہی مجلس میں دوبار ہو یا دو مجلسوں میں واقع ہوا ہو۔

اسی طرح اگر اقرار کو کسی سبب کی طرف مضاف نہ کیا تو اس صورت میں ایک ہی مال واجب ہو گا۔[3]

دفعہ ۳۳: کوئی چیز زیادہ لازم نہیں ہوتی جب ایک اقرار کو ایک مجلس میں دوبارہ دہرائے۔[4]

وضاحت:

اگر ایک قاضی کے سامنے اقرار کیا اور قاضی نے اس کو اپنی رجسٹر میں لکھا پھر دوسری مجلس میں اسی اقرار کا اسی قاضی کے سامنے اقرار کیا تو اس میں ایک ہی مال لازم ہو گا۔

اگر دونوں اقرار غیر قاضی کے سامنے ہوں اور یا پہلا قاضی کے سامنے اور دوسرا غیر قاضی کے سامنے ہو اور ہر اقرار پر ایک گواہ قائم کیا تو سب کے نزدیک ایک ہی مال لازم ہو گی خواہ یہ ایک مجلس میں ہو اور یا دو مجلسوں میں۔

اگر پہلے اقرار پر ایک گواہ قائم کئے اور دوسرے پر دو یا زیادہ گواہ دوسری مجلس میں قائم کئے تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مال واحد لازم ہو گا اور امام ابو حنیفہؒ کے ظاہر قول کے مطابق بھی ایک ہی مال واجب ہو گا۔

اگر پہلے اقرار پر دو گواہ قائم کئے اور دوسرے اقرار پر دوسری مجلس میں دو گواہ قائم کئے تو صاحبینؒ کے نزدیک ایک ہی مال لازم ہو گا خواہ دوسرے اقرار پر پہلے ہی دونوں گواہوں کو گواہ کیا یا ان کے علاوہ دوسروں کو گواہ کیا۔

سوم یہ کہ وہ عرف جس پر کسی تصرف کو محمول کیا جائے وہ عرف اس معاملہ کے ہوتے وقت موجود ہو بایں طور کہ وہ عرف تصرف کے وقت سے پہلے وجود میں آئے پھر اس کے زمانے تک جاری رہے اور اس کے وجود سے ملا ہوا ہو۔

چوتھا یہ کہ ایسا کوئی قول یا عمل نہ ہو جو عرف کے خلاف فائدہ دیتا ہو۔[المبسوط، ۱۹۶:۱۲]

(1) ردالمحتار علی الدرالمختار، ۴۳۶:۵

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۱۶۸:۴

(3) الدرالمختار، ۶۰۳:۵

(4) نفس مصدر، ۱۶۸:۴

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر دوسرے اقرار پر پہلے گواہوں کو گواہ کیا تو ایک ہی مال لازم ہوگا اور اگر دوسروں کو گواہ کیا تو دو مال لازم ہوں گے۔[1]

باب ۴: جن کے لئے اقرار صحیح ہوتا ہے یا صحیح نہیں ہوتا کے بیان میں۔

دفعہ ۳۴: اقرار کرنے والے کا اقرار درست ہوگا اگر وہ سبب صالح کو بیان کریں۔[2]

وضاحت:

اگر کوئی کسی کے لئے حمل کا اقرار کرے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

کہ کوئی سبب بیان کرے گا یا نہیں، پھر سبب صالح ہوگا یا غیر صالح۔

ایک یہ کہ: ۱۔ اگر سبب صالح بیان کرے، جیسے یوں کہے کہ فلاں عورت کے حمل کے لئے مجھ پر ہزار درہم لازم ہیں، جن کی وصیت فلاں شخص نے اس حمل کے لئے کی تھی یا اس حمل کا باپ مر گیا اور اس نے یہ رقم اس کی میراث پایا ہے تو یہ اقرار صحیح ہوگا، کیونکہ اقرار کرنے والے نے حمل کے لئے ثبوت ملک کا ایک سبب صالح بیان کر دیا ہے جس پر عمل ممکن ہے۔

۲۔ اب اگر عورت اس جنین کو اتنی مدت بعد زندہ جنے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت اقرار وہ پیٹ میں موجود تھا تو مقر نے جس کا اقرار کیا ہو وہ اس پر لازم ہوگا۔ اگر وہ مردہ جنے تو اقرار کا مال موصی یا مورث کے لئے ہوگا جو ان کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ ولادت سے پہلے در حقیقت وہ مال موصی یا مورث کا ہے، بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ ہونے کی صورت میں اس مال کا مستحق ہوگا۔ اور مردہ پیدا ہونے کی صورت میں یہ منتقل ہونا محال ہے اس لئے اس صورت میں وہ بچہ اس مال کا مستحق نہ ہوگا۔ اور اس کا یہ اقرار باطل ہوگا۔

۳۔ اگر اس نے زندہ دو بچے جنے خواہ مذکر ہو یا مؤنث، تو مال ان دونوں میں مشترک ہوگا کیونکہ حمل کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ اگر ایک مؤنث اور ایک مذکر ہو تو وصیت کی صورت میں آدھا آدھا اور میراث کی صورت میں مذکر کے لئے دو اور مؤنث کے لئے ایک حصہ ہوگا۔[3] دوسرا یہ کہ کوئی سبب مستحیل بیان کرے، جیسے یوں کہے کہ اس حمل نے مجھے ہزار درہم قرض دیئے تھے یا میرے ہاتھ ہزار درہم کی کوئی چیز فروخت کی تو یہ اقرار باطل ہوگا۔ تیسرا یہ کہ اقرار کو مبہم چھوڑ دے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں اسی کے قائل ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ کا اصح قول یہی ہے۔ کیونکہ اقرار بھی شرعی حجتوں میں سے ایک حجت ہے تو جہاں تک ممکن ہو، عمل دلانا ضروری ہے۔ پس مبہم ہونے کی صورت میں کسی سبب صالح (میراث، وصیت) پر محمول ہوگا۔[4]

دفعہ ۳۵: اقرار کو صحت پر محمول کیا جائے گا جب اس میں کسی کے لئے فائدہ ہو۔[5]

وضاحت:

اگر کسی لڑکے نابالغ لقیط یا غیر لقیط کے لئے سو درہم قرض کا کسی شخص نے اقرار کیا تو لازم ہوگا۔

اسی طرح اگر اقرار کیا کہ اس لڑکے نے مجھے قرض دیا ہے حالانکہ لڑکا نہ کلام کر سکتا ہے اور نہ قرض دے سکتا ہے تو بھی مال لازم ہوگا۔

---

(1) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۶۵

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۶۹

(3) مجمع الضمانات، ۱:۳۶۹

(4) الهدایة، ۳:۱۸۱

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۶۹

اگر اقرار کیا کہ مجھے اس بچہ نے یہ غلام ودیعت، عاریت اور اجارہ پر دیا ہے یا کسی مجنون کے لئے ایسا اقرار کیا تو اصل مال کا اقرار صحیح ہے اور سبب باطل ہے۔[1]

دفعہ ۳۶: بچہ جو تکلم نہیں کر سکتا اس کے لئے کفالت کا اقرار کرنا باطل ہے۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے اس بچہ کے لئے فلاں شخص کی طرف سے ہزار درہم کی کفالت کی ہے حالانکہ بچہ نہ کلام کرتا ہے اور نہ عقل رکھتا ہے تو یہ کفالت باطل ہے، لیکن اگر بچہ کی طرف سے اس کا ولی جس کو بچہ کی طرف سے ولایت تجارت حاصل ہے قبول کرلے تو ہو سکتا ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ اس کی ولی نے قبول نہ کیا ہو۔

اگر آدمی کا یہ کلام اس ولی کے ساتھ ہو جس کو نفس میں ولایت تصرف ہے مال میں نہیں ہے جیسے بھائی، چچا تو کفالت اجازت پر موقوف رہے گا۔ پس اگر بچہ نے بالغ ہو کر اپنی رضا سے اجازت دے دی تو کفالت جائز ہو گی۔ اور اگر درمیان میں کفیل نے کفال سے رجوع کیا تو رجوع صحیح ہو گا۔[3]

دفعہ ۳۷: قرض واجب ہونے کے بعد دین، ودیعت، غصب، بیع واجارہ جیسے اسباب کا اقرار کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس سے پہلے اقرار کرنا ہے۔[4]

وضاحت:

غلام تاجر کا دوسرے کے لئے کسی دین، ودیعت، غصب، بیع اور یا اجارہ کا اقرار کرے تو یہ جائز ہے، اگرچہ اس پر اس قدر قرض ہو کہ غلام کی قیمت اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب کو محیط ہو، کیونکہ یہ سب تجارت کے اسباب میں سے ہے اور اذن دینا اس کو حجر سے آزاد کرانا ہے اور یہ اس کو دین کے اقرار سے منع نہیں کرتا تو ایسے اسباب سے اقرار کرنا دین کے واجب ہونے کے بعد ایسا ہے جیسا کہ اقرار سے پہلے ہو۔[5]

دفعہ ۳۸: غلام تاجر کا کسی کے لئے جراحات اور جنایت کا اقرار کرنا درست نہیں خواہ وہ عمد سے متعلق ہو اور یا خطا سے۔[6]

وضاحت:

غلام تاجر کا کسی کے لئے ایسے جرم اور جنایت کا اقرار درست نہیں جس میں قصاص لازم نہیں ہوتا، خواہ اس نے یہ جنایت قصداً کئے ہو اور یا خطا سے، کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں۔ ہاں اگر قتل عمد کا اقرار کیا تو جائز ہے اور اس پر قصاص واجب ہو گا۔

اگر اپنی ذات پر ایسے جرم کا اقرار کیا جس سے حد واجب ہوتی ہے تو اس کا اقرار بھی درست ہو گا۔

اسی طرح اگر ایسی چوری کا اقرار کیا جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔[7]

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۴۶:۱۸
(2) نفس مصدر،۱۶۹:۴
(3) الأصل للشیبانی،۳۵۴:۸
(4) نفس مصدر،۱۷۰:۴
(5) المبسوط للسرخسی،۱۴۸:۱۸
(6) فتاویٰ عالمگیری،۱۷۰:۴
(7) الأصل للشیبانی،۳۵۶:۸

دفعہ ۳۹: غلام تاجر کا کسی عورت کے لئے مہر کا اقرار کرنا اور کفالت بالنفس اور بالمال کا اقرار کرنا درست نہیں۔[1]

وضاحت:

کسی عورت کے مہر کا یا کفالت بالنفس اور کفالت بالمال کا اقرار کرنا درست نہیں، اسی طرح اپنے غلام کے آزاد کرنے، مکاتب یا مدبر کرنے کا اقرار کرنا بھی مأذون فی التجارت سے درست نہیں، کیونکہ یہ سب تجارت کے باب میں سے نہیں۔[2]

دفعہ ۴۰: افتضاض کا اقرار غصب اور استہلاک کے اقرار کی طرح ہے۔[3]

وضاحت:

اگر عبد مأذون نے اقرار کیا کہ میں نے اس عورت سے اپنی انگلی سے افتضاض کیا خواہ وہ عورت باندی ہو یا آزاد ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر لازم آئے گا، اس کے نزدیک یہ اس متاع کی طرح ہے جس کو غصب کیا گیا ہو۔

اگر دونوں سے نکاح کرنے کا اور پردہ پھاڑ دینے کا اقرار کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک وہ آزاد نہ ہو تو دونوں میں سے کسی کا مہر اس پر لازم نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آزاد عورت میں یہی حکم ہے۔ لیکن اگر باندی ہو اور مالک نے اس کا نکاح کر دیا ہو تو عبد مأذون پر آزاد ہونے کے وقت تک کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر مالک نے اس کا نکاح نہیں کیا تو اس غلام سے ابھی مہر کا مطالبہ کیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۴۱: عبد مکاتب کا حدود، جرم، جنایت، قرض اور غصب کا اقرار درست ہے اور مہر کا اقرار اس کی طرف سے درست نہیں ہوگا۔[5]

وضاحت:

مکاتب حدود کا اقرار کرے تو جائز ہے، اگر نکاح کی وجہ سے مہر کا اقرار کیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا جب تک دخول کا اقرار نہ کرے۔ جرم کا اقرار مکاتب کی طرف سے اس وقت تک صحیح ہے جب تک عقد کتابت قائم ہو۔ اگر جرمانہ ادا کرنے سے پہلے عاجز ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جرمانہ باطل ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک جرمانہ لازم ہوگا، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کچھ ادا کرنے کے بعد عاجز ہو گیا۔[6]

دفعہ ۴۱: مجور کا اقرار قبول کیا جائے گا۔[7]

وضاحت:

قاضی نے کسی آزاد کو مجور کیا پھر اس نے اپنے اوپر دین، غصب، بیع، عتق، نسب، قذف اور یا زنا کا اقرار کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا اقرار جائز ہے۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۷۰

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۴۸

(3) نفس مصدر، ۴:۱۷۰

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۴۸

(5) نفس مصدر، ۴:۱۷۱

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۶۲

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۱

اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ اقرار باطل ہے اور دین و بیع کا اقرار درست نہیں۔[1]

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸: ۱۴۵

فصل دوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ اقرار کے باب ۵ تا باب ۸ کی دفعہ بندی

اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۵: مجہول و مبہم چیز کے اقرار کے بیان میں:

دفعہ ۱: مبہم چیز کا اقرار درست ہے اور اس کو بیان پر مجبور کیا جائے گا اور مجہول شخص کے لئے اقرار فاسد ہے اس کو بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

مجہول شخص کے لئے اقرار فاسد ہے اور اس کو بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ مجبور کرنا صاحب حق کے لئے ہوتا ہے اور وہ یہاں مجہول ہے۔

یہ لکھا گیا ہے کہ اگر جہالت نہایت زیادہ ہو تو اقرار جائز نہیں ہے اور اگر زیادہ فاحش نہ ہو تو ایسی صورت میں حکم دیا جائے گا کہ یاد کرے کہ کس کے ہیں اس لئے کہ صاحب حق بسا اوقات بھول جاتا ہے اور بیان کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ زیادہ افراد کے لئے اقرار کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مقر سے لینے پر اتفاق کیا ہو اور پھر باہم صلح کریں تو دونوں کا دعویٰ ممکن ہے پس مقر کا اقرار صحیح ہو گا۔[2]

دفعہ ۲: مقر لہ مجہول ہونے کی صورت میں مقر سے قسم لیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

مقر لہ مجہول ہونے کی صورت میں وہ آپس میں صلح کر کے مقر سے وہ چیز لے سکتا ہے، لیکن اگر باہم صلح نہیں کی تو مقر سے ہر ایک کے واسطے قسم لی جائے گی کہ واللہ یہ غلام نہ اس کا ہے اور نہ اُس کا ہے، یہاں پر یہ مذکور نہیں ہے کہ ہر دونوں کے واسطے ایک بار ایک قسم لی جائے گی یا ہر ایک کے واسطے علیٰحدہ قسم لی جائے گی، دونوں اقوال علما سے منقول ہیں۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ جس کے نام سے شروع کرے اور یا دونوں کے نام کا قرعہ ڈالے۔

جب دونوں کے لئے قسم کھائے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک کے لئے قسم کھائے اور دوسرے کے لئے قسم کھانے سے انکار کرے تو مقر بہ اس کے لئے ہو گا جس کے قسم کھانے سے انکار کیا ہو۔

دونوں کی قسم سے انکار کیا تو مقر بہ اور اس کی قیمت دونوں کے نام برابر ہو گی خواہ اس نے قسم سے انکار ایک ساتھ کیا ہو اور یا ایک دوسرے کے بعد۔

اگر دونوں کے واسطے قسم کھالی تو ہر ایک کے دعویٰ سے بری ہو گا۔[4]

دفعہ ۳: جس طرح معلوم چیز کا اقرار صحیح ہوتا ہے اسی طرح مجہول چیز کا اقرار بھی صحیح ہوتا ہے۔[5]

وضاحت:

مقر بہ کا مجہول ہونا اقرار سے مانع نہیں کیونکہ بعض اوقات کوئی چیز لازم ہو جاتی ہے اور وہ مجہول ہوتی ہے، جیسے کسی کی مال تلف کی اور اس کی قیمت معلوم نہیں، یا اس کو زخمی کرے اور اس کا ارش معلوم نہ ہو تو یہاں پر جہالت کے باوجود یہ چیزیں لازم ہو جاتی ہیں، اسی طرح اقرار بھی ہے۔ لیکن اقرار کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو بیان کرے، کیونکہ اس کے بغیر اس حق کا حصول ناممکن ہے۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۱

(2) تبيين الحقائق، ۵:۴

(3) نفس مصدر، ۴:۱۷۱

(4) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۲۶

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۲

بیان میں اس چیز کو بیان کرے گا جس کی قیمت ہو، کیونکہ اقرار اس چیز کی خبر دینا ہے جو اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے اور جس کی قیمت نہ ہو وہ ذمہ پر لازم نہیں ہو جاتا، اگر مقر اسی چیز کا ذکر کرے جس کی کوئی قیمت نہ ہو تو گویا یہ اقرار سے رجوع کرتا ہے اور یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ اگر مقر لہ زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے تو مقر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔[1]

دفعہ ۴: غصب کے اقرار کی صورت میں مقر کو بیان پر مجبور کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے کوئی چیز غصب کی ہے اور بیان نہیں کی تو اس کا یہ اقرار صحیح ہے اور اقرار کرنے والے کو حکم کیا جائے گا کہ بیان کرے اگر اس نے مال متقوم بیان کئے اور مقر لہ نے اس کی تصدیق کی اور اس سے زیادہ کا دعویٰ نہ کیا تو مقر نے جس قدر کا اقرار کیا ہے وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔

اگر مال میں تصدیق کی لیکن اس کے بیان سے زیادہ کا دعویٰ کیا تو مقر نے جس قدر کا اقرار کیا ہے وہی لازم ہو گا، اور منکر زیادت کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر مقر لہ نے اس کے بیان کی تکذیب کی اور کسی دوسری چیز کا دعویٰ کیا تو تکذیب کرنے سے اس کا اقرار باطل ہو جائے گا اور جس چیز کا مدّعی نے دعویٰ کیا اس میں مقر کا قول قبول ہو گا۔

اگر ایسی چیز بیان کی جو مال نہ ہو اور مقر لہ نے اس کی تصدیق کی تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا خواہ اسی چیز بیان کی ہو جو غصب سے مقصود ہوتی ہے اور یا غصب سے مقصود نہیں ہوتا۔[3]

دفعہ ۵: وزن، کیل اور مقدار میں وہ مراد ہوں گے جو اس علاقہ کا عرف ہو۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر اتنے من گیہوں ہے اور یا کہا کہ اتنے دراہم ہیں تو اس شہر جو متعارف ہو وہ قرار دیا جائے گا۔ اگر شہر میں مختلف نقود ہوں اور کوئی زیادہ رائج ہو تو اس کی طرف اقرار پھیرا جائے گا۔ اور اگر رواج میں سب برابر ہو تو جو نقد سب سے کم ہو اس کی طرف اقرار راجع کیا جائے گا۔ یعنی دراہم کے اقرار کرتے وقت سب سے چھوٹا درہم مراد ہو گا جب رواج میں سب برابر ہو۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب اقرار کے ساتھ کوئی چیز متصل ذکر نہ کیا ہو اور اگر اقرار کے ساتھ کوئی چیز متصل ذکر کیا تو پھر اس کے اقرار کے موافق واجب ہو جائے گا۔[5]

دفعہ ۶: مالداری اور غربت میں اقرار کرنے والے کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔[6]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر بہت سے کپڑے اور بہت سے نابالغ غلام یا باندیاں ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس اور صاحبینؒ کے نزدیک نصاب کے مطابق (دو سو درہم) واجب ہوں گے۔

---

(1) اللباب فی شرح الکتاب، ۲:۷۶

(2) نفس مصدر، ۴:۱۷۲

(3) بدائع الصنائع، ۷:۲۱۴

(4) نفس مصدر، ۴:۱۷۳

(5) بدائع الصنائع، ۷:۲۱۹

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۳

اسی طرح مقر یہ اقرار کرے کہ میں نے بہت سے اونٹ، گائیں اور بکریاں غصب کرلیں ہیں تو صاحبینؒ کے نزدیک ہر جنس کے کم تر نصاب کے مطابق واجب کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہی اصح قول ہے، کیونکہ قلیل فقیر کے ہاں کثیر ہوتا ہے اور کثیر غنی کے ہاں قلیل ہوتا ہے، اور شرعاً بھی نصاب کے قول میں تعارض ہے اور وہ اس طرح کہ دو سوز کوٰۃ میں عظیم ہے۔ چوری اور مہر میں دس زیادہ ہے۔ تو بہتر یہ ہے کہ اقرار کرنے والے کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔[1]

دفعہ ۷: اقرار میں کنایہ عددی ذکر کیا جائے تو اس کے استعمال میں مفسر کا اعتبار کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

اگر مقر نے علی کذا کذا درھما کہا تو اس پر گیارہ درہم لازم ہوں گے اور اگر حرف عطف کے ساتھ ذکر کیا تو اکیس درہم لازم ہوں گے۔

اس لئے کہ پہلی صورت میں اس نے دو عدد مبہم بلا حرف عطف ذکر کئے ہیں اور ان کا اقل عدد گیارہ ہے اور اکثر انیس ہے تو اقل متیقن لازم ہو گا۔ اور زیادہ مراد لینا اس کے بیان سے ہو گا۔

دوسری صورت میں حرف عطف کے ساتھ ذکر کئے ہیں، جس کی ادنی نظیر اکیس ہیں۔

اگر کذا درھما کہا تو راجح قول کے مطابق ایک درہم لازم ہو گا کیونکہ لفظ درھما شے مبہم کی تفسیر ہے اور وہ کذا ہے، اور یہ عدد مبہم سے کنایہ ہے اور اس کا اقل متیقن ایک ہے۔ تو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اگر تین بار واؤ کے ساتھ کہا تو ایک سو اکیس ہوں گے اور چار بار واؤ کے ساتھ ذکر کیا تو ایک سو اکیس پر ایک ہزار کا اضافہ کیا جائے گا اور یہی اس کی نظیر ہے۔[3]

دفعہ ۸: عدد کے بعد مقدرات اور عدد مضاف ذکر کرنا اس کا بیان شمار ہو گا، اگر ایسا نہ ہو تو بیان شمار نہ ہو گا۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر سو اور ایک درہم ہے تو دونوں سے مراد درہم ہوں گے، اسی طرح اگر سو اور ایک دینار اور سو ایک من گندم ہے تو بھی یہی حکم ہے۔

اس میں جتنے صورتیں واقع ہو سکتی ہیں وہ اس سے خالی نہ ہوں گے۔

۱۔ اگر معطوف علیہ، معطوف کے جنس سے ہو تو بالاتفاق دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہو گی، یہی حکم ہر وزنی، کیلی اور عددی متقارب میں ہیں۔

۲۔ عروض اور عددی متفاوت میں امام محمدؒ کے نزدیک معطوف لازم ہو گا اور معطوف علیہ کے بیان میں اس کی طرف رجوع کریں گے تو وہ جس کو بیان کرے وہی لازم ہو گا، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معطوف اور معطوف علیہ سے ایک ہی چیز مراد ہو گی، کیونکہ عرف اسی پر قائم ہے۔ جیسے کوئی اقرار کرے کہ اس کا مجھ پر دس اور کپڑے ہے اور یا دس اور غلام ہے۔[5]

---

(1) مجمع الأنهرفي شرح ملتقى الأبحر،۲:۲۹۰

(2) نفس مصدر،۴:۱۷۴

(3) فتح القدير،۸:۳۳۲

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۷۵

(5) تحفة الفقهاء۳:۱۹۹

دفعہ ۹: مقرلہ معلوم ہو تو مقربہ کی جہالت صحت اقرار سے مانع نہیں ہے۔[1]

وضاحت:

کسی نے بکریوں کے ریوڑ میں کسی کے لئے ایک بکری کا اقرار کیا تو اس کا اقرار صحیح ہے، کیونکہ مقرلہ معلوم ہے اور مقربہ مجہول ہے اور اس کی جہالت اقرار کی صحت سے مانع نہیں ہے، اس صورت میں اگر مقرلہ کی مقر نے تصدیق کی تو اس کو قبول کیا جائے گا، انکار کی صورت میں گواہوں کے اور مدّعیٰ علیہ کے قسم سے انکار کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔

اگر مقرلہ نے غیر معین بکری کا دعویٰ کیا تو مقر کو اختیار ہو گا جس کو چاہے دے دیں، اور اگر مقر نے سب بکریوں پر قسم کھائی تو مقبول نہ ہو گی اور اس کو بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن اگر مقر نے بالکل انکار کیا اور گلہ ضائع ہو گیا تو وہ مقرلہ کے حصہ کا ضامن ہو گا۔[2]

دفعہ ۱۰: حد محدود میں داخل نہیں ہوتا۔[3]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر ایک سے دس تک یا مابین ایک سے دس تک ہے۔ صاحبینؒ اور ایک قول میں امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دس لازم ہوں گے، کیونکہ ابتدا اور انتہاء دونوں حدیں محدود میں داخل ہوں گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ امر وجودی کے لئے معدوم چیز حد نہیں ہو سکتی۔

امام زفرؒ کے نزدیک آٹھ لازم ہوں گے تو ان کے نزدیک دونوں حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گی، وجہ یہ ہے کہ بعض غایتیں مغیا میں داخل ہوتی ہیں اور بعض داخل نہیں ہوتیں۔ تو شک واقع ہو گیا، لہٰذا شک کی وجہ سے حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نو درہم لازم ہوں گی۔ اس کے نزدیک پہلی حد داخل مانا جائے گا کیونکہ دوسرے اور تیسرے کا وجود اوّل کے بغیر نہیں ہو سکتا اور انتہاء داخل نہ ہو گی۔[4]

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے۔ "أعمار أمتي ما بين الستين إلى السبعين"[5]

میری امت کی عمریں ساٹھ سال سے لے کر ستّر سال تک ہیں۔ یہاں پر ساٹھ سے اوپر اور ستّر سے کم مراد ہیں۔ اسی طرح اس مسئلے میں ابتدا داخل ہے اور انتہاء داخل نہیں۔[6]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۷۵

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۵۹

(3) نفس مصدر، ۴:۱۷۵

(4) تبیین الحقائق، ۵:۱۱

(5) المستدرک علی الصحیحین، ابوعبداللہ، حاکم، محمد بن عبداللہ، ۲:۴۶۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث امام مسلمؒ کے شروط کے مطابق ہے۔

(6) الأختيارلتعليل المختار، ۲:۱۳۲

باب ۶: مریض کے اقرار اور افعال کے بیان میں۔

دفعہ ۱۱: مرض موت وہ بیماری ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی اپنی ذاتی ضروریات کے واسطے باہر نہ نکل سکے۔[1]

وضاحت:

مرض الموت کی تعریف میں اختلاف ہے اس میں مختار یہ ہے جس مرض سے غالباً موت واقع ہوتی ہے اس کو مرض الموت کہتے ہیں خواہ وہ شخص بستر پر پڑا رہے یا نہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مرض موت وہ بیماری ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی اپنی ذاتی ضروریات کے واسطے باہر نہ نکل سکے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو تکلیف کے بغیر کھڑا نہ ہو سکے۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ بیماری ہے جس کی وجہ سے مریض بستر پر پڑا رہے اگر وہ اس بیماری میں بازار آتا جاتا ہو تو یہ مرض الوفات نہیں۔[2]

دفعہ ۱۲: مریض وارث کے لئے کسی عین یا دین کا اقرار نہیں کر سکتا۔[3]

وضاحت:

مریض اپنے وارث کے لئے عین یا دین کا اقرار کرے تو اس کا اقرار درست نہیں مگر یہ کہ باقی ورثاء اس کی تصدیق کرے، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں لیکن ان کا اصح قول یہ ہے کہ اس حالت میں اقرار کرنا درست ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں، کہ جہاں تہمت کا اندیشہ نہ ہو تو صحیح ہو گا ورنہ اقرار باطل ہو گا۔[4]

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مریض کا اقرار کرنا ایک حق ثابت کا اظہار ہے، سچائی کی جانب یہاں پر راجح ہے۔ اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ اس مریض ایسی حالت میں جھوٹ نہیں بولے گا، یہ ایسا ہے کہ کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا جائے، تو جس طرح اس کے لئے اقرار صحیح ہے اسی طرح وارث کے لئے بھی صحیح ہو گا، گویا یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ کسی شخص کی نسبت وارث ہونے کا یا کسی وارث کی ودیعت ضائع کرنے کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہے۔ احنافؒ کے نزدیک یہ اقرار باطل ہے۔[5]

ان کی دلیل یہ ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا إِقْرَارَ بِدَيْنٍ"[6]

کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور نہ دین کا اقرار۔

دفعہ ۱۳: مرض الموت نسب کا اقرار کرنا درست ہے۔[7]

وضاحت:

مریض نے کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا اور پھر اس کے نسب کا مدّعی ہو گیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اقرار باطل ہو جائے گا، لیکن اس شرط پر کہ اس اجنبی کا نسب معلوم نہ ہو اور وہ اقرار کرنے والے کی تصدیق کرے اور اس میں تصدیق کرنے کی لیاقت موجود ہو۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۶

(2) بدائع الصنائع، ۳:۲۲۴

(3) نفس مصدر، ۴:۱۷۶

(4) العناية شرح الهداية، ۸:۳۸۷

(5) قرةعين الأخيار، ۸:۲۹۲

(6) سنن دارقطنی، ۵:۲۶۸، حدیث نمبر: ۴۲۹۸۔ حافظ ابونعیم نے تاریخ اصبهان میں اشعث بن خراسانی کے تحت اس کو مسنداً ذکر کیا ہے۔
[تاریخ أصبهان، ابونعیم، احمد بن عبد اللہ، ۱:۲۷۳، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۰ھ]

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۶

یہاں پر اقرار اس لئے باطل ہوتا ہے کہ دعویٰ نسب وقت علوق (ابتدائی پیدائش) کی طرف مسند ہوتا ہے تو یہ اپنے بیٹے کے لئے اقرار ہوا اور اس کے لئے درست نہیں۔[1]

دفعہ ۱۴: اقرار میں جہاں مقر پر تہمت لگتی ہو تو اس کا اقرار باطل ہو گا۔[2]

وضاحت:

اگر مریض نے اپنے بیٹے کے لئے قرض کا اقرار کیا اس حالت میں کہ وہ نصرانی یا غلام ہے، پھر وہ اسلام لے آیا یا آزاد ہو گیا۔ اس کے بعد یہ مریض مر گیا تو یہ اقرار باطل ہے۔ اس لئے کہ اقرار کے وقت ان کے درمیان تہمت کا سبب قائم تھا، یعنی وہ قرابت جس کی وجہ سے وہ آخر کار وارث ہوا ہے۔[3]

دفعہ ۱۵: مریض کا وارث کے لئے ودیعت، مضاربت اور عاریت کا اقرار درست نہیں۔[4]

وضاحت:

مریض نے مرض میں کسی وارث کے لئے معین ودیعت، مضاربت اور عاریت کا اقرار کیا اور پھر اسی مرض میں مر گیا تو اس کا یہ اقرار جائز نہیں۔[5]

دفعہ ۱۶: عورت کے لئے مرض موت میں مہر کا اقرار کرنا درست ہے۔[6]

وضاحت:

کسی نے مرض موت میں اپنی عورت کے دین مہر کا اقرار کیا تو مہر مثل تک اس کی تصدیق کی جائے گی اور وہ دیگر قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہو گی۔ اگر اس نے مہر مثل سے زیادہ عورت کے واسطے اقرار کیا تو زیادتی باطل ہے۔[7]

دفعہ ۱۷: وارث کے لئے اقرار کیا لیکن مقر لہ (وارث) مقر سے پہلے مر گیا تو یہ اقرار درست ہے۔[8]

وضاحت:

جو کوئی جس کے لئے اقرار کرتا ہے تو اس کا یہ اقرار تین صورتوں میں سے ایک صورت کے ساتھ متعلق ہو گا۔

۱۔ ایک یہ کہ مقر لہ اقرار کے وقت وارث ہو لیکن موت کے وقت وارث نہ ہو، جیسے کسی نے مرض وفات میں اپنے بھائی کے لئے اقرار کیا، اس کے بعد اس کا بیٹا پیدا ہوا تو چونکہ وفات کے وقت بھائی اس مقر کا وارث نہیں، اس لئے کہ اس کا بیٹا موجود ہے تو یہ اقرار درست ہو گا۔

---

(1) مجمع الضمانات، ۱:۳۷۷

(2) نفس مصدر، ۴:۱۷۶

(3) الجامع الصغیر، ۱:۵۲۵

(4) نفس مصدر، ۴:۱۷۶

(5) الأصل للشیبانی، ۸:۲۳۲

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۶

(7) فتح القدیر، ۸:۳۹۳

(8) نفس مصدر، ۴:۱۷۷

۲۔ مقر کے اقرار کے وقت اور موت کے وقت وارث ہو لیکن اس کے درمیان میں وارث نہ ہو تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار جائز نہیں۔ اس کی مثال یہ ہوگی، کہ ایک عورت سے نکاح کیا اس کے بعد اس کو طلاق دی، عدت گزرنے کے بعد اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا۔ اس صورت میں امام ابویوسفؒ کے نزدیک اقرار اس لئے درست نہیں کہ طلاق دینے کی وجہ سے وہ متہم ہو گیا۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں اقرار جائز ہے، کیونکہ اقرار کے ناجائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ سبب موت تک وارث ہونے کا سبب بنا رہے اور یہاں پر ایسا نہیں، اس لئے اقرار جائز ہوگا۔

۳۔ جو اقرار کے وقت وارث نہ ہو لیکن موت کے وقت وارث ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

الف۔ اگر ایسا سبب ہو جو اقرار کے وقت قائم ہو تو اقرار صحیح نہ ہوگی۔ جیسے کوئی اپنے بھائی کے لئے اقرار کرے اور اس مقر کا اقرار کے وقت بیٹا (وارث) موجود ہو، لیکن یہ لڑکا اپنے باپ کی وفات سے پہلے مر گیا تو اقرار درست نہ ہوگا۔

ب۔ اگر سبب جدیدہ ہو، جیسے کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ اقرار درست ہے۔

امام زفرؒ کے نزدیک یہ اقرار جائز نہیں، کیونکہ یہ اقرار وارث کے لئے موت کے وقت حاصل ہوا اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی نسب کے ذریعہ وارث بنے۔

اس کو جواب دیا گیا ہے کہ جس وقت اقرار صادر ہوا اس وقت مقرلہ اجنبی تھا اور اجنبی ہونے کی وجہ سے یہ اقرار نافذ ہوگا۔[1]

دفعہ ۱۸: مریض کا اقرار قاتل کے لئے درست نہیں۔[2]

وضاحت:

مریض اپنے قاتل کے لئے اقرار نہیں کر سکتا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ زخم ایسا ہو کہ غالب طور پر اس سے ہلاکت کا خوف ہو اور اگر ایسا زخم نہ ہو کہ جس سے غالباً موت واقع ہوتی ہو تو اس کا اقرار درست نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل کے لئے اقرار کرنا ایسا ہے جیسے وارث کے لئے اقرار کرنا درست نہیں، اس لئے کہ وہ قاتل کو فائدہ پہنچانے سے عاجز ہے۔

جس طرح قاتل کے لئے وصیت اور کوئی چیز ہبہ کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کے لئے اقرار کرنا بھی درست نہیں۔[3]

دفعہ ۱۹: حالت صحت کے قرض مقدم ہے اس قرض سے جو اقرار سے مرض وفات میں ثابت ہو جائے۔[4]

وضاحت:

مریض پر جو دین اس کی تندرستی کے زمانہ کا ہو خواہ گواہوں کے ذریعہ معلوم ہو یا اقرار سے، وارث کا دین ہو یا کسی اجنبی کا، عین کا اقرار ہو یا دین کا۔ ہر حالت میں حالت صحت کا دین مطلقاً اور جو دین اس پر مرض وفات میں اسباب معروفہ کے ساتھ لازم ہوا ہو وہ دونوں ہمارے نزدیک اس دین پر مقدم ہوں گے جس کا مریض نے اپنے مرض وفات میں اقرار کیا ہے۔

احنافؒ اور امام احمد اس کے قائل ہیں۔

اگر اس کا انتقال ہو جائے تو پہلے اس کے ترکہ سے دین صحت اور وہ دین ادا کریں گے جو مرض موت میں اسباب معروفہ کے ساتھ لازم ہوا ہے اس کے بعد جو کچھ مال بچے گا اس سے وہ دین ادا ہوگا جس کا اس نے مرض موت میں اقرار کیا ہے۔

---

(1) تبیین الحقائق، ۵:۲۶

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۷

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۳۴

(4) نفس مصدر، ۴:۱۷۷

امام شافعیؒ اورامام مالکؒ کے نزدیک دین صحت اوردین مرض برابر ہیں۔کیونکہ ان دونوں کاسبب یعنی اقرارجو عقل ودین کے ساتھ صادر ہوا ہےاوروجوب کا محل وہ ذمہ ہے جو قابل حقوق ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے حالت مرض میں بیع ونکاح کا کوئی باہمی تصرف پیدا کیا تو جیسے حالت صحت کا نکاح اور حالت مرض کا نکاح برابر ہے ایسے ہی اقرار کا حکم ہے۔

احنافؒ کی دلیل یہ ہے کہ بے شک اقرار دلیل ہے لیکن اس کادلیل ہونا اسی وقت معتبر ہوتا ہے۔جب اس سے دوسرے کا حق باطل نہ ہوتا ہو اور اگر وہ غیر کے حق کو باطل کرتا ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مریض کے اقرار میں یہ بات موجود ہے،یعنی اس سے دوسرے کا حق باطل ہو جاتا ہے،اوروہ اس طرح کہ صحت کے قرض خواہوں کا حق اس کے مال کے ساتھ وابستہ ہے۔[1]

اگر یہ گواہوں اور قاضی کے مشاہدہ سے ثابت ہو جائے تو اس میں حالت صحت اور مرض کا دین برابر ہو گا۔[2]

دفعہ ۲۰:مرض میں ودیعت کا اقرار کرنا قرض کی طرح ہے۔[3]

وضاحت:

اگر مرض میں دین کا اقرار کیا اور پھر ودیعت کا اقرار کیا تو دونوں دین ہوں گے اور ودیعت مقدم نہ ہو گی اور اگر پہلے ودیعت کا اقرار کیا اور پھر دین کا اقرار کیا تو اقرار ودیعت اولیٰ ہے،جب اس پر حالت صحت میں قرض نہ ہو۔

اگر پہلے مرض میں دین کا اقرار کیا اور پھر ودیعت کا اقرار کیا،اس کے بعد مضاربت اور دوسرے قرض کا اقرار کیا تو یہ سب باہم قرض کے مطالبہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔[4]

دفعہ ۲۱:مرض میں اپنی طرف سے وقف کا اقرار تہائی مال سے جائز ہو گا اور غیر کی طرف نسبت کرنے میں کل میں وقف جائز ہو گا۔[5]

وضاحت:

مریض نے کسی مقبوضہ زمین کی نسبت اقرار کیا کہ یہ وقف ہے،پس اگر اپنی جانب سے وقف کا اقرار کیا تو تہائی مال سے جائز رکھا جائے گا اور اگر دوسرے کی طرف سے وقف کا اقرار کیا اور اس کے وارثوں نے اس کی تصدیق کی تو کل میں وقف جائز ہو گا اور اگر صرف وقف کا ذکر کیا تو تہائی مال سے قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح اگر مریض نے اپنے غلام کی آزادی کا اقرار کیا یا صدقہ کا اقرار کیا تو اس کا حکم بھی ایسا ہے۔[6]

دفعہ ۲۲:مریض نے وارث اور اجنبی کے لئے اقرار کیا تو یہ اقرار باطل ہو گا۔[7]

وضاحت:

مریض نے اپنے وارث اور ایک اجنبی کے لئے دین کا اقرار کیا تو اقرار باطل ہے خواہ دونوں نے شرکت کی باہم تصدیق کی ہو یا تکذیب کی ہو یہ امام ابو حنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کا قول ہیں۔

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۸۳

(2) تحفة الفقهاء،۳:۲۰۲

(3) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۷۷

(4) الأصل للشيبانی،۸:۴۱۹

(5) نفس مصدر،۴:۱۷۸

(6) الدرالمختار،۵:۶۱۳

(7) نفس مصدر،۴:۱۷۸

امام محمدؒ کے نزدیک اجنبی کے لئے اس کے حصہ کے بقدر جائز ہے اگر دونوں نے شرکت کی باہم تکذیب کی ہو اور یا اجنبی نے شرکت سے انکار کیا ہو۔

اگر وارث نے شرکت میں اس کی تکذیب کی اور اجنبی نے اس کی تصدیق کی اس میں اصح قول یہ ہے کہ یہ بالاتفاق جائز نہیں۔ اگر مقر نے دونوں کی نفی شرکت کی تصدیق کی اور کہا کہ دین مشترک نہ تھا اور میں نے شرکت کا جھوٹا اقرار کیا تھا تو اس کے وقت اجنبی کے لئے اقرار درست ہو گا۔[1]

دفعہ ۲۳: مریض کے اقرار کے بعد وارث نے اس سے انکار کیا تو اقرار باطل ہو گا۔[2]

وضاحت:

مریض نے اپنے وارث کے لئے غلام کا اقرار کیا، مقر نے کہا کہ یہ میرا نہیں بلکہ فلاں کا ہے اور فلاں نے اس کی تصدیق کی، مریض مر گیا تو یہ غلام اس اجنبی کو دیا جائے گا اور وارث اس کی قیمت دے گا۔

اسی طرح اگر وارث نے دوسرے وارث کے لئے غلام کا اقرار کر دیا تو یہ غلام دوسرے کو دیا جائے گا اور پہلے وارث پر اس کی قیمت واجب ہو گی اور وہ میراث قرار پائے گا اور اس میں سے پہلے اور دوسرے کو حصہ ملے گا۔[3]

دفعہ ۲۴: مریض کا وارث سے قرض کے حصول کا اقرار صحیح نہیں اور اجنبی سے حصول دین کا اقرار صحیح ہے۔[4]

وضاحت:

مریض اگر اس قرض کے حصول کا اقرار کرے جو اس کا کسی پر واجب تھا۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ دین کسی پر واجب تھا اور اس نے قرض وصول کرنے کا اقرار کیا۔

۲۔ دین کسی اجنبی پر واجب تھا اور اس نے اس کے وصول کا اقرار کیا۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

الف۔ اس دین کے وصولی کا اقرار کیا ہو گا جو اس پر حالت صحت میں واجب تھا۔

ب۔ اس دین کے وصولی کا اقرار کیا ہو گا جو اس پر مرض موت میں لازم تھا۔

اگر اس قرض کے وصولی کا اقرار کیا جو اس پر حالت صحت میں فرض تھا تو اس کا قول صحیح ہو گا اور اس کی تصدیق کی جائے گی، اور قرض دار قرض سے بری ہو جائے گے خواہ یہ قرض کسی مال کے بدلے ہو، جیسے نقد دیا ہو اور کوئی چیز فروخت کی اور اس کا ثمن مشتری کے ذمہ واجب ہوا۔ اور یا ایسی چیز کا بدل ہو جو مال نہ ہو، جیسے جنایت کا ارش اور صلح عمد کا بدل۔ اور مریض پر خواہ حالت صحت کا قرض ہو اور یا نہ ہو۔ اور اگر حالت مرض میں دوسرے پر یہ قرض واجب ہوا ہے تو وصول کرنے کا اقرار مریض کے قرض خواہوں کے حق میں صحیح نہیں ہے جب اس پر صحت کا قرض ہو۔

یہ حکم اس وقت ہے کہ اس دین کا وجوب حالت صحت میں گواہوں سے اور یا قاضی کے معائنہ سے معلوم ہوا ہو۔

---

(1) الدرالمختار، ۶۱۳:۵

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۱۷۸:۴

(3) مجمع الضمانات، ۳۸۳:۱

(4) نفس مصدر، ۱۷۹:۴

اگر صرف مریض اور قرض دار کے قول سے ثابت ہوا ہو، جیسے مریض نے کسی خاص شخص سے کہا کہ میں نے اپنی صحت میں یہ غلام تیرے ہاتھ میں اس قدر ثمن کے عوض بیچ کر قبضہ کرادیا تھا اور قیمت وصول کیا تھا اور مشتری نے اس کی تصدیق کی اور یہ صرف ان دونوں کے قول سے معلوم ہوا، پس اگر غلام مشتری کے پاس یا بائع کے پاس اقرار کے وقت بعینہ قائم ہو اور یا اقرار کے وقت ہلاک ہو گیا ہو مگر ابتدائے مرض میں اس کا موجود ہونا معلوم ہو اور یا ہلاک ہو گیا ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ مریض کی حالت مرض میں مرا ہے یا حالت صحت میں مرا ہے تو ان سب صورتوں میں اگر صحت کے قرض خواہ مریض کی ثمن کی وصولی میں تکذیب کریں تو مریض کا اقرار صحیح نہ ہو گا۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ غلام حالت صحت میں مرا ہے تو مریض کا اقرار صحیح ہے۔

اور اگر دین کسی وارث پر واجب تھا اور مریض نے وصول کرنے کا اقرار کیا تو یہ جائز نہیں، خواہ حالت صحت میں واجب ہوا ہو اور یا حالت مرض میں واجب ہوا ہو اور خواہ مریض حالت صحت کا قرض ہو یا نہ ہو۔[1]

دفعہ ۲۵: مریض کا وارث سے امانت وصول کرنے کا اقرار جائز ہے۔[2]

وضاحت:

قرض دار مریض نے اقرار کیا کہ جو میری ودیعت، عاریت اور مضاربت میرے وارث کے پاس تھی میں نے وصول کر لی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

یعنی وارث سے امانت کے قبضہ کا اقرار کرنا درست ہے، وارث کے لئے اقرار موقوف ہو گا مگر تین چیزوں میں نہیں۔

۱۔ ودیعت معروف کے تلف کرنے کا اقرار کرنا۔

۲۔ وارث کے پاس ودیعت کا مال ہو اس کے وصول ہونے کا اقرار کرنا۔

۳۔ وارث نے وکیل بن کر مدیون سے قرض وصول کی اور مریض نے وارث سے اس کی وصولی کا اقرار کیا۔[3]

دفعہ ۲۶: مرض وفات میں منکوحہ اور معتدہ کا استیفاء مہر کا اقرار درست نہیں، غیر منکوحہ اور غیر معتدہ کا اس قسم کا اقرار جائز ہے۔[4]

وضاحت:

مریضہ نے شوہر سے اپنے تمام مہر وصول کرنے کا اقرار کیا حالانکہ اس پر حالت صحت کا قرض ہے پھر شوہر کے طلاق دینے سے پہلے اس مرض میں مر گئی تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہے، کیونکہ شوہر اس کا وارث ہے اور وارث کے لئے اقرار درست نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب عورت کی وفات اس حالت میں ہوئی ہو جب وہ نکاح میں ہو اور یا طلاق دی گئی ہو لیکن عدت ابھی پوری نہ ہوئی ہو کہ وفات پا جائے۔ اس صورت میں شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ اس کا مہر دے تاکہ قرض خواہوں میں اس کے حصوں کے موافق تقسیم کیا جائے۔

اگر شوہر نے دخول سے پہلے اس کو طلاق دیدی پھر اس نے اپنا مہر وصول کرنے کا اقرار کیا پھر اسی مرض میں وفات پا گئی تو اس کا اقرار صحیح ہے، کیونکہ شوہر اس صورت میں عورت کا وارث نہیں ہے۔[5]

---

(1) بدائع الصنائع، ۷:۲۲۶

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۷۹

(3) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۹۴

(4) نفس مصدر، ۴:۱۸۰

(5) فتح القدیر، ۸:۳۹۳

دفعہ ۲۷: مرض میں اس وارث سے وصول کا اقرار کرنا جس کا وارث نہ ہونا یقینی ثابت ہو جائے۔[1]

وضاحت:

عورت سے مال پر خلع کیا اور خلع کے بعد اس کی عدت گزر گئی اور مریض نے اقرار کیا کہ میں نے اس سے بدل خلع وصول کیا ہے اور اس پر کچھ قرض حالت صحت یا مرض کا نہیں ہے تو یہ اقرار صحیح ہے۔ کیونکہ عدت گزرنے کی وجہ سے اس کا وارث نہ ہونا یقینی ہے تو اس عورت اور اجنبی سے قرض کے وصولی کا اقرار کرنا ایک جیسا ہے۔[2]

دفعہ ۲۸: وارث مریض کی طرف سے وکیل قرض کی وصولی یا رسائی کا اقرار کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔[3]

وضاحت:

مریض نے وارث کو کچھ دراہم دیدیئے کہ اس کو قرض خواہوں پہنچاؤ۔ وارث نے کہا کہ میں نے قرض خواہوں کو ادا کئے اور انہوں نے وارث کی تکذیب کی تو وارث کی تصدیق کی جائے گی اور وہ ضمان سے بری ہو گا، خواہ مریض اس کی تصدیق کرے اور یا تکذیب۔

اسی طرح اگر مریض نے وارث کو قرض کی وصولی کے لئے وکیل مقرر کیا اور قرض کسی اجنبی پر ہو، پس وارث نے کہا کہ میں نے قرض وصول کر کے مریض کو دے دیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور قرض دار بری ہو گیا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب وارث کو مریض نے کسی سامان کو فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا اور وارث نے گواہوں کے سامنے اسی سامان کو مریض کے قول کے مطابق فروخت کیا۔ اس کے بعد مریض کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد کہا کہ میں نے قیمت وصول کر کے مریض کو ادا کیا ہے۔[4]

دفعہ ۲۹: کفیل کو وصولی کی وجہ سے بری کرنا اصیل کو بری کرنا ہے۔[5]

وضاحت:

ایک آدمی کا دوسرے پر قرض ہو اور ایک وارث اس کا کفیل ہو اور یا قرض وارث پر ہو اور اجنبی اس کا کفیل ہو خواہ وارث کے حکم سے کفیل ہوا ہو اور یا اس کے حکم کے بغیر کفیل ہوا ہو۔ پھر حالت مرض میں دونوں میں سے ایک سے وصول کرنے کا اقرار کیا تو یہ باطل ہے۔

اگر اجنبی کو وصول کرنے کے بغیر بری کر دیا پس اگر اجنبی اصیل ہو تو صحیح نہیں ہے اور اگر کفیل ہو تو تہائی مال سے بری کرنا صحیح ہے۔ اگر میت کا اس قدر مال ہو کہ جس کی تہائی یہ قرض ہو تا ہے تو صحیح ہے اور کفیل سے کچھ مؤاخذہ نہ ہو گا۔ اگر میت کا اس قرض کے علاوہ کچھ مال نہ ہو تو اس کی تہائی سے بری کرنا صحیح ہے اور باقی دو تہائی کے لئے وارثوں کو اختیار ہے چاہے اصیل سے اور چاہے کفیل سے لیں اور ایک تہائی جس سے کفیل کو بری کیا ہے صرف وہ اصیل سے لے سکتے ہیں۔[6]

دفعہ ۳۰: مریض کے اقرار کے بعض ورثاء اقرار کریں اور بعض انکار کریں تو یہ اقرار باطل ہو گا۔[7]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۸۰

(2) المبسوط للسرخسي، ۱۸:۸۳

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۸۱

(4) الأصل للشيباني، ۸:۲۷۷

(5) نفس مصدر، ۴:۱۸۱

(6) المبسوط للسرخسي، ۱۸:۸۲

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۸۲

وضاحت:

ایک آدمی نے مرتے وقت یہ اقرار کیا کہ میں نے یہ گھر تین بیٹوں میں ایک سے اور ایک اجنبی سے خریدا ہے تو اس بیٹے اور اجنبی نے اس کی تصدیق کی اور باقی دو نے اس کی تکذیب کی تو یہ اقرار باطل ہے۔ جب اقرار باطل ہوا تو یہ گھر ان سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

اگر اجنبی نے شرکت میں اس کی تکذیب کی، جیسے یوں کہا کہ میں نے آدھا گھر اس کے ہاتھ بیچا تھا اور باقی آدھا میں نہیں جانتا اور بیٹے شرکت میں اس کی تصدیق کی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اور پہلا صورت یکساں ہے۔

اگر بیٹے نے تکذیب کی اور اجنبی نے تصدیق کی تو بھی شیخینؒ کے نزدیک یہ اقرار باطل ہے۔(1)

دفعہ ۳۱: جہاں اقرار میں تہمت کا اندیشہ ہو تو میراث اور دین میں سے اقل ملے گا۔(2)

وضاحت:

اگر مرض وفات میں بیوی کو تین بار طلاق دے دی پھر اس کے لئے اقرار کیا تو میراث اور اقرار میں سے جو کمتر ہو وہ عورت کو ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اقرار میں متہم ہو سکتے ہیں اس لئے کہ زمانہ عدت موجود ہے اور اقرار کا باب مسدود ہے لیکن ممکن ہے، اس لئے میراث سے زیادہ لانے پر طلاق پر اقدام کیا ہو اور کم تر مقدار میں تہمت کا امکان نہیں، لہٰذا کم تر مقدار ثابت ہوگی۔

مگر حکم مذکور کے لئے شرط یہ ہے کہ مقر دوران عدت مر گیا ہو اگر عدت کے بعد مرا تو اقرار صحیح ہوگا۔[3]

اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شوہر نے عورت کی طلب پر طلاق دی ہو اور اگر طلاق بغیر طلب کے ہو تو عورت کو میراث ملے گا۔ جتنی بھی اس کے حصہ میں آتی ہو اس کے لئے اقرار صحیح نہ ہوگا، کیونکہ عورت تو اس کی وارث ہے اور اس کا شوہر زوج فار ہے۔(4)

دفعہ ۳۲: مریض تہائی مال میں سے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جو اس کے ذمہ واجب نہ ہو۔(5)

وضاحت:

قرض خواہوں کے حق کی وابستگی کی وجہ سے مریض کو تبرعات اور محابات کی ممانعت ہے۔ یعنی وہ ترکہ کے تہائی مال میں سے زیادہ ایسا کام نہیں کر سکتا جو اس کے ذمہ واجب نہیں ہیں، جیسے وصیت اور ہبہ، محابات بھی نہیں کر سکتا اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو اس کی قیمت سے کم پر کسی کے ہاتھ فروخت کر دے۔(6)

باب ۷: مورث کے مرنے کے بعد وارث کے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۳۳: ابتدائے کلام آخر کلام پر موقوف رہے گا جب آخر میں کوئی ایسی چیز ہو جو اوّل کو بدل دیں۔(7)

وضاحت:

کلام کے آخر میں ایسی چیز لانا جس کی وجہ سے ابتدائے کلام میں ردوبدل واقع ہو جائے تو اول کلام اس آخر پر موقوف رہے گا۔ جیسے کوئی عورت کہے کہ میں نے اپنے نفس کو تجھے ایک سو دینار کے بدلے دیا ہے، شوہر نے اس کو قبول کیا تو یہ منعقد نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہاں

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۴۶:۱۴
(2) نفس مصدر، ۱۸۳:۴
(3) اللباب فی شرح الكتاب، ۸۵:۲
(4) الدرالمختار، ۳۹۲:۳
(5) نفس مصدر، ۱۸۴:۴
(6) الهداية، ۱۸۶:۳
(7) فتاویٰ عالمگیری، ۱۸۵:۴

پر صرف "زوجت" سے مہر مثل سے نکاح کا انعقاد صحیح ہوا لیکن جب اس نے آخر میں سو دینار کا ذکر کیا تو مہر مسمیٰ لازم ہوا اور کلام میں تغییر واقع ہوا اس وجہ سے یہ درست نہ ہوا۔(1)

اسی طرح ایک شخص مر گیا اور اس نے ہزار درہم اور بیٹا چھوڑا اس لڑکے کلام موصول کے ذریعے یہ اقرار کیا کہ میرے باپ پر اس فلاں اور فلاں کے ہزار ہزار درہم ہیں، تو یہ ہزار ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اگر ایک کے لئے پہلے اقرار کیا اور پھر خاموش رہنے کے بعد پھر دوسرے کے لئے اقرار کیا تو اول زیادہ اس کا مستحق ہو گا، پھر یہ ترکہ اگر قاضی کے حکم سے مقرلہ کے حوالہ کیا گیا ہو تو دوسرے مقرلہ کے لئے ضامن نہ ہو گا اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر دیا ہو تو دوسرے مقرلہ کے لئے آدھے ترکہ کا ضامن ہو گا۔ اگر مقرلہ اوّل کے لئے ودیعت اور دوسرے کے لئے دین کا اقرار کیا تو صاحب ودیعت اولیٰ دین والے سے ہو گا۔(2)

دفعہ ۳۴: ورثاء میں سے ایک نے دین کا اقرار کیا تو اس کے حصہ میں سے یہ قرض پوری کی جائے گی۔(3)

وضاحت:

ایک آدمی کے ورثاء میں سے دو بیٹے تھے اور ترکہ میں دو ہزار درہم چھوڑے، ہر ایک بیٹے نے اپنے حصے کی میراث وصول کی، اس کے بعد دو آدمیوں نے اس پر ہزار ہزار درہم کا دعویٰ کیا، ورثاء نے ان مدّعیوں میں سے اوّل کے لئے دونوں نے اقرار کیا اور دوسرے کے لئے ایک نے اقرار کیا، تو جس کے لئے دونوں نے متفقہ اقرار کیا وہ ہر ایک سے آدھا لے گا کیونکہ دونوں اس کے دین کی تصدیق کرتے ہیں تو گویا ایسا ہوا کہ اس وقت اس کے علاوہ کوئی غیر موجود نہ تھا تو پہلے اس کا حق پورا کیا جائے گا۔ اور دوسرے کے لئے جس نے اقرار کیا وہ صرف اس سے اپنا قرض وصول کرے گا۔

اگر اس طرح ہوا کہ دونوں نے کوئی چیز وصول نہیں کی اور جس کے لئے دونوں نے اقرار کیا تھا وہ غائب ہو گیا اور جس کے لئے ایک نے اقرار کیا تھا اس نے مقر کو قاضی کے مجلس میں پیش کیا اور وہاں مقر نے مقرلہ کے قول کی تصدیق کی تو قاضی اس سے پورے ہزار درہم لے گا، کیونکہ اسی کا اقرار کیا ہے اور فیصلہ ان اموال میں کیا جاتا ہے جو اس وقت میسر ہو تو مقرلہ کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو پورے ہزار درہم دے دو۔ اب اگر غائب نے آکر دوسرے بھائی کو قاضی کے مجلس میں پیش کیا تو اس کو بھی پورے ہزار درہم دی جائے گی اور اس بھائی کے لئے دوسرے پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی، کیونکہ ہر ایک نے دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے یہ تو اس سے اقرار کی وجہ سے لیا گیا ہے۔(4)

دفعہ ۳۴: اقرار حجت قاصرہ ہے یہ غیر کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔(5)

وضاحت:

ایک آدمی نے ترکہ میں دو غلام چھوڑے جن میں ہر ایک کی قیمت ہزار درہم تھی اور ورثاء میں دو بیٹے تھے، ہر ایک نے تقسیم کے ذریعے اپنا حصہ وصول کیا اور دونوں نے اقرار کیا کہ ہمارے باپ ان میں سے وہ غلام جو چھوٹے کے قبضہ میں آزاد کیا تھا اور بڑے نے کہا کہ میرے باپ نے اس غلام کو جو میرے قبضہ میں ہے حالت صحت میں آزاد کیا تھا دونوں کا اقرار ایک ساتھ واقعہ ہوا تو یہ دونوں غلام آزاد ہو جائیں گے، پہلے تو اس لئے کہ دونوں نے اس کی حریت پر اتفاق کیا ہے اور دوسرا غلام جس کے لئے صرف بڑے

---

(1) الدرالمختار، ۱۴:۳
(2) المبسوط، ۴۴:۱۸
(3) نفس مصدر، ۱۸۵:۴
(4) المبسوط للسرخسی، ۴۸:۱۸
(5) فتاویٰ عالمگیری، ۱۸۶:۴

نے اقرار کیا ہے تو اقرار اس کی ملک میں واقع ہو گئی ہے اس لئے یہ غلام آزاد کیا جائے گا۔ لیکن اس نے اقرار کے ذریعے دوسرے کا حصہ ضائع کیا ہے اور وہ اس طرح کہ چھوٹے کو دیا گیا غلام تو دونوں کے نزدیک آزاد ہے، اس لئے دوسرے غلام میں یہ چھوٹا بھائی اس کا حصہ دار رہے گا اور اس نے آزاد کرانے کی وجہ سے اس کا حصہ ضائع کیا ہے تو اس وجہ سے اس کے لئے آدھی قیمت کا ضامن ہو گا۔[1]

تقابل:

Proof of admission against persons making them, and by or on their behalf.[2]

اقرار اس آدمی کے حق میں لازم قرار دیا جائے گا جس نے یہ اقرار کیا ہو، یعنی اقرار حجت قاصرہ ہے حجت متعدی نہیں۔ تو شرعی اور وضعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

باب۸: مقر اور مقرلہ کے درمیان اختلاف واقع ہونے کے بیان میں۔

دفعہ ۳۵: مقر اور مقرلہ کا سبب مقربہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو اس کا یہ اختلاف صحت اقرار سے مانع نہیں ہے۔[3]

وضاحت:

اقرار کرنے والے کا اگر مقرلہ سے اختلاف واقع ہو جائے اور اختلاف مقربہ کے سبب میں ہو تو یہ اختلاف صحت اقرار سے مانع نہیں ہے، جیسے کوئی ہزار درہم کا دعویٰ کرے قرض کی جہت سے اور مدّعیٰ علیہ کہے کہ یہ ثمن مبیع کی وجہ سے واجب ہے تو یہ اختلاف اقرار کے لئے مانع نہیں۔

ہاں اگر ایسا سبب ہو جو اختلاف کا سبب بن سکتا ہو، جیسے مقر کہے کہ میں نے تجھ سے ہزار درہم ودیعت کے اعتبار سے لئے ہے اور ہزار درہم غصب کی وجہ سے، لیکن ودیعت کے ضائع ہوئے ہیں اور غصب کے باقی ہے اور مقرلہ اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے تو مقرلہ کا قول معتبر ہو گا یہ دراہم مقر سے لے گا اور دوسرے ہزار کا ضامن رہے گا۔[4]

دفعہ ۳۶: غیر کا مال لینا وجوب ضمان کا سبب ہوتا ہے۔[5]

وضاحت:

غیر کا مال لینا وجوب ضمان کا سبب ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"على اليد ما أخذت حتى تؤدي"[6]

یعنی جو کسی سے کوئی چیز لے لیں تو وہ اس پر اس وقت تک لازم ہے جب تک وہ اسے ادا نہ کریں۔

دفعہ ۳۷: سبب ضمان کا اقرار کرنے سے ضمان لازم ہو جاتا ہے۔[7]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۴۸:۱۸

(2) The Qanun-e-Shahadat,P:60,Chapter:3,Article:34

(3) نفس مصدر، ۱۸۶:۴

(4) مجلة الأحكام العدلية، ۳۰۹:۱

(5) نفس مصدر، ۱۸۶:۴

(6) سنن ابی داؤد، باب فی تضمين العور، ۲۹۶:۳، حدیث نمبر: ۳۵۶۱

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۱۸۶:۴

وضاحت:

مقرنے کہا کہ میں نے یہ دراہم ودیعت کے طور پر لئے تھے اور وہ مقر کے تعدی کے بغیر ہلاک ہوگئے اور مقرلہ کہتا ہے کہ نہیں تو نے غصب کئے تھے تو مقر ضامن ہو گا کیونکہ اس نے سبب ضمان یعنی لینے کا اقرار کیا ہے، پھر وہ اپنی برأت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لینا آپ کی اجازت تھا اور مقرلہ اس سے انکار کرتا ہے تو منکر کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

لیکن اگر اخذ کی جگہ یہ الفاظ کہے کہ تو نے مجھے ہزار درہم ودیعت دیئے تھے اور مقرلہ غصب کا قول کرتا ہے تو اس صورت میں مقر پر کوئی ضمان لازم نہ ہو گا کیونکہ اس نے سبب ضمان کا اقرار نہیں کیا ہے۔[1]

دفعہ ۳۸: غیر کی ملکیت سے قبضہ کے حصول کا اقرار کرنا ضمان کو واجب کرتا ہے۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے تجھے جو دراہم قرض دیئے تھے میں نے اس کو وصول کیا ہے اور مقرلہ نے کہا کہ تو نے مجھ سے مال لیا ہے لیکن تیرا مجھ پر کچھ نہیں تھا اس لئے مجھے وہ واپس کر دے تو مقرلہ سے قسم لے کر مقر کو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقر پر کوئی چیز لازم نہیں، کیونکہ اس نے اپنے اوپر غیر کے حق کو لازم نہیں کیا ہے بلکہ صرف وصولی قرض کا اقرار کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔

لیکن قرض کی وصولی کا اقرار کرنا عبارت ہے کہ اس نے مال مضمون کو غیر سے قبضہ کیا ہے اور اس میں ضمان ہوتا ہے تو یہاں پر بھی ضمان لازم ہو گا۔[3]

دفعہ ۳۹: سکنیٰ کا اقرار کرنا قبضہ کا اقرار ہے لیکن یہ قبضہ گواہوں کے بغیر ثابت نہ ہو گا۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں اس گھر میں فلاں کو بسایا تھا پھر میں نے اسے نکال دیا اور اس نے مجھے اپنا گھر دیدیا اور مقرلہ نے انکار کیا کہ یہ گھر میرا ہے تو مقر کا قول قبول کیا جائے گا اور مقرلہ کو گواہ پیش کرنا چاہیئے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ ساکن کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا، یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ جب ایک نے کہا کہ میں نے اس کو عاریت پر چوپایہ دیا تھا اور پھر اس سے واپس لیا اور دوسرا نے اس کے خلاف قول کیا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے دوسرے کے لئے سکنیٰ اور عاریت کا اقرار کیا تو گویا یہ اس کے لئے قبضہ کا اقرار کرتا ہے اور پھر اس سے لینے کا اقرار کرتا ہے، تو ایسے سبب کا اقرار کرتا ہے جو ضمان کو واجب کرتا ہے اس لئے رہنے والوں کا قول قبول کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقربہ کے لئے ید مطلقہ کا اقرار نہیں کیا ہے بلکہ عاریت اور سکنیٰ کے اعتبار سے اقرار کیا ہے تو اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا جائے گا۔[5]

---

(1) مجمع الأنهر، ۲:۳۰۰

(2) نفس مصدر، ۴:۱۸۷

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۰۸

(4) نفس مصدر، ۴:۱۸۷

(5) بدائع الصنائع، ۷:۲۱۸

دفعہ ۴۰: مقر اور مقرلہ جب اجازت سے لینے میں متفق ہو تو مقر پر ضمان نہ ہو گا مگر یہ کہ وہ اس میں کوئی عمل کرے تو ضامن ہو گا۔(1)

وضاحت:

ایک شخص نے کہا کہ میں نے یہ کپڑا عاریت پر لیا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بیع کے ذریعہ لیا ہے تو لینے والے پر ضمان نہ ہو گا، کیونکہ دونوں اس پر متفق ہے کہ لینا اجازت سے ہے، تاہم اگر وہ اس میں کوئی عمل کرے تو پھر ضامن ہو گا۔

اس میں ہر وہ صورت داخل ہے جن میں دونوں کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو کہ اس کو اجازت سے لیا گیا ہے۔ تو مقر پر کوئی ضمان نہ ہو گا، مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس میں دوسرے کی طرف سے اجازت نہ ہو۔(2)

دفعہ ۴۱: مقر کا کلام میں تغییر لانا وصل کی شرط سے جائز ہے۔(3)

وضاحت:

مقر نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے اتنے دراہم متاع ثمن کے ہیں کہ اس نے میرے ہاتھ فروخت کیا تھا لیکن میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی خواہ کلام متصل ہو یا منفصل۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے اس نے مبیع کے ثمن کا اقرار کیا اور پھر یہ کہنا کہ میں نے قبض نہیں کیا ہے تو گویا یہ اپنے اقرار کو تبدیل کر رہا ہے۔ اس صورت میں خواہ مقرلہ اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کلام متصل میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور منفصل میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ پھر اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ مقرلہ سے پوچھا جائے گا اگر اس نے بیع میں اس کی تصدیق کی لیکن قبضہ میں اس کی تکذیب کی تو مقر کا قول قبول کیا جائے گا خواہ کلام کو متصل ذکر کرے یا منفصل۔

لیکن اگر مقرلہ نے قبضہ کرنے میں اس کی تصدیق کی اور بیع میں تکذیب کی تو اتصال کی صورت میں اس کا قول قبول کیا جائے گا اور انفصال کی صورت میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مبیع غیر متعین ہو۔

اگر مبیع متعین ہو اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی تو اس کو کہا جائے گا کہ ہزار درہم لوں اور مبیع کو مقر کے حوالہ کر دوں اور اگر مقرلہ نے تکذیب کی کہ کوئی بیع نہیں ہوئی ہے تو مبیع مقرلہ کا ہو گا اور مقر پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی۔(4)

دفعہ ۴۲: اقرار کے بعد عیب کا دعویٰ کرنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔(5)

وضاحت:

ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ایک ہزار درہم سامان کی قیمت یا قرض کے ہیں، مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج تھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر کھرے دراہم لازم ہوں گے اور اس کا یہ قول کہ کھوٹے یا غیر مروج تھے بالکل قبول نہیں کیا جائے گا خواہ متصل کہے یا منفصل۔

صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اتصال کی صورت میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے، کہ لفظ درہم میں کھرے اور کھوٹے سب کا احتمال ہے، اس لئے زیوف کو دراہم کا لفظ حقیقت میں شامل ہے۔ کیونکہ وہ بھی جنس دراہم میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ بیع سلم اور بیع صرف میں ان کے ذریعہ سے استیفاء حاصل ہو جاتا ہے، استبدال

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۱۸۸:۴

(2) مجمع الضمانات، ۳۷۳:۱

(3) نفس مصدر، ۱۸۸:۴

(4) بدائع الصنائع، ۲۱۶:۷

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۱۸۹:۴

نہیں ہوتا اور ستوقہ کو مجازاً دراہم کہا جاتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ اطلاق کے وقت کھرے مراد ہوتے ہیں اور جب اس نے وہی ستوقہ کہہ کر تصریح کر دی تو یہ بیان تبدیل ہو گیا۔ جو موصول ہونے کی صورت میں مقبول ہوتا ہے اور مفصول ہونے کی صورت میں مردود ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اس لئے کہ مطلق عقد صحیح سالم بدل چاہتا ہے اور کھوٹا اور غیر مروج ہونا عیب ہے اور عیب کا دعویٰ کرنا اقرار سے رجوع کرنا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ عیب دار مبیع فروخت کی تھی اور مشتری کہے کہ نہیں صحیح سالم فروخت کی تھی تو مشتری کا قول معتبر ہوتا ہے، کیونکہ مطلق عقد اس کا تقاضا کرتا ہے کہ مبیع بے عیب ہو۔

ستوقہ جنس ثمن سے نہیں اس لئے کہ ان دراہم کہنا مجازا ہے حالانکہ بیع کا ورود ثمن پر ہوتا ہے، پس ستوقہ کا دعویٰ کرنا اپنے اقرار سے پھرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ دراہم زیوفہ مطلق اسم دراہم میں داخل ہے کہ نہیں، تو امام ابو حنیفہؒ نے جانب عیب کو ترجیح دے کر داخل نہیں کیا اور صاحبینؒ نے داخل کیا ہے مگر توقف کے طریقہ سے۔ (1)

دفعہ ۴۳: غصب اور ودیعت کے اقرار کے بعد زیوف کا اضافہ کرنا بیان تبدیل نہیں اس لئے یہ موصول اور مفصول دونوں طرح جائز ہوں گے۔ (2)

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے ایک ہزار دراہم غصب کئے ہیں اور یا کہا کہ اس نے میرے پاس ودیعت رکھے ہیں اور اس کے بعد کہا کہ وہ کھوٹے تھے تو اس کی تصدیق کی جائے گی خواہ ملا کر کہے اور یا جدا جدا کر کے کہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جو پاتا ہے غصب کر لیتا ہے اور جس چیز کا مالک ہوا سے ودیعت رکھتا ہے، تو یہ کھرے ہونے کا تقاضا نہیں کرتا اور نہ اس کا تعامل ہے، پس یہ نوع کا بیان ہے، لہٰذا صحیح ہے اگرچہ جدا کر کے کہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مغصوب یا ودیعت واپس کرنے والا اس چیز کو معیوب لائے تو اس کا قول قبول ہو گا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں تصدیق نہیں کی جائے گی، مفصول کی صورت میں قرض پر قیاس کرتے ہیں، کیونکہ ان دونوں میں قبضہ ہی ضمان کو ثابت کرتا ہے۔

اگر اس نے غصب یا ودیعت کا اقرار کرنے کے بعد کہا کہ اس کو پالش کیا گیا تھا یا اس کو رنگ دیا گیا تھا، موصول ہونے کی صورت میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور موصول ہونے کی صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ دراہم کی جنس سے نہیں ہیں لیکن اس کو یہ لفظ مجازا شامل ہے۔ اس صورت میں یہ بیان تبدیل ہوا اور بیان تبدیل کی صورت میں اس وقت تصدیق کی جائے گی جب اس میں اتصال ہو انفصال کی صورت میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (3)

دفعہ ۴۴: حقوق العباد میں اقرار سے رجوع کرنا درست نہیں۔ (4)

---

(1) البحرالرائق، ۷:۲۵۳

(2) نفس مصدر، ۴:۱۸۹

(3) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۷۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۸۹

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ مجھ فلاں کے ایک ہزار درہم ہیں جو شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر پر ایک ہزار دراہم لازم ہوں گے اگرچہ "من ثمن خمر" موصول کہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ "من ثمن خمر" کہنا اقرار سے رجوع کرنا ہے، اس لئے کہ صدر کلام میں کلمہ "علی" آیا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور "من ثمن خمر" سے اس کی نفی کی جاتی ہے، کیونکہ شراب اور سور کا ثمن لازم نہیں ہوتا۔

صاحبینؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس قول کے قائل ہیں کہ اس نے موصول کہا تو اس پر مال لازم نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے آخر کلام سے یہ واضح کر دیا کہ اس کا مقصد ایجاب نہیں ہے اور یہ ایسا ہو گیا کہ کوئی قرض کے اقرار کے بعد ان شاء اللہ کہے۔[1]

دفعہ ۴۵: مقر نے مقرلہ کے لئے صرف عمل کا اقرار کیا قبضہ کا نہیں تو مقر کا قول قبول کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

مقر نے اقرار کیا کہ فلاں شخص نے اس زمین میں کاشت کی ہے یا اس جگہ کو تعمیر کیا ہے اور یا انگور کے اس باغ میں پودے لگائے ہیں اور حال یہ کہ وہ اض، دار اور باگ سب مقر کے قبضہ میں ہے۔ اب مقرلہ نے ان چیزوں کا دعویٰ دائر کیا۔ مقر نے جواب میں کہا کہ یہ سب چیزیں تو میری ملکیت ہیں، میں نے تجھ سے صرف کام کی مدد لی تھی، سو تو نے میرا یہ کام کر دیا یا تو نے یہ کام مزدوری پر کیا ہے تو یہاں مقر کا قول معتبر ہو گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مقرلہ کے قبضہ کا اقرار نہیں کیا بلکہ اس کے صرف ایک عمل کا اقرار کیا ہے اور غیر کے لئے عمل کا اقرار کرنا اس کے قبضہ پر دلالت نہیں کرتا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ فلاں درزی نے میری یہ قمیص نصف درہم میں سی ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے اس سے لے کر اپنے قبضہ میں کر لی، تو اس قول سے درزی کے قبضہ کا اقرار نہیں ہوتا، بلکہ یہ درزی کے صرف ایک فعل کا اقرار ہے۔[3]

دفعہ ۴۶: ردی ہونا گندم میں عیب نہیں، بلکہ ایک نوع ہے۔[4]

وضاحت:

مقر نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر ایک پیمانہ گندم کے ثمن بیع یا قرض کے ہیں پھر کہا کہ وہ تو ردی ہیں اس صورت میں خواہ کلام میں اتصال ہو اور یا انفصال، مقر کا قول قبول کیا جائے گا۔

اس لئے کہ گندم میں ردی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ ایک نوع ہے۔ اس لئے کہ عیب تو وہ ہوتا ہے جس سے وہ چیز اصل خلقت کے اعتبار سے پاک ہو، حالانکہ گندم کبھی اصل خلقت میں ردی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے مشارالیہ گندم خریدے پھر ان کو ردی پایا تو اس کو خیار عیب حاصل نہیں ہوتا۔[5]

دفعہ ۴۷: جن دراہم کا رواج ختم ہو چکا ہو اور کوئی اس کا اقرار کرے تو یہ اقرار باطل ہو گا۔[6]

---

(1) الهداية،۳:۱۸۴

(2) نفس مصدر، ۴:۱۸۹

(3) العناية شرح الهداية،۸:۳۷۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۸۹

(5) تبيين الحقائق،۵:۱۹

(6) نفس مصدر، ۴:۱۹۰

وضاحت:

مقر نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے دس پیسے قرض یا ثمن مبیع کے ہیں، پھر کہا کہ یہ فلوس کاسدہ ہیں، یعنی وہ دراہم جن کا رواج جاتا رہا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی خواہ وہ کلام میں اتصال کرے اور یا انفصال۔

صاحبینؒ کے نزدیک قرض کی صورت میں اگر موصول ذکر کئے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع کی صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، امام محمدؒ کے نزدیک اتصال کی صورت میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔(1)

دفعہ ۴۸: غیر کے لئے اقرار کرنے کے بعد فوری طور اپنی حق ثابت کرنے پر مقر کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔(2)

وضاحت:

ایک شخص نے کسی کے لئے دین کا اقرار کیا اور مقرلہ نے دعویٰ کیا کہ دین ادھار نہیں فوری ہے تو مقر پر فی الحال دین لازم ہو گا اور مقرلہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ دین کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی، کیونکہ مقر نے حق غیر کے اقرار کے ساتھ اپنے لئے جلد حق کا دعویٰ کیا ہے اور یہ درست نہیں۔(3)

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دوسرے کے لئے غلام کا اقرار کرے اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں نے اس سے یہ غلام اجرت پر لیا ہے تو اس صورت میں مقر کی تصدیق نہیں ہوتی تو یہاں پر بھی اس کی تصدیق نہ ہو گی۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دین ادھار لازم ہو گا اور مقر سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ دین ادھار تھا۔(4)

دفعہ ۴۹: نقود میں اختلاف کی صورت میں وہ نقد معتبر ہو گا جو اس علاقہ میں متعارف ہو۔(5)

وضاحت:

مقر اور مقرلہ کا اختلاف نقود میں واقع ہو جائے اور اس شہر میں نقود مختلفہ رائج ہوں تو اس شہر میں جو نقد زیادہ چلتا ہو تو مطلق اقرار کی صورت میں وہی نقد قرار دیا جائے گا۔ اگر کوئی نقد زیادہ نہ چلتا ہو تو مطلق اقرار کی صورت میں جو سب سے کم ہے وہ نقد قرار دیا جائے گا۔(6)

---

(1) الأصل للشیبانی،۸:۲۱۵
(2) نفس مصدر،۴:۱۹۰
(3) اللباب فی شرح الکتاب،۲:۷۸
(4) الهدایة،۳:۱۸۰
(5) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۹۱
(6) المبسوط للسرخسی،۱۸:۵

فصل سوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ اقرار کے باب ۹ تا باب ۱۲ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۱۹: کسی چیز کو کسی جگہ سے لینے کے اقرار کے بیان میں:

دفعہ ۱: دار مشترکہ سے لینے کا اقرار غیر کے مالک ہونے کے اقرار کو متضمن نہیں ہے۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے اس دار سے کپڑے لئے ہے جو اس کے اور فلاں کے درمیان مشترک ہے تو شریک نے اس نے آدھے کپڑے کا دعویٰ کیا اور مقر نے اس سے انکار کیا تو مقر کا قول قبول کیا جائے گا، کیونکہ کپڑا اس کے قبضہ میں ہے اور مشترک گھر سے لینے کا اقرار کپڑے کے اقرار کو متضمن نہیں۔ اس لئے کہ کپڑے گھر میں رکھے جاتے ہے نہ یہ کہ وہ اس سے متولد ہوتے ہیں۔ مشترک دار میں ہر کوئی اپنا سامان رکھتا ہے اور پھر اس سر اٹھاتا ہے تو اس میں شرکت کا اقرار کپڑے میں اقرار کا شامل نہیں۔[2]

دفعہ ۲: گھر سے لینے کا اقرار ایسا ہے جیسا کوئی کسی کے ہاتھ سے لینے کا اقرار کرتا ہے۔[3]

وضاحت:

مقر نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کے گھر سے اتنی رقم لی ہے پھر کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے تو یہ مال گھر والے کا ہو گا، کیونکہ گھر سے لینے کا اقرار کرنا اس طرح ہے جیسے اس کی ہاتھ سے لینے کا اقرار ہے۔ اس لئے کہ آدمی کی ملکیت میں کسی چیز کا ہونا ایسا ہے جیسے وہ حکم کے لحاظ سے اس کے ہاتھ میں ہو، اس میں اگر کسی کا اس کے ساتھ جھگڑا ہو جائے تو صاحب ید کا قول قبول کیا جائے گا مگر یہ کہ مدّعی اس کی ملکیت اپنے لئے گواہوں کے ذریعہ ثابت کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کی صندوق، بٹوہ، کپڑوں کی گٹھڑی سے اور یا کسی کی کھیت سے گیہوں لینے کا اقرار کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔[4]

دفعہ ۳: صاحب زمین کے لئے حکم کیا جائے گا جو اس کی زمین سے اٹھایا گیا ہو مگر یہ مقر قرائن یا گواہوں سے اپنا حق ثابت کرے۔[5]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کی زمین کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھائی اور میں اس کے زمین پر سے گزرتا تھا اور میرے پاس اس کے علاوہ اور گٹھڑیاں بھی تھی اور میں وہاں اُترا تھا تو اس میں صاحب زمین کا قول قبول کیا جائے گا، مگر یہ کہ اس زمین سے عام راستہ ہو کر گزرا ہو اور یا وہاں اپنے اترنے کے گواہ قائم کرے تو پھر مقر کا قول قبول کیا جائے گا، یہی حکم گاؤں کا بھی ہے۔[6]

دفعہ ۴: کسی عمل کا اقرار کرنا قبضہ کی دلیل نہیں۔[7]

وضاحت:

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۱۹۱:۴

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸۲:۱۸

(3) نفس مصدر، ۱۹۱:۴

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۸۲:۱۸

(5) نفس مصدر، ۱۹۱:۴

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۸۲:۱۸

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۱۹۱:۴

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کی سواری پر سوار ہو گیا تھا، یا اس کے کپڑے پہنے تھے اور یا اس کے نوکر سے خدمت لی تھی تو اس پر ضمان نہ ہو گا، لیکن پھر اس نے کہا کہ اس کو مجھ سے فلاں نے لیا ہے، تو اس کا ملک غیر میں عمل کا اقرار کرنا غصب کی طرح ہے تو اس کو رد کرنے کا حکم کیا جائے گا، اگر وہ لوٹانے سے عاجز ہو گیا تو ضامن ہو گا۔[1]

دفعہ ۵: مفاد عامہ کی جگہوں سے کسی چیز کے اٹھانے کا اقرار کرنا باعث ضمان نہیں۔[2]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں حمام میں سے کپڑے لے لئے تو ضامن نہ ہو گا، کیونکہ لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے کپڑے رکھتے ہیں پھر اس کو لیتے ہیں تو اس طرح اقرار کرنا ضمان کا باعث نہیں۔ یہی حکم ہر اس جگہ کی ہے جس میں لوگ داخل ہو کر اپنا اسباب رکھتے ہیں، جیسے جامع مسجد اور بیت اللہ۔

اسی طرح ہر وہ مقام جو عام لوگوں کے گزرنے کے لئے بنایا گیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کے گھر میں کپڑے رکھے تھے پھر لے لئے اور مالک مکان نے اس کا دعویٰ کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر ضامن نہ ہو گا، جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک مقر ضامن ہو گا۔[3]

یہ مسئلہ اس مسئلہ کی طرح ہے، جیسے کسی نے یوں کہا کہ میں نے اپنا یہ اونٹ یا کپڑا فلاں کو کرایہ پر دیا تھا اس نے کپڑا پہن کر یا اونٹ پر سوار ہو کر مجھے واپس کر دیا اور فلاں نے کہا کہ یہ اونٹ یا کپڑا تو میرا ہے تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر کا قول استحساناً قبول ہو گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اجارہ اور عاریت میں قبضہ معقود علیہ سے منافع حاصل کرنے کی ضرورت سے ہوتا ہے، تو قبضہ اسی ضرورت تک محدود رہے گا اور اس کے علاوہ میں معدوم سمجھا جائے گا۔ تو اجارہ اور عاریت کا اقرار اس کی ملکیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح اجارہ، عاریت پر دینے اور مکان کے اندر بسانے میں مقر نے اپنے قبضہ کا اقرار کیا ہے جو اس کی طرف سے ثابت ہے تو اس قبضہ کے ثبوت کی کیفیت میں بھی اسی کا قول مقبول ہو گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک اس کا قول معتبر ہو گا جس سے وہ اونٹ یا کپڑا لیا گیا ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔[4]

دفعہ ۶: کسی کے گھر سے مال لینے کے اقرار کے بعد کہے کہ میں اس میں کرایہ پر رہتا تھا تو یہ قول معتبر نہ ہو گا۔[5]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے اس کے گھر سے ہزار دراہم لئے ہے پھر کہا کہ میں اس میں رہتا تھا یا یہ میرے پاس کرایہ پر تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر اپنے پاس کرایہ ہونے پر گواہ لائے تو پھر ضمان سے بری ہو جائے گا۔[6]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸: ۱۸۳

(2) نفس مصدر، ۴: ۱۹۱

(3) الأصل للشیبانی، ۸: ۴۰۷

(4) الهداية، ۳: ۱۸۵

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۹۱

(6) الأصل للشیبانی، ۸: ۴۰۶

باب ۱۰: خیار، استثناء اور اقرار سے رجوع کرنے کے بیان میں۔

دفعہ ۱۷: اقرار متحمل خیار نہیں ہوتا۔[1]

وضاحت:

کسی نے دوسرے کے لئے قرض، غصب، ودیعت اور یا عاریت کا اقرار اس شرط پر کیا کہ مجھے تین دن تک اپنے اقرار میں اختیار ہے تو اس کا اقرار صحیح ہو گا اور شرط باطل ہو گی۔

خیار شرط اس وجہ سے باطل ہو گی کہ خیار تو اس لئے ہوتا ہے کہ جب چاہے تو اس کو فسخ کر دے اور اقرار خبر ہے جو قابل خیار نہیں ہے، اس لئے کہ خبر اگر صادق ہے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ خیار کی شرط لگائے یا نہ لگائے۔ اگر کاذب ہے تو اس کو رد کرنا ضروری ہے جو اس کے اختیار اور عدم اختیار سے متغیر نہیں ہو سکتی۔

خیار شرط کا اثر عقود میں ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے عقد کی صفت متغیر ہو جاتی ہے اور صاحب خیار کو عقد فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے۔ خیار شرط تعلیق بالشرط کے حکم میں ہوتا ہے اور اقرار کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہوتا اسی طرح خیار کے ساتھ معلق کرنا بھی صحیح نہیں۔

اقرار کا صحیح ہو کر مال کا لازم ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس نے "علی" کے لفظ سے اقرار کیا ہے اور یہ لزوم کے لئے آتا ہے اور جو چیز لازم ہو جائے وہ شرط باطل سے معدوم نہیں ہو سکتی۔[2]

قرض، غصب، ودیعت اور عاریت کی صورت میں اقرار جائز ہے اور خیار باطل ہے خواہ مقرلہ نے خیار کی تصدیق کی ہو اور یا تکذیب۔ اگر ثمن بیع کے وجہ سے اپنے ذمہ لازم ہونے کا اقرار کیا اور تین دن کی خیار شرط لگائی اس صورت میں اگر مقرلہ نے خیار میں اس کی تصدیق کی تو خیار ثابت ہو گا اور اگر تکذیب کرے تو ثابت نہ ہو گا۔[3]

دفعہ ۱۸: کفالت میں خیار شرط کا اقرار کیا تو اقرار درست ہو گا۔[4]

وضاحت:

کفالت کی صورت میں دین کا اقرار کیا اور اس میں خیار شرط لگائی خواہ خیار کی مدت کم ہو یا زیادہ، اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی تو مقر کے اقرار کے موافق حکم کیا جائے گا اور اس کو آخر مدت تک خیار ثابت ہو گا۔ اور مقرلہ کی تکذیب کی صورت میں مال اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ نے بیع اور کفالت میں فرق کیا ہے، کہتے ہیں کہ بیع میں تین دن سے زیادہ خیار رکھنا جائز نہیں[5] اور کفالت میں تین دن سے زیادہ خیار کی شرط لگانا درست ہے کیونکہ کفالت ایسا عقد ہے جو توسع پر مبنی ہے۔[6]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۹۱

(2) الهداية، ۳:۱۸۵

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۹۸

(4) نفس مصدر، ۴:۱۹۱

(5) خیار شرط سے متعلق فقہاء کے دو آراء ہیں: پہلی یہ کہ خیار شرط تین دن سے زیادہ جائز نہیں، یہ قول امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام زفر رحمہم اللہ کا ہے۔ دوسری یہ کہ خیار مدت تین دن سے زیادہ ہو سکتا ہے، یہ قول امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے۔[البناية شرح الهداية، ۸:۵۰]

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۷:۱۹۸

دفعہ ۱۹: کل کا کل سے استثناء کرنا باطل ہے۔[1]

وضاحت:

اقرار سے استثناء[2] کرنا جائز ہے، لیکن اس کے لئے دو شرائط ہیں:

۱۔ استثناء متصل ہو۔

۲۔ کل کا استثناء نہ ہو۔

استثناء کے صحیح ہونے کی علت یہ ہے کہ استثناء بھی متکلم کی پہلی عبارت کا حصہ اور جز بن جاتا ہے۔ جیسے اگر کوئی کہے کہ فلاں کے مجھ پر دس دراہم میں سے پانچ دراہم ہیں تو اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ اس پر دس درہم ثابت ہوں پھر اس میں سے پانچ مستثنیٰ ہو جائیں۔

دوم یہ کہ دس میں سے پانچ نکل کر باقی پانچ پر ثبوت کا حکم ہو۔ یہی احتمال صحیح ہے۔

کسی نے کل کا استثناء کیا تو اقرار لازم اور استثناء باطل ہو گا، کیونکہ یہاں کچھ باقی نہیں رہا حالانکہ استثناء کے بعد کچھ نہ کچھ باقی رہنا ضروری ہے ورنہ یہ اقرار سے رجوع کرنا ہو گا جو جائز نہیں۔ اور بعض علما کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے جائز نہیں کہ یہ استثناء فاسد ہے اور صحیح قول یہ ہے۔[3]

کل کا استثناء کل سے باطل ہونا اس وقت ہے جب استثناء مستثنیٰ منہ کے لفظ سے ہو۔ اگر استثناء مستثنیٰ منہ کے علاوہ کے ساتھ ہو تو یہ استثناء صحیح ہے۔[4]

دفعہ ۲۰: کثیر کا قلیل سے استثناء کرنا صحیح ہے۔[5]

وضاحت:

کثیر سے قلیل کا استثناء جائز ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

"قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا"[6]

ترجمہ: کھڑا رہ رات کو مگر تھوڑا سا حصہ آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے۔

اس سے زیادہ قوی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"[7]

ترجمہ: راہ سے کھو دوں گا ان سب کو مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ اس کے بعد والی آیت میں ہے۔ کہ جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں مگر جو تیری راہ چلا بہکاؤں میں۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۱۹۲:۴

(2) استثناء ثنی سے ہے بمعنی پھیرنے اور نکالنے کے ہے ایک چیز کو دوسرے چیز نکالنا، یا چند چیزوں سے کچھ نکالنا استثناء کہلاتا ہے۔ [كتاب التعريفات، ۲۳:۱]

(3) بدائع الصنائع، ۲۱۰:۷

(4) العناية شرح الهداية ، ۱۴۳:۴

(5) نفس مصدر، ۱۹۲:۴

(6) سورۃ المزمل، ۲:۷۳

(7) سورۃ الحجر، ۴۰:۱۵

ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مخلصین کی قلت ہے اور غاوین کی کثرت۔

دفعہ ۲۱: مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے جنس سے ہونا ضروری ہے۔[1]

وضاحت:

دراہم و دنانیر سے کیلی، وزنی یا غیر متفاوت عددی چیزوں کا استثناء کرے، جیسے کوئی کہے کہ فلاں کے میرے ذمہ سو درہم ہے مگر ایک دینار یا مگر گیہوں کا ایک پیمانہ۔ تو اس صورت میں اس پر سو درہم ایک دینار کے علاوہ اور یا ایک پیمانہ گندم کی قیمت کے علاوہ لازم ہوں گے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استحسان کی وجہ سے استثناء صحیح ہے۔

اگر یوں کہے کہ فلاں کے میرے ذمہ سو درہم ہیں مگر کپڑے، بکری اور دار۔ اس صورت میں استثناء صحیح نہیں۔

امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے، کیونکہ دینار بھی درہم کے علاوہ کی جنس سے ہے اور کپڑے تو ہے ہی۔ تو اس کا استثناء درست نہ ہوا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے کیلی چیز کا استثناء ہو یا غیر کیلی چیز کا، ہر صورت میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مالیت کے اعتبار سے ایک جنس سے ہے، لہذا استثناء صحیح ہوا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کیلی، وزنی اور معدود مذکور اگرچہ صورت کے لحاظ سے مختلف اجناس ہے لیکن معناً ایک جنس ہے، کیونکہ یہ سب ثمن ہو کر ذمہ میں ثابت ہوتا ہے لہذا ان کا استثناء صحیح ہوا۔

اس کے برعکس غیر کیلی یعنی کپڑے، بکری اور گھر کی مالیت معلوم نہیں، کیونکہ یہ چیزیں قیمت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں تو اس صورت میں مجہول کا استثناء معلوم سے لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں۔[2]

دفعہ ۲۲: جہاں استثناء صورتاً اور معناً درست ہو وہ اس استثناء سے اولیٰ ہو گا جہاں استثناء صرف معناً درست ہو۔[3]

وضاحت:

کسی نے دو قسم کے اموال کا ایک شخص کے لئے اقرار کیا اور پھر ان میں سے کسی چیز کا استثناء کیا تو استثناء پہلے مال میں سے قرار دیا جائے گا لیکن اس شرط پر کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی جنس ایک ہو، جیسے کوئی کہے کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم اور سو دینار واجب ہیں مگر ایک درہم۔

اس میں درہم کا دینار پر عطف اگرچہ معنی کے اعتبار سے درست ہے، کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔ لیکن لفظ کے اعتبار سے درست نہیں۔ جب کہ درہم کا عطف درہم پر لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے درست ہے، اس لئے اس کو درہم پر عطف کیا جائے گا کیونکہ یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔[4]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۹۲

(2) دررالحکام شرح غررالحکام، ۲:۳۶۴

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۹۲

(4) كشف الأسرار شرح أصول البزدوی، ۲:۱۳۹

اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو اس صورت میں استثناء دوسری صورت سے ہو گی، جیسے کوئی کہے کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہے اور دوسرے فلاں کے سو دینار ہے مگر ایک درہم، تو یہاں پر ایک درہم کی قیمت سو دینار سے نفی کی جائے گی۔[1]

دفعہ ۲۳: استثناء میں کلمہ شک لانے کی وجہ سے دونوں میں سے اقل لازم ہو گا۔[2]

وضاحت:

کسی اقرار میں کلمہ شک استعمال کیا تو ایک روایت کے مطابق اس پر اقل واجب ہو گا، جیسے کوئی کہے کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں مگر سو یا پچاس۔ تو اس صورت میں نو سو پچاس لازم ہوں گے۔

دوسری روایت کے مطابق استثناء میں کلمہ شک لانا اس طرح ہے جیسے اقرار میں کلمہ شک لانا، تو اس روایت کے مطابق نو سو لازم ہوں گے ان میں سے پہلا قول راجح ہے۔[3]

دفعہ ۲۴: جب مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان کلام لغو واقع ہو جائے تو استثناء باطل ہو گا۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر ایک کر[5] گیہوں اور ایک کر جو ہیں اور پھر اس سے ایک کر گیہوں کا مستثنیٰ کیا اور ایک قفیز[6] جو کا استثناء کیا۔ تو ایک قفیز جو کا استثناء کرنا درست ہے اور کر حنطہ کا استثناء باطل ہے۔ یہ صاحبینؒ کی رائے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گندم کے کر کا استثناء کرنا اس لئے باطل ہے کہ یہ کلام لغو ہے اور جب مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان کلام لغو آجائے تو استثناء درست نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مستثنیٰ میں وصل کا شرط لازمی ہے اور کلام لغو سکوت کی طرح فاصل ہے بلکہ یہ اس سے زیادہ ہے کیونکہ سکوت میں اتنا اعراض نہیں ہوتا جتنا کلام لغو میں ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استثناء باطل ہے تو اس پر دو کر واجب ہوں گے۔[7]

دفعہ ۲۵: استثناء میں ایسے کلمات ذکر کرنا جن کا استثناء سے تعلق نہ ہو اقرار باطل کرتا ہے۔[8]

وضاحت:

کسی نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار دراہم ہیں استغفر اللہ سوائے ایک درہم کے تو یہ استثناء باطل ہے۔

---

(1) الهداية، ۳:۱۸۲

(2) نفس مصدر، ۴:۱۹۲

(3) لسان الحكام، ۱:۲۷۱

(4) نفس مصدر، ۴:۱۹۳

(5) کُر۔ فقہاء کے ہاں کر عموماً یہ گندم کے ناپنے کے آلے کے طور استعمال ہوتا ہے۔ ایک کر ساٹھ قفیز کا قفیز میں آٹھ مکوک ہوتے ہیں اور مکوک ڈیڑھ صاع کا تو اس حساب سے کر بارہ وسق کا ہو اور ایک وسق میں بارہ صاع ہوتے ہیں گویا ۷۲۰ صاع = ۶۰ قفیز = ۱ کر، یہ تقریباً ۴۰ من ۲۰ سیر صاع حجازی سے اور صاع عراقی سے ۶۰ من ۳۰ سیر۔ [موسوعۃ فقہیۃ، ۳۸: ۳۲۴، وزارت اوقاف کویت، فقہ اکیڈمی، انڈیا]۔

(6) قفیز۔ قفیز ایک کیل (پیمانہ) ہے۔ قفیز ایک ایسا پیمانہ ہے جو آٹھ مکوک کے برابر ہے اور چونکہ ایک مکوک ڈیڑھ صاع کے برابر ہے لہذا ایک قفیز ۱۲ صاع کے برابر ہے وہ ٹوکرا جس میں ۱۲ صاع غلہ سما جائے۔ یہ صاع حجازی کے لحاظ سے ۲۷ سیر اور صاع عراقی کے لحاظ سے تقریباً ایک من بنتا ہے۔

[موسوعۃ فقہیۃ، ۳۸: ۳۲۳، وزارت اوقاف کویت، فقہ اکیڈمی، انڈیا]

(7) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۹۰

(8) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۹۳

اسی طرح کلمات تکبیر، تہلیل اور تسبیح کا ہے، کیونکہ اس نے اقرار اور مستثنیٰ کے درمیان اسی چیز کے ساتھ فصل لایا ہے جو اس کی جنس سے نہیں اور نہ یہ اقرار کی تاکید کے لئے ہے، بلکہ سکوت کی طرح ہے اور استثناء کی صحت کے لئے اتصال کی شرط ہے۔[1]

دفعہ ۲۶: شے کا استثناء عرف میں اقل کا استثناء ہوتا ہے۔[2]

وضاحت:

کسی نے اقرار نے کیا کہ اس مجھ پر سو درہم ہیں مگر تھوڑے، تو استثناء صحیح ہے اور قلیل میں کچھ کم پچاس رکھے گے اس لئے اس پر اکیاون دراہم لازم ہوں گے کیونکہ یہ یقینی ہے۔

اسی طرح اگر قلیل کی جگہ شیئا کا لفظ لایا یعنی یوں کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو درہم سوائے کچھ کے ہیں تو بھی اس پر اکیاون دراہم لازم ہوں گے۔ اس لئے کہ شے کا استثناء کرنا عرف میں اقل کا استثناء کرنا ہے تو اس صورت میں آدھا اور ایک درہم لازم ہوگا اور اس سے اقل مستثنیٰ ہوگا۔[3]

دفعہ ۲۷: استثناء کے بعد استثناء ہو تو اوّل نفی کے لئے اور دوسرا ایجاب کے لئے ہوگا۔[4]

وضاحت:

استثناء کے بعد استثناء کیا تو پہلا استثناء نفی کے لئے ہوگا اور دوسرا ایجاب کے لئے ہوگا، جیسے کوئی کہے کہ مجھ پر دس درہم مگر نو مگر آٹھ ہیں تو اس پر نو درہم واجب ہوں گے، کیونکہ دس کا اقرار کیا پھر نو کا استثناء کیا تو ایک رہ گیا جب اس نے دوسرا استثناء کیا تو آٹھ درہم ثابت ہوئے تو وہ ایک درہم سے مل کر نو درہم ہوگئے۔

اگر اس طرح کہے کہ مجھ پر اس کے دس درہم مگر سات درہم مگر پانچ درہم مگر تین درہم مگر ایک درہم ہیں۔ تو اس میں یہ طریقہ اپنایا جائے گا۔ کہ آخری مستثنیٰ یعنی ایک درہم کو اس کے متصل یعنی تین درہم سے نکالا جائے گا تو دو درہم باقی رہیں گے ان دونوں کو اس کے متصل یعنی پانچ درہم سے نکالنے سے تین درہم باقی رہیں گے پھر ان تین درہم کو اس کے متصل یعنی سات درہم سے نکالنے کے بعد چار درہم باقی رہیں گے پھر ان چار درہم کو اس کے متصل یعنی دس درہم سے نکالنے کے بعد چھ درہم باقی رہیں گے۔[5]

دفعہ ۲۸: استثناء میں لفظ "غیر" لانے سے مقربہ دوہرا لازم ہو جائے گا۔[6]

وضاحت:

اقرار میں لفظ غیر لانے سے وہ چیز دوچند لازم ہوگی، کیونکہ غیر اسمائے اضافت میں سے ہے تو یہ مغایرت کا تقاضا کرتا ہے اور چیز اپنی ذات سے مغایر نہیں ہوتا اس لئے غیر سے پہلے آنے والا بعد میں آنے والے سے مغایر ہوگا۔

جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص کا مجھ غیر ہزار درہم کے ہے تو اس پر دوہزار درہم لازم ہوں گے گویا اس نے کہا کہ مجھ پر ہزار درہم ہے اور اس کے مثل دوسرا ہے۔[7]

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۹۰

(2) نفس مصدر،۴:۱۹۳

(3) تبیین الحقائق،۵:۱۴

(4) نفس مصدر،۴:۱۹۴

(5) الجوھرۃالنیرۃ،۱:۲۵۱

(6) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۹۴

(7) بدائع الصنائع،۷:۲۲۰

دفعہ ۲۹: اقرار کے ذریعہ اس چیز کو مستثنیٰ کرنا جس کو وہ کلام شامل ہو تو یہ اقرار جائز ہو گا۔(1)

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میرے قبضہ میں یہ غلام فلاں شخص کا میرے پاس ودیعت ہے مگر اس میں آدھا فلاں ہے تو یہ اقرار جائز ہو گا۔ اس لئے کہ اس نے اس چیز کا استثناء کیا جس کو مستثنیٰ منہ شامل تھا تو مقر نے گویا اقرار کے ذریعے اول مقرلہ کے لئے وہ حصہ ثابت کیا جو استثناء کے بعد باقی رہا۔

اسی طرح اگر کہا کہ یہ دونوں غلام فلاں کے ہیں مگر یہ غلام دوسرے کا ہے تو اس میں بھی یہی حکم ہے۔(2)

دفعہ ۳۰: لا بل استدراک کے لئے آتا ہے۔(3)

وضاحت:

لا، بل جب دو مقداروں کے درمیان آئے پس اگر مقرلہ دو شخص ہوں تو مقر پر دونوں مال لازم آئیں گے خواہ دونوں کی جنس متحد ہو یا مختلف ہو۔ اگر مقرلہ ایک ہی شخص ہو پس اگر جنس متحد ہو تو دونوں اموال میں سے جو زیادہ اور افضل ہو وہ اس پر واجب ہو گا اور اگر جنس مختلف ہو تو دونوں مال لازم آئیں گے۔

خلاصہ یہ کہ لا بل استدراک کے لئے آتا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

ا: خلاف جنس میں استعمال ہو گا تو اس صورت میں دونوں مال لازم ہوں گے، جیسے کوئی کہے کہ فلاں آدمی کے مجھ پر ہزار درہم ہیں نہیں بلکہ سو دینار ہے، یا یوں کہا کہ فلاں شخص کے مجھ پر ایک کر گندم ہے نہیں بلکہ کر جو ہے۔ تو ان صورتوں میں مقر پر درہم اور دینار یا گندم اور جو دونوں لازم آئیں گی، کیونکہ ان میں غلطی کا سرزد ہونا نادر ہے اور نادر معدوم کی طرح ہوتا ہے۔

۲: جنس متحد ہو، جیسے کوئی اقرار کرے کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں نہیں بلکہ دو ہزار درہم ہیں تو اس صورت میں استحساناً اکثر لازم ہوں گے اور قیاس یہ ہے کہ اس پر دونوں طرح کے اموال لازم ہو جائیں، جیسا کہ خلاف جنس میں اور یا طلاق کی صورت میں۔ اگر کوئی بیوی کو کہے کہ تو ایک طلاق ہے نہیں بلکہ دو طلاق ہیں تو اس میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ یہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہیں۔

استحسان یہ ہے کہ یہ خبر ہے اور خبر میں غلطی واقع ہوتی ہے تو اس کا تدارک درست ہے، اس کے برعکس طلاق انشاء ہے اور انشاء میں یہ احتمال نہی ہوتا۔ کیونکہ طلاق اگر خبر کی صورت میں ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو کل ایک طلاق دیا تھا نہیں بلکہ دو طلاق دیئے تھے تو اس میں بھی اکثر مراد لیا جاتا ہے۔

۳: صفت جودت اور صیاغت میں استدراک کی صورت میں عمدہ لازم ہو گا، جیسے کوئی کہے کہ فلاں کے مجھ پر درہم اسود ہے نہیں بلکہ ابیض ہے تو اس میں جو عمدہ ہو وہ لازم ہو گا۔(4)

دفعہ ۳۱: غصب کی صورت میں کلمہ استدراک اقرار سے رجوع کو مستلزم ہے، جو کہ ناجائز ہے۔(5)

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۹۴

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۷۷

(3) نفس مصدر، ۴:۱۹۴

(4) تحفۃ الفقهاء، ۳:۲۰۰

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۹۵

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے یہ غلام فلاں سے غصب کیا ہے نہیں بلکہ اس کو فلاں سے غصب کیا ہے تو غلام مقرلہ اول کو ملے گا اور دوسرے مقرلہ کو غلام کی قیمت دے گا، کیونکہ یہ اقرار سے رجوع کرنا ہے جب اس نے پہلے کے لئے غلام کا اقرار کیا تو وہ اس کو ملے گا اور اس کے لینے سے چونکہ دوسرے کو نہیں دے سکتا اس لئے اس کو قیمت دے گا خواہ اس نے مقرلہ اول کو قاضی کے حکم سے دیا ہو یا اس کے حکم کے بغیر دیا ہو۔

غصب کی طرح ودیعت اور عاریت کا بھی حکم ہے یہ امام محمدؒ کی رائے ہے۔

امام ابویوسفؒ کے نزدیک ودیعت اور عاریت کی صورت میں اگر پہلے مقرلہ کو قاضی کے حکم سے دیا ہو تو دوسرے کے لئے ضامن نہ ہو گا اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر دیا ہو تو ضامن ہو گا۔[1]

دفعہ ۳۲: مال متحد ہو لیکن مقرلہ مختلف ہو تو دونوں اموال لازم ہوں گے۔[2]

وضاحت:

کسی کا دو آدمیوں پر قرض ہو اور ہر قرض دار دوسرے کا کفیل ہو اور ہر مال جدا رسید میں ہو اور یا دونوں ایک رسید میں ہو۔ قرض خواہ نے اقرار کیا کہ میں نے اس قرض دار سے دس درہم لئے ہیں نہیں بلکہ اس دوسرے سے لئے ہیں تو ہر ایک سے دس درہم وصول پانے لازم کئے جائیں گے۔[3]

باب ۱۱: دوسرے سے ملے ہوئے مال کا کسی کے لئے اقرار کرنا اور جو مال کسی کی ذمہ لازم ہو اس کا دوسرے کے لئے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۳۳: مقر جس سے مال ملنے کا اقرار کرے وہ اس مال کا زیادہ مستحق ہو گا۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ مال مجھے فلاں نے دیا ہے اور یہ اس دوسرے فلاں کی ملکیت ہے، پس اگر دینے والے نے اس کی بات کو درست کہا اور یہ کہا کہ اس نے مجھے مقر کو دینے کا حکم دیا تھا، اس دوسرے آدمی نے بھی اس کی تصدیق کی تو مقر کو اختیار ہو گا کہ وہ جس کو چاہے مال واپس کر دے، لیکن اگر اس نے تصدیق نہیں کی تو مقر ضامن نہ ہو گا۔

اگر ہر ایک اس کا دعویٰ کرے تو دینے والا کا ہو گا کیونکہ مقر نے پہلے اس کے لئے اقرار کیا ہے کہ یہ مال اس کی طرف سے ملا ہے۔[5]

دفعہ ۳۴: ملک غیر کا غیر کے لئے اقرار کرنا سبب ضمان نہیں۔[6]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ ہزار دراہم فلاں کے ہے اور مجھے فلاں نے دیئے ہیں، اگر دینے والے نے اس کی تصدیق کی کہ یہ فلاں کے ہیں اور میں نے اس کے حکم سے اس کو دیئے ہے تو یہ مقرلہ کا حق ہو گا۔

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۷۶:۱۸

(2) نفس مصدر، ۱۹۶:۴

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۰۵:۱۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۱۹۶:۴

(5) بدائع الصنائع، ۲۱۳:۷

(6) نفس مصدر، ۱۹۷:۴

اگر اس دینے والے نے انکار کیا اور مقر نے کہا کہ میں نے یہ دراہم مالک کو دیئے ہیں اور دوسرے نے اس بات پر قسم کھائی کہ میں اس کی طرف سے وکیل نہ تھا تو مقر اس کو اور ہزار درہم دے گا۔ اب اگر پہلے کو قاضی کے حکم کے بغیر دیا ہے تو سب کے نزدیک یہ ضامن ہو گا، کیونکہ مقر کا اقرار اس کے حق میں حجت ہے اور اس نے کہا تھا کہ یہ مال مجھے اس کی طرف سے ملا ہے، جب اس نے غیر کو اپنے اختیار سے دیا تو اس کے لئے ضامن ہو گا۔

اگر قاضی کے حکم سے دیا ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر دوسرے کے لئے کوئی ضمان نہ ہو گی۔ کیونکہ اول کے لئے اقرار کرنے سے اس نے دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور دینے میں اس کا کوئی اختیار نہیں تھا بلکہ قاضی نے اس پر لازم کیا تھا تو یہ مکرہ کی طرح ہو گیا۔

امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے کے لئے ضامن ہو گا، کیونکہ قاضی کے فیصلہ کا سبب اس کا اقرار تھا اس لئے اس پر ضمان لازم کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۳۵: مقر بہ پر دو آدمی دعویٰ کرے تو وہ چیز مقر لہ اوّل کے لئے ہو گا۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی کے قبضہ میں ایک غلام ہے قابض نے اقرار کیا کہ یہ فلاں کا ہے اور اس فلاں نے مجھ پر بیچا ہے اور وہ دونوں اس غلام کے مدّعی ہیں تو غلام اول مقر لہ کے لئے ہو گا لیکن اس شرط پر کہ وہ اس بات کا اقرار کرے کہ میں نے اس کو فروخت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

قرض، بیع اور ودیعت تینوں کی صورت میں حکم مختلف ہے اور یا تینوں کا حکم ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ودیعت کی صورت میں اگر قاضی کے حکم سے وہ چیز اول کو سپرد کیا ہو تو دوسرے کے لئے ضامن نہ ہو گا، اور قرض اور بیع کی صورت میں دوسرے کے لئے ضامن ہو گا اگرچہ قاضی کے حکم سے پہلے کو دیا ہو۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ودیعت کی صورت میں اس وقت تک ضامن نہ ہو گا جب تک دوسرے کو نہ دیا ہو اور قرض اور بیع کی صورت میں دوسرے کے لئے مال لازم ہو جاتا ہے اگرچہ پہلے کو کچھ نہ دیا ہو، کیونکہ قرض اور بیع ضمان کے اسباب ہیں اور ودیعت نہیں۔[3]

دفعہ ۳۶: کسی کے لئے اقرار کے بعد دوسرے کے لئے گواہ بننا مقبول نہ ہو گا۔[4]

وضاحت:

کسی کے لئے اقرار کیا کہ میرے پاس یہ چیز اس فلاں شخص کی ہے اور اس فلاں نے اس کو دوسرے آدمی سے غصب کیا ہے تو گویا یہ ایسا ہے کہ پہلے کے لئے ملکیت کا اقرار کر رہا ہے اور دوسرے کے لئے غصب پر گواہ بن رہا ہے۔ یہ چیز مقر لہ اوّل کے لئے ہو گا اور دوسرے کے لئے اس کی گواہی مقبول نہ ہو گی۔

جیسا کہ اس مسئلے میں ہے کسی نے اقرار کیا کہ یہ غلام جو میرے قبضہ میں ہے یہ فلاں کا بیٹا ہے اور میں نے اس کو فلاں سے غصب کیا ہے، مقر لہ اول نے اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے تو یہ لڑکا آزاد ہو گا اور اسی سے نسب ثابت ہو گا۔[5]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸: ۱۰۶

(2) نفس مصدر، ۴: ۱۹۷

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸: ۱۰۶

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴: ۱۹۷

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸: ۱۰۷

باب ۱۲: اقرار کو ایسی حالت کی طرف منسوب کرنا جس میں اقرار صحیح نہیں ہوتا کے بیان میں۔

دفعہ ۳۷: بچے کا اقرار لازم نہیں ہوتا۔[1]

وضاحت:

شریعت میں اقوال کا اعتبار اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ اس کے اہل سے صادر ہو، بچہ چونکہ نااہل ہوتا ہے اس لئے اس کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے قول کسی حد شرعی متعلق ہو جائے تو اس کا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا، ہاں یہ اگر کسی کا کوئی چیز ضائع کرے تو اس پر ضمان لازم ہو گا۔[2]

صبی اگر مأذون فی التجارۃ ہو تو اس کا اقرار درست ہو گا اگر وہ کسی کے لئے دین، ودیعت، عاریت، مضاربت اور غصب کا اقرار کرے تو اس کا اقرار درست ہو گا، کیونکہ اجازت کی وجہ سے یہ بالغ کے ساتھ ملحق ہوا۔ لیکن یہ اگر کسی کے لئے مہر، جنایت اور کفالت کا اقرار کرے تو اس کا اقرار درست نہ ہو گا کیونکہ یہ اجازت کے تحت داخل نہیں۔ اس لئے کہ تجارت تو مال کے ساتھ مال کے تبادلہ کو کہتے ہے اور نکاح میں تبادلہ مال نہیں ہوتا اور کفالت تو ایک عقد تبرع ہے اس لئے ان میں صبی مأذون فی التجارۃ کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔[3]

تقابل:

Where the paintiff or the defendant is a minor or a person of unsound mind.[4]

مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کا عاقل اور بالغ ہونا لازمی ہے۔ مجنون اور نابالغ کا اقرار جائز نہیں۔ اس جگہ پر وضعی اور شرعی قوانین میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

دفعہ ۳۸: سونے کی حالت میں اقرار کرنا درست نہیں۔[5]

وضاحت:

حالت نوم میں کسی کے لئے اقرار جائز نہیں، اس لئے کہ اس حالت میں اس کی طرف سے قصد اور ارادہ معدوم ہوتا ہے۔[6]

دفعہ ۳۹: اقرار کو اسی حالت کی طرف مضاف کرنا جو اقرار سے منافی ہو اقرار جائز نہ ہو گا۔[7]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے تجھ کو اس کو مکاتب کیا تھا جب میں نابالغ تھا اور غلام نے کہا کہ نہیں کہ تو نے مجھے بلوغ کی حالت میں مکاتب کیا تھا تو یہ اقرار درست نہ ہو گا۔

اسی طرح اگر شوہر نے اقرار کیا کہ میں نے اس عورت سے نابالغی کی حالت میں نکاح کیا تھا اور عورت کہتی ہے کہ بلوغ کی حالت میں اقرار کیا تھا تو شوہر کا قول قبول کیا جائے گا۔

---

(1) نفس مصدر، ۴:۱۹۸

(2) البحرالرائق، ۹:۸۰

(3) لسان الحکام، ۱:۲۶۵

(4) Civil Procedure Code1908,P:472,Order7,Rule:1(d)

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۱۹۸

(6) قرۃعین الأخیار، ۸:۲۲۴

(7) نفس مصدر، ۴:۱۹۹

اس لئے کہ اس میں مقر اقرار کواس حالت کی طرف منسوب کرتاہے کہ جس حالت میں اقرار کرنادرست نہیں ہوتا،تواس کااقرار درست نہ ہو گا۔[1]

دفعہ ۴۰: مستأمن کااقرار مسلمان کے لئے جائز ہے۔[2]

وضاحت:

مستأمن کااقرار مسلمان کے لئے اس وجہ سے درست ہے کیونکہ اس میں اہلیت ہے کہ کسی مسلمان کاحق اس پر معاملہ کی وجہ سے لازم ہوجائے۔یہی وجہ ہے کہاگر حربی مستأمن نے دارالاسلام میں کسی مسلمان کے لئے قرض کااقرار کیاتواس پرلازم ہو گا،اگر حربی مستأمن نے کہاکہ تونے دارالحرب میں مجھے اُدھار دیاہے اور مسلمان کہتاہے کہ نہیں میں نے دارالاسلام میں دیاہے تواس پر قرض لازم ہو گاخواہ وہ اس کلام کواقرار سے ملاکر کہے اوریاجدابیان کرے،کیونکہ وہ تاریخ مقدم کادعویٰ کرتاہے اور دوسرااس کاانکار کرتاہے اور وہ نفس مال میں مقرہے صرف تاریخ میں اختلاف ہے،اس لئے مال لازم ہو جائے گا۔

اس اضافت کی وجہ سے وہ اصل مال کامنکر نہیں،کیونکہ قرض دینادارالحرب میں دینے کی وجہ سے قرض لازم ہوجاتاہے اگرچہ اس مال کامطالبہ دارالاسلام میں نہیں کیاجاتایہاں تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائے اوریاذمی نہ بنے۔[3]

اس طرح مستأمن نکاح،طلاق،عتاق،بچہ،حدقذف،دین،غصب،ودیعت،مکاتبت،اجارہ اور کفالت کااقرار کرناجائز ہے،اگروہ زنااور چوری کااقرار کرے تویہ اقرار جائز ہے۔[4]

دفعہ ۴۱: حریت میں اختلاف کی صورت میں قابض کاقول مقبول ہو گا۔[5]

وضاحت:

مولیٰ اور باندی کااختلاف پیداہوجائے مولیٰ نے کہاکہ میں نے آپ کو آزاد کیاتھالیکن آپ کے آزاد کرنے سے پہلے اس بچہ کو تجھ سے لیاتھااور باندی کہتی ہے کہ نہیں آزاد کرنے کے بعدلیاہےتواس میں باندی کاقول مقبول ہو گااگر بچہ اس کے قبضہ میں ہو،اوراگر دونوں کے قبضہ میں ہوتومولیٰ کاقول قبول کیاجائے گا۔

اسی طرح اگر دونوں نے گواہ قائم کئے توباندی کے گواہ اولیٰ ہوں گے کیونکہ وہ عتق کو ثابت کرتے ہیں۔یہی حکم عقد کتابت کی صورت میں بھی ہے،ہاں مدبر کی صورت میں ایسے اختلاف میں مولیٰ کاقول راجح ہو گا۔[6]

دفعہ ۴۲: جنایت کی صورت میں جانی کاقول معتبر نہ ہو گا۔[7]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیاکہ میں نے فلاں کی آنکھ قصداپھوڑدی پھراس کے بعداس کی آنکھ جاتی رہی اور مقرلہ نے کہاکہ اس نے میری آنکھ

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۶۹
(2) نفس مصدر،۴:۱۹۹
(3) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۶۹
(4) الأصل للشیبانی،۸:۳۸۳
(5) فتاویٰ عالمگیری،۴:۱۹۹
(6) عیون المسائل للسمرقندی،۱:۴۶۶
(7) نفس مصدر،۴:۱۹۹

چھوڑی اس حال میں کہ میری آنکھ ثابت تھی، اس اختلاف کی صورت میں مقر کا قول قبول کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۴۵: شرکت مفاوضہ میں مساوات کی وجہ سے دونوں پر قرض لازم ہو گا۔[2]

وضاحت:

شرکت مفاوضہ[3] کی صورت میں چونکہ ہر شریک کا فعل یا اقرار دوسرے شریک پر لازم ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک کے اقرار کرنے سے دوسرے پر وہ چیز لازم ہو جائیں گی۔

اس لئے اگر شرکت مفاوضہ کرنے والوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ دوسرے شریک فلاں کا جو قرض ہے وہ شرکت سے پہلے کا ہے اور دوسرے شریک نے انکار کیا اور قرض خواہ نے بھی اس طرح دعویٰ کیا کہ یہ قرض حالت شرکت کا ہے تو دونوں کے ذمہ وہ لازم ہو جائے گا۔

لیکن اگر سب نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ شرکت سے پہلے کا قرض ہے تو اس صورت میں صرف اس پر لازم ہو جائے گا جس پر دعویٰ کیا گیا ہے۔[4]

دفعہ ۴۶: مال متقوم کی صورت میں مقر پر ضمان لازم ہو گا۔[5]

وضاحت:

کسی مسلمان نے ذمی کے لئے شراب یا خنزیر کا اقرار کیا تو یہ اقرار جائز ہے اور یہ چیزیں مسلمان پر لازم ہو جائیں گی، کیونکہ یہ چیزیں اس کے نزدیک مال متقوم ہے، اسی طرح اگر ذمی ان چیزوں کا اقرار مسلمان کے لئے کرے تو ذمی پر یہ چیزیں لازم ہو جائے گی، یہاں اگرچہ مسلمان کے نزدیک مال متقوم نہیں لیکن مسلمان اس کا مالک بن سکتا ہے۔ اس لئے اقرار درست ہو گا۔

ہاں اگر ہلاک کرنے کے بعد ذمی مسلمان کے لئے اسی طرح اقرار کرے تو ذمی پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی اور مسلمان کی اقرار کی صورت میں مسلمان پر اس کی قیمت لازم ہو گی۔[6]

---

(1) الفروق، اسعد بن محمد، کرابیسی، ۲:۱۸۴، وزارت الأوقاف الكويتية، ۱۴۰۲ھ

(2) نفس مصدر، ۴:۲۰۰

(3) مفاوضہ کے لغوی معنی برابری کے ہیں۔ اس میں مال اور نفع میں مساوات کی شرط ہوتی ہے۔ مساوی شراکت میں ہر شریک دوسرے کا ضامن اور کفیل ہوتا ہے۔ ہر شریک کا فعل یا اقرار دوسرے شرکاء کو بھی پابند کر دیتا ہے۔ غلاموں کافروں کے ساتھ مفاوضہ جائز نہیں۔
[الهداية، ۳:۵]

(4) المحيط البرهانی، ۶:۲۲

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۰

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۷۰

خلاصہ باب سوم

اس باب میں تین فصول ہیں جن میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الاقرار کے کے بارہ(۱۲)ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔پہلی فصل میں اقرار کی تعریف،شرائط،اکراہ اور نشہ کی حالت میں اقرار کا حکم اور مقرلہ کا اقرار کرنے والے کے تصدیق کا بیان ہے۔اسی طرح جو صورتیں اقرار میں شمار ہوتی ہیں اور جو شمار نہیں ہوتی کا تذکرہ بھی اس فصل میں کیا گیا ہے۔اس فصل میں کل اکتالیس(۴۱)دفعات ہیں۔ دوسری فصل میں حالت مرض میں اقرار، مبہم چیز کے اقرار کو زیر بحث لایا گیا ہے،اور مقر، مقرلہ کے درمیان اختلاف کی صورت میں کس کا قول قبول کیا جائے گا۔یہ فصل انچاس (۴۹)دفعات پر مشتمل ہے۔تیسری فصل میں چھیالیس(۴۶) دفعات ہیں جن میں اقرار سے رجوع کا تذکرہ کیا گیا ہے۔مجموعی طور پر اس باب میں ایک سو چھبیس(۱۲۶)دفعات ہیں۔چھ (۶)مقامات پر وضعی قوانین کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔

باب چہارم

فتاویٰ عالمگیری حصہ اقرار کے باب ۱۳ تا باب ۲۳ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب چہارم کا تعارف

اس باب میں تین فصول ہے جس میں فتاویٰ عالمگیری کے گیارہ (۱۱) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں مشترک چیز کے اقرار کا ذکر ہے، اس کے علاوہ اقرار سے رجوع کرنے کی جو صورتیں ہیں, نسب کے اقرار اور نکاح اور طلاق کے اقرار کے احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ اس فصل میں اُنچاس (۴۹) دفعات ہیں۔

دوسری فصل میں بیع کا اقرار اور مبیعہ میں عیب کے احکام کا بیان ہے، اسی طرح مضارب وشریک کے اقرار کے احکامات مذکور ہیں۔ یہ فصل چالیس (۴۰) دفعات پر مشتمل ہے۔

تیسری فصل میں وصی کے اقرار اور قتل وجنایت کے اقرار کے احکام کو بیان کیا گیا ہے جو چوبیس (۲۴) دفعات پر مشتمل ہے۔

مجموعی طور پر اس باب میں کل ایک سو تیرہ (۱۱۳) دفعات ہیں اور چار (۴) مقامات میں وضعی اور شرعی قوانین کے مابین تقابل کیا گیا ہے۔

فصل اول

فتاویٰ عالمگیری حصہ اقرار کے باب ۱۳ تا باب ۱۷ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۱۳: جو شرکت کا اقرار ہوتی ہے اور یا نہیں ہوتی کے بیان میں:

دفعہ ۱: شریک چیز کا اقرار کرنا درست ہوتا ہے۔(1)

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ اس غلام میں فلاں کی شرکت ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقرلہ اس میں آدھے کا حصہ دار ہوگا، جب کہ امام محمدؒ کے نزدیک مقدار بیان کرنے میں مقر کا قول قبول ہوگا۔

اگر کسی کے لئے اقرار کرتے وقت "بینی" کا لفظ استعمال کیا جائے تو اتفاقی طور غلام دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے۔

"فإن كانوا أكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث"(2)

ترجمہ: اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ اس آیت میں شرکت کا لفظ آیا ہے جو برابری پر دلالت کرتا ہے۔ تو دونوں صورتوں میں خواہ لفظ بین ہو یا نہ ہو ہر صورت میں آدھا ملے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے۔

"أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ"(3)

ترجمہ: یا (بتاؤ) کہ آسمانوں میں ان کی شرکت ہے۔ تو اس آیت میں حصہ کے معنی میں ہے اور اس کی بیان میں مقرلہ کا قول قبول کیا جائے گا۔

اگر اپنے اقرار سے متصل کہا کہ فلاں دسویں حصے کا شریک ہے تو اسی کا قول قبول کیا جائے گا۔ اگر یوں کہا کہ یہ غلام میرے ساتھ فلاں اور فلاں کا شریک ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک برابر تین حصے ہو کر تقسیم کیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس میں مقر کا قول قبول کیا جائے گا۔(4)

تقابل:

Admissions or representation made by one partner in relation to partnership transactions are evidence against the other partners of the firm.(5)

شراکت کی صورت میں ایک شریک کا اقرار دوسرے حصہ دار کے حق میں بھی اقرار قرار دیا جائے گا۔ تو شرعی اور وضعی قانون میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

دفعہ ۲: جس اقرار کی وجہ سے شریک کو نقصان ہوتا ہے وہ اقرار جائز نہیں ہوتا۔(6)

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۰

(2) سورۃ النساء، ۴:۱۲

(3) سورۃ فاطر، ۳۵:۴۰

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۶۴

(5) The Qanun-e-Shahadat1984,P:55, Chapter:3, Article:30

(6) نفس مصدر، ۴:۲۰۰

وضاحت:

کسی دار میں ایک معین بیت کی ایک شریک نے دوسرے کے لئے اقرار کیاتواس وقت یہ اقراردرست نہ ہو گا۔ مگر دار کو تقسیم کرنے کے بعد اگر یہ حصہ مقر کے حصہ میں آیاتواس کو مقرلہ لے حوالہ کرے گااوراگر وہ حصہ اس شریک کو مل گیاتو مقر کا حصہ اس کے اور شریک مقرلہ کے درمیان دونوں کے حق کے مطابق تقسیم کیاجائے گا۔

تاہم امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ اقراردرست ہو گااورآدھابیت مقرلہ کے لئے ہو گا کیونکہ بیت کاہر جزءدونوں کے درمیان مشترک ہے،اوراس اقرار سے کوئی نقصان لازم نہیں آتایہ تو تقسیم سے لازم آتاہے۔

اسی طرح اگر کسی خاص راستہ یادیوار کااقرار کیاتواس کا بھی یہی حکم ہے۔[1]

دفعہ ۳: جہاں مقر کے حصہ سے تقسیم کے بغیر فائدہ حاصل نہیں کیاجاسکتاتو تقسیم سے پہلے مقرلہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔[2]

وضاحت:

کوئی راستہ ایک قوم کے لئے خاص ہےاوراس پرایک دروازہ لگاہواہے،اسی قوم میں سےایک شخص نے غیر کے لئے اس راستے کااقرار کیاتواس کااقرار باقی شریکوں پر جاری نہ ہو گااور مقرلہ کواس کی تقسیم سے پہلے اس راستہ پر گزرناجائز نہیں،کیونکہ تقسیم سے قبل مقر کے راستہ سے گزرنا متحقق نہیں ہو سکتا،اگر وہ مقربہ راستہ مقر کے حصہ میں آئے تو پھراس پر سے گزرنز جائز ہےاوراگر دوسرے کے حصہ میں آیاتو مقرلہ کواختیار ہو گا کہ مقر کے حصہ میں اس کے حصہ کے بقدرراستہ جداکرلے۔

اسی طرح ایک نہر تین آدمیوں میں مشترک ہے ایک شریک نے دسویں حصہ نہر کاکسی کے لئے اقرار کیاتواس کااقرار شرکاء کے حق میں نافذنہ ہو گا،اس کی دوصورتیں ہیں:

ایک یہ کہ اقرار کیاکہ دسواں حصہ فلاں کااوربقیہ ہم تینوں میں مشترک ہے توجس قدر حصہ مقر کے قبضہ میں ہے وہ چار حصہ ہو کرایک حصہ مقرلہ کودیاجائے گا۔ لیکن اگرراستہ میں اس طرح اقرار کرے تو تقسیم سے پہلے مقرلہ کااس راستہ سے گزرناجائز نہیں،لیکن نہر میں تقسیم سے پہلے شرکت جائز ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے۔

"وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ"[3]

ترجمہ:اوران لوگوں کردو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کردی گئی ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشادباری تعالیٰ ہے۔

"لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ"[4]

ترجمہ:پانی پینے کی ایک باری اس کی ہےاورایک مقرردن کی پانی پینے کی باری تمہاری ہے۔ان آیات سے معلوم ہوتی ہیں۔ کہ مقراور مقرلہ ایک حصہ میں شریک ہوسکتے ہیں اس کے بغیر کہ اس میں شرکاء کانقصان ہو۔

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۵۴

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۲۰۱

(3) سورۃ القمر،۵۴:۲۸

(4) سورۃ الشعراء،۲۶:۱۵۵

دوسرا یہ کہ اپنے لئے تہائی نہر کا دعویٰ کرتا ہو تو جس قدر اس کے پاس ہے وہ اس کے اور مقرلہ کے درمیان تیرہ حصہ ہو کر تین حصے مقرلہ کو اور دس حصے کو مقر کو ملیں گے۔[1]

دفعہ ۴: مقر جتنے افراد کے لئے اقرار کرے گا سب مقر بہ میں شریک ہوں گے۔[2]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ غلام جو میرے قبضہ ہے میرے اور فلاں کے درمیان مشترک ہے، پھر اس کے بعد دوسرے اور تیسرے کے لئے اقرار کرے۔ ان سب نے قاضی کے پاس دعویٰ کیا تو پہلے کے لئے آدھے غلام کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ اس نے غلام میں اس کو شریک کیا ہے۔ اس اقرار کے وقت وہ پورے غلام کا مالک تھا تو اس اقرار کی وجہ سے مقرلہ آدھے کا مالک ہو جائے گا۔ دوسرے کے لئے اقرار کرتے وقت وہ آدھے کا مالک تھا تو جس کے لئے اقرار کیا وہ اس آدھے میں سے آدھے کا یعنی تہائی کا مالک ہو گا، تیسرے کے لئے اقرار کرتے وقت وہ چوتھائی کا مالک تھا اور اس کا آدھا آٹھواں حصہ ہے تو یہ مقرلہ کا ہو گا۔ اسی طرح اگر یہ اقرار کسی میت پر کیا جس کا یہ وارث ہے تو بھی یہی حکم ہے۔[3]

دفعہ ۵: عطف اگرچہ خبر میں اشتراک کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس صورت میں مقر کا قول اس کے حق میں قبول کیا جائے گا۔ اور غیر کے حق میں مقبول نہ ہو گا۔[4]

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر اور دوسرے فلاں پر ہزار درہم ہیں، اور اس فلاں نے انکار کیا تو مقر پر اس کے حصہ کے آدھے درہم لازم ہو جائے گے۔ یہاں اس نے دوسرے کی عطف مقر پر اپنی ذات پر کیا ہے اور عطف جملہ خبریہ میں شرکت کا تقاضا کرتا ہے لیکن اقرار اس کے حق میں لازم ہو گا دوسروں کے حق میں لازم نہ ہو گا۔

اگر مقر اپنے ساتھ دو شخصوں کو مقروض بتایا تو ان کے انکار کے بعد اس پر تہائی مال لازم آئے گا۔ مقر نے جن لوگوں کو اپنے ساتھ بیان کیا اگر ان میں عبد مجور، نابالغ لڑکا، حربی، میت یا نا معلوم آدمی ہو تو ان لوگوں کے شمار سے جس قدر حصہ مقر پر پڑتا ہے وہ لازم آئے گا۔ اسی طرح اگر عاریت، مضاربت، قرض، قتل خطاً اور یا قصداً زخمی کرنے میں ایسا اقرار کیا تو بھی یہی حکم ہے۔[5]

دفعہ ۶: اقرار میں مختلف احتمالات واقع ہو سکتے ہو اس صورت میں اقرار کا صرف مقر کے حق کا اعتبار کیا جائے گا۔[6]

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۵۵

(2) فتاویٰ عالمگیری،۴:۲۰۱

(3) الأصل للشیبانی،۸:۴۰۳

(4) نفس مصدر،۴:۲۰۲

(5) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۸۳

(6) نفس مصدر،۴:۲۰۳

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ ہم پر فلاں کے اتنے دراہم ہے اوراپنے ساتھ کسی کاذکر نہیں کیا۔اس کے بعداس نے کہاکہ میرااس سے مراد فلاں اور فلاں تھالیکن مقرلہ نے سب مال کااسی مقرپر دعویٰ کیاتومقرپر کل مال لازم ہوگا۔اس لئے کہ جمع کاصیغہ کبھی کبھار مفرد کے لئے استعمال ہوتاہے۔

جیساکہ ارشادباری تعالیٰ ہے۔

"إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى"(1)

ترجمہ:بے شک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔

دوسری جگہ ارشادخداوندی ہے۔

"إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ"(2)

ترجمہ:ہم ہی توزندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں۔

ان دوآیات میں "علینا"کالفظ آیاہے لیکن یہ مفرد کے لئے استعمال ہواہے۔

اسی طرح کسی نے اقرار کیاکہ فلاں کے ہم پراوراشارہ اپنی طرف اور دوساتھیوں کی طرف کیاتواس پر کل مال لازم ہوجائے گا۔کیونکہ ہاتھ سے اشارہ کرنانہ فائدہ دیتاہے اورنہ کسی چیز کوباطل کرتاہے۔(3)

دفعہ ۷:مال میراث میں غیر کے لئے اقرار کرناجائز ہے لیکن غیر کے لئے نسب کااقرار جائز نہیں۔(4)

وضاحت:

کسی کاباپ مرگیااوراس نے ایک شخص کی نسبت یہ اقرار کیاکہ یہ میرابھائی ہے توبھائی ہونے کانسب توثابت نہ ہوگا،کیونکہ اس سے تحمیل النسب علی الغیرلازم آتاہےاور غیرپرنسب ثابت کرنادرست نہیں۔البتہ مقرلہ مقرکےساتھ باپ کی میراث میں شریک ہوجائے گا،امام مالکؒ اورامام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نسب کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے میراث میں بھی شریک نہ ہوگا۔

احنافؒ کی دلیل یہ ہے۔مذکورہ اقراردوباتوں پر مشتمل ہیں:

ایک تودوسرے پر نسب لازم کرنااور مقرکوغیر پراس کااختیار حاصل نہیں تویہ ثابت نہ ہوگا۔

دوسرامال میراث میں اشتراک ۔مقرکویہ اختیار حاصل ہے،کیونکہ یہ اپنی ذات پراقرارہےاوراس کواپنی ذات پرولایت ہے تویہ مالی شرکت لازم ہوجائے گی۔

اس کی نظیر بھی موجودہے۔

جیسے کسی مشتری نے بائع پراقرار کیاکہ میں نے جوغلام اس سے خریداہے وہ اس کوآزاد کرچکاتھا،توبائع پراس کایہ اقرار مقبول نہیں۔ یہاں تک کہ وہ بائع سے غلام کاثمن واپس نہیں لے سکتا،لیکن آزادی کے حق میں اس کایہ اقرار مقبول ہوتاہے۔کیونکہ حق آزادی میں

---

(1) سورۃ اللیل،۹۲:۱۲

(2) سورۃ ق،۵۰:۴۳

(3) الأصل للشيباني،۸:۴۰۹

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۲۰۳

اس کا یہ اقرار اپنی ذات پر اقرار ہے۔ یہاں تک کہ وہ غلام مشتری پر آزاد ہو جائے گا، پس اسی طرح نسب کا اقرار مذکور اشتراک میراث کے بارے میں مقبول ہو گا۔[1]

جب مقر کی گواہی اس کے حق میں مقبول ہوئی تو ہمارے نزدیک مقرلہ مقر کے نصف حصے کا مستحق ہو گا اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کا اقرار ترکہ میں شائع ہو گا، پس مقر کو اتنا حصہ ملے گا جتنا اس کا حصہ مخصوص ہے۔ یہاں تک کہ جس کا باپ مرا ہے اگر اس کا کوئی معروف بھائی ہو اور وہ کسی اور شخص کی نسبت بھائی ہونے کا اقرار کرے اور معروف بھائی اس کو جھٹلائے تو ہمارے نزدیک مقر کو اس کے مقبوض کا نصف ملے گا اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کو مقبوض کا تہائی ملے گا، کیونکہ مقر نے اس کے لئے دونوں نصف میں ثلث شائع کا اقرار کیا ہے تو اس کا اقرار اس کے حصہ میں نافذ ہو گا اور جو اس کے بھائی کے حصہ میں ہے وہ باطل ہو گا۔ پس مقر کے لئے اس کے مقبوض کا ثلث ہو گا اور وہ تمام مال کا سدس ہے اور دوسرا سدس اس کے بھائی کے حصہ میں ہے اس میں اس کا اقرار باطل ہو گا۔

احنافؒ کہتے ہیں کہ مقر کا گمان یہ ہے کہ مقرلہ استحقاق میں اس کے برابر ہے اور منکر اپنے انکار میں ظالم ہے تو مقر کے قبضہ میں جو ہے اس کو ہالک کی طرح ٹھہرا کر باقی کو ان کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[2]

دفعہ ۸: مقرلہ جب مقر کی تکذیب کرے تو اس کا اقرار باطل ہو گا۔[3]

وضاحت:

مقر کسی کے لئے کسی چیز کا اقرار کرے اور مقرلہ اس کا تکذیب کرے تو مقر کا اقرار باطل ہو جائے گا، جیسے عورت نے اگر اقرار کیا کہ میں نے اپنے شوہر سے میراث پائی ہے پھر اس نے اقرار کیا کہ یہ شخص شوہر کا بھائی ہے، پس بھائی بولا کہ میں بھائی ہوں اور تو اس کی بیوی نہیں تو امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک تمام مال بھائی کو ملے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت کو چوتھائی اور باقی بھائی کو ملے گا۔

مگر یہ کہ حریت، نسب، ولاء عتاقہ اور وقف کا اقرار کرے تو ان صورتوں میں اگر مقرلہ مقر کی تکذیب بھی کرے تو اس کا قول مقبول نہ ہو گا۔[4]

باب ۱۴: وہ اقرار جو صریح طور پر برأت یا عدم برأت شمار ہوتی ہے کے بیان میں۔

دفعہ ۹: کسی کو بری کرنے کا اقرار کرنا درست ہے۔[5]

وضاحت:

کسی کو بری کرنے میں سب حق آجاتے ہیں خواہ وہ مال کے قبیلہ سے ہو اور یا مال سے تعلق نہ رکھتا ہو، جیسے کفالت بالنفس، قصاص اور حد قذف اور یا وہ دین ہو جو مال کے بدلے واجب ہوا ہو جیسے ثمن مبیع اور یا وہ جو مال کے بدلے واجب نہ ہوا ہو، جیسے مہر اور ارش۔

اسی طرح وہ مال جس کی ضمان لازم ہو، جیسے غصب اور یا امانت ہو جیسے عاریت اور اجارہ۔ یہ سب اس میں داخل ہیں۔[6]

دفعہ ۱۰: برأت میں مختلف الفاظ ذکر کرنے سے بری کرنے کا حکم مختلف ہوتی رہتی ہیں۔[7]

---

(1) فتح القدير، ۸:۴۰۰

(2) تبيين الحقائق، ۵:۲۸

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۳

(4) الدرالمختار، ۵:۶۲۲

(5) نفس مصدر، ۴:۲۰۴

(6) بدائع الصنائع، ۷:۲۰۸

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۴

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میرا مال جو اس پر ہے میں نے اس کو اس سے بری کر دیا تو اس میں صرف دین داخل ہے، کیونکہ "علیٰ" الزام کے لئے آتا ہے۔ لیکن اگر اس کی جگہ "عند" کا لفظ ذکر کیا تو اس میں وہ اموال داخل ہیں جو اصل میں امانت ہیں اور جن کی اصل غصب یا مضمون ہو اس کو شامل نہیں ہے۔

اسی طرح اگر یوں کہا کہ فلاں میرے مال سے جو اس کی طرف ہے یعنی قبل کا لفظ ذکر کیا تو ضمانت اور امانت سے بری ہو جائے گا، اس کے بعد اس پر کسی حق کا دعویٰ کیا گیا تو گواہوں کے گواہی اس وقت تک مقبول نہ ہو گی جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ یہ بری کرنے کے بعد کا حق ہے۔

اگر وقت بیان نہ کیا بلکہ دعویٰ میں ابہام رکھا تو قیاس کے مطابق اس کی دعویٰ کی سماعت ہو گی اور استحسان کے مطابق اس کی گواہی مقبول نہ ہو گی۔[1]

دفعہ ۱۱: مجہول شخص کو بری کرنا درست نہیں۔[2]

وضاحت:

مجہول شخص کو بری کرنا درست نہیں اور معلوم کو بری کرنا درست ہے اگرچہ وہ چیز مجہول ہو، جیسے کوئی کہے کہ میرا جس پر بھی کوئی دین ہے میں نے اس کو بری کیا ہے تو یہ بری کرنا عام اور خاص نہیں، بلکہ یہ صرف اقرار ہے اور یہ دعویٰ سے مانع نہیں۔ اس لئے اگر کسی نے کہا کہ میرا کسی پر دین نہیں ہے پھر کسی پر دین کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ صحیح ہے۔ اس میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ یہ اقرار کے بعد واجب ہوا ہو۔[3]

دفعہ ۱۲: اقرار میں جنس لفظ عام کی ذکر کرنے کی طرح ہے اس صورت میں سب افراد مراد ہوں گے۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں پر میرا جو قرض ہے اور یا میرا حق جو اس کے ذمہ ہے، بری کیا ہے تو اس صورت میں وہ بری ہو جائے گا، کیونکہ لفظ جنس اس جنس کے سب افراد کو شامل ہوتا ہے جس طرح لفظ عام ذکر کرنے سے سب افراد مراد لئے جاتے ہیں۔

لیکن اس برأت میں کفالت اور وہ جنایت جس میں قصاص یا ارش لازم آتا ہے داخل ہوں گے، کیونکہ یہ اس کے حقوق میں سے ہیں۔[5]

دفعہ ۱۳: اقرار وجود کے بعد دو چیزوں سے باطل ہو جاتا ہے۔[6]

وضاحت:

اقرار دو چیزوں کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔

---

(1) الدرالمختار، ۶۲۷:۵

(2) نفس مصدر، ۲۰۴:۴

(3) قرةعين الأخيار، ۳۳۰:۸

(4) نفس مصدر، ۲۰۴:۴

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۶۵:۱۸

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۲۰۴:۴

ایک یہ کہ مقرلہ مقر کی تکذیب کرے اوراقرار حقوق العباد میں ہو تو اقرار باطل ہو گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کی وجہ سے وہ چیز مقر پر لازم ہو جاتا ہے لیکن مقرلہ کی تکذیب عدم لزوم کی دلیل ہے تو جب لزوم کا ثابت نہ ہوا تو یہ چیز لازم نہ ہو گی، کیونکہ یہاں شک پیدا ہوا اور شک کی وجہ سے مقربہ ثابت نہیں ہو تا۔

دوسرا یہ کہ مقر اقرار سے رجوع کرلے اس اقرار میں جو رجوع کا احتمال رکھتا ہو، اوراقرار میں رجوع کا احتمال اس وقت ہو تا ہے۔جب وہ ان حقوق میں ہو جو خاص کر اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو، جیسے حد زنا، کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ مقر انکار میں صادق ہو اور اقرار میں کاذب ہو گا تو حد واجب کرنے میں شبہ پیدا ہوا اس لئے اس صورت میں حد ساقط ہو گا۔[1]

کسی نے اقرار کیا کہ جو میرا مال اس کے ذمہ ہے میں نے اس کو ہبہ کر دیا تو قرض دار بری ہو گیا لیکن اگر مقرلہ نے حاضر ہونے کے بعد کہا کہ میں یہ ہبہ قبول نہیں کر تا تو یہ مال اس پر بر قرار رہے گا کیونکہ مقر کی تکذیب کے بعد اقرار باطل ہو جاتا ہے تو اقرار باطل ہونے کے بعد مال اس کے ذمہ واجب ہو گا۔[2]

دفعہ ۱۴: مقر چوری کے اقرار میں رجوع کر سکتا ہے لیکن یہ رجوع مال کے حق میں قبول نہیں کیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

جن حقوق کا تعلق خاص اللہ تعالیٰ سے ہو جیسے حد زنا، حد شرب اور حد سرقہ ،اس کا اقرار آزاد اور غلام دونوں کی طرف سے جائز ہے اس میں مقر اگر حد کی سزا لاگو کرنے سے پہلے رجوع کرے تو رجوع صحیح ہو گا اور حد باطل ہو جائے گا، کیونکہ اس صورت میں شبہ پیدا ہو جائے گا اور شبہ سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں۔[4]

اس لئے کہ جس طرح اقرار میں صدق کا پہلو راجح ہو تا ہے، اسی طرح انکار اور رجوع میں بھی صدق کا پہلو راجح ہو تا ہے۔اس لئے کہ رجوع میں رجوع کرنے والا تنہا ہو تا ہے اور کوئی اس کی تکذیب کرنے والا نہیں ہو تا، لہذا ایک معاملہ میں اقرار اور انکار کے جمع ہونے سے اس میں شبہ پیدا ہوا اور شبہ حدود کو ساقط کرتے ہیں۔اسی لئے مقر کے رجوع کو درست قرار دے کر اس سے حد ساقط کیا جائے گا۔

مقر کو تلقین کرنا تاکہ وہ رجوع کرے۔رجوع کا تلقین کرنا احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

"إِنَّ هَذَا سَرَقَ فَقَالَ مَا إِخَالُهُ سَرَقَ"[5]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا، کہا گیا یارسول ﷺ اس شخص نے چوری کی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال نہیں کہ اس نے چوری کی ہو اس نے کہا کیوں نہیں چوری کی ہے یارسول ﷺ۔آپ ﷺ نے اس چور کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم صادر فرمایا اور پھر کہا کہ اسے داغ دو۔

یا جس طرح نبی کریم ﷺ نے سیدنا ماعزؓ کو فرمایا کہ ہو سکتا ہے آپ نے ہاتھ لگایا ہو یا اس کو چوما ہوں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

---

(1) بدائع الصنائع،۷:۲۳۳

(2) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۲۶

(3) نفس مصدر،۴:۲۰۴

(4) تحفة الفقهاء،۳:۱۹۵

(5) شرح معانی الاثار ،بَابُ الْإِقْرَارِ بِالسَّرِقَةِ الَّتِي تُوجِبُ الْقَطْعَ،۳:۱۶۸،رقم الحدیث،۴۹۷۴

"ادرءوا الحدود عن المسلمين مااستطعتم"[1]

ترجمہ: حتی الامکان مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو۔

لیکن چوری کی صورت میں رجوع کیا تو یہ رجوع قطع میں اثر کرے گا یعنی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور جہاں تک مال کا تعلق ہے وہ اس پر لازم رہے گا، کیونکہ ہاتھ کاٹنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مال بندوں کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں رجوع تو درست ہے لیکن بندوں کے حقوق میں رجوع کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔[2]

دفعہ ۱۵: حد قذف اور قصاص میں رجوع نہیں کیا جاسکتا۔[3]

وضاحت:

حد قذف اور قصاص میں مقر اقرار سے رجوع نہیں کر سکتا۔ حد قذف میں اس لئے رجوع نہیں کر سکتا کہ اس میں بندہ کا حق ہوتا ہے تو رجوع کی وجہ سے متہم ہو جاتا ہے۔ اور یہ ان حقوق سے رجوع کرنے کی طرح ہے جن میں صرف بندوں کے حقوق ہوتے ہیں۔ قصاص تو صرف بندوں کا حق ہے تو اس میں بھی اقرار سے رجوع کرنا جائز نہیں۔[4]

دفعہ ۱۶: غیر پر حق ثابت کرنے کے لئے جس طرح سبب یقینی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح حق کی انتفاء کے لئے بھی یقینی سبب کا ہونا لازمی ہے۔[5]

وضاحت:

اقرار کرتے وقت اس قسم کے الفاظ (کہ میں جانتا ہوں، میرا خیال ہے اور یا میرا گمان ہے) استعمال کرنے سے کوئی حق ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ الفاظ شک کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور غیر پر ثبوت حق کے لئے سبب یقینی کا ہونا ضروری ہے جس طرح کسی کو حق سے بری کرنے کے لئے سبب یقینی کا ہونا ضروری ہے۔

جیسے کوئی اقرار کرے کہ اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ اس کے بعد اس پر کسی معین حق کا دعویٰ کیا تو گواہ قبول ہوں گے اور اس برأت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔[6]

دفعہ ۱۷: کسی چیز کی قیمت وصول کرنے کا اقرار کرنا دوسرے کو اس حق سے بری کرنا ہے۔[7]

وضاحت:

کوئی اقرار کرے کہ میں اس گھر سے خارج ہوا تو یہ کسی بات کا اقرار نہیں، لیکن اگر یوں کہا کہ میں اس گھر سے سو درہم کے عوض نکل گیا اور اس کا ثمن وصول کیا تو یہ عرف میں اس بات کا اقرار ہے کہ میرا اس میں کچھ نہیں رہا۔ یہی حکم حیوان، عروض اور قرض میں ہے۔

---

(1) المستدرک علی الصحیحین، حاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، ۴:۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے اگرچہ بخاری اور مسلم میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

(2) بدائع الصنائع، ۷:۲۳۳

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۴

(4) بدائع الصنائع، ۷:۲۳۳

(5) نفس مصدر، ۴:۲۰۵

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۲۱

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۵

اگر قابض نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ یہ میرا ہے تونے سو درہم مجھ سے غصب کر لئے ہیں تو اس سے قسم لی جائے گی، قسم کھانے سے اس کو سو درہم واپس ملے گا اور مقر اپنی خصومت پر باقی رہے گا۔[1]

دفعہ ۱۸: اقرار وجوب مال کا سبب ہے تو یہ برأت سابقہ سے باطل نہیں ہوتا۔[2]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے دراہم ہیں اور مقرلہ نے انکار کیا، پھر دوسری مرتبہ مقر نے اقرار کیا اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی تو مال لازم ہو جائے گا۔

اس لئے کہ جب مقرلہ نے مقر کی تکذیب کی تو پہلا اقرار معدوم ہو گیا اور جب دوسری مرتبہ مقر نے اقرار کیا اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی تو یہ اقرار لازم ہو جائے گا، کیونکہ اقرار کی وجہ سے مال لازم ہو جاتی ہے اور برأت سابقہ کی وجہ سے اقرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[3]

دفعہ ۱۹: مال اور برأت کی تاریخ میں تفاوت کی صورت میں جس کا تاریخ مقدم ہو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میرے فلاں پر ہزار درہم ہیں اور اس پر دو گواہ پیش کئے اور مقرلہ نے اپنی برأت پر دو گواہ پیش کئے تو اگر برأت کی تاریخ مال کی تاریخ مؤخر ہوں تو بری ہو جائے گا۔

اگر مال کی تاریخ بری کرنے کی تاریخ سے بعد میں ہو تو مال لازم کیا جائے گا اور تاریخ نہ ہونے کی صورت میں بری شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دونوں کی تاریخ برابر ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

اسی طرح مال کی رسید پر تاریخ درج ہو اور بری کرنے کی تاریخ نہ ہو یا اس کے برعکس ہو تو دونوں صورتوں میں بری کرنے کا حکم کیا جائے گا۔[5]

باب ۱۵: تلجئۃ (جھوٹ) کے طور پر اقرار کرنے کے بیان میں۔

دفعہ ۲۰: اقرار کے بعد کوئی ایسا لفظ ذکر کرنا جو رجوع تصور کی جاتی ہے تو مقرلہ کی تصدیق کے بغیر اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔[6]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہے اور پھر کہا کہ یہ اقرار تلجئۃ کے طور پر تھا اور مقرلہ نے اس کی تکذیب کی تو مقر پر مال لازم ہو جائے گا، کیونکہ اس کا یہ قول کہ تلجئۃ کے طور پر اقرار کیا تو یہ ایسا ہے گویا وہ اقرار سے رجوع کرتا ہے اور اقرار سے رجوع کرنا بندوں کے حقوق میں درست نہیں ہوتا، ہاں اگر مقرلہ اس بات میں اس کی تصدیق کرے کہ یہ اقرار جھوٹا تھا تو پھر مقر پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی، کیونکہ اس صورت میں دونوں اس بات میں متفق ہیں کہ یہ اقرار جھوٹا تھا اور ایسے اقرار سے مقر پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتا۔

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۶۶

(2) نفس مصدر، ۴:۲۰۵

(3) مجمع الضمانات، ۱:۳۸۴

(4) نفس مصدر، ۴:۲۰۵

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۲۲

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۶

اسی طرح اگر گواہوں سے کہا کہ گواہ رہو کہ مجھ پر جھوٹ کی راہ سے فلاں کے اتنے دراہم ہیں اور فلاں نے کہا کہ یہ سچ بولتا ہے تو مقر پر کوئی چیز لازم نہ ہو گا۔ لیکن اگر مقرلہ نے کہا کہ میں مال کے اقرار میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور کذب بیانی میں اس کی تکذیب کرتا ہو تو مقرلہ اقرار کرنے والے سے مال کا مطالبہ کر سکتا ہے، یہی حکم بیع میں بھی ہے۔[1]

دفعہ ۲۱: عقد نکاح میں ایجاب و قبول کے بعد اقرار تلجئہ عقد نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے ایک عورت سے کہا کہ میں تجھ سے تلجئہ کے طور پر ہزار درہم پر نکاح کرنا چاہتا ہوں عورت نے اس بات کو قبول کیا۔ پھر گواہوں کی موجودگی میں آدمی نے اس طرح گواہ قائم کئے اور عورت اس پر راضی ہو گئی تو نکاح جائز ہو گی۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة"[3]

ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں عمداً کہنا بھی عمد ہے اور مذاقاً کہنا بھی عمد ہے۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔

ان چیزوں میں رد اور تراخی کا احتمال نہیں ہو تا یعنی ان کو نہ اقالہ اور فسخ سے رد کیا جا سکتا ہے اور نہ خیار شرط اور دیگر تعلیقات کے ذریعہ مؤخر کیا جا سکتا ہے۔[4]

باب ۱۶: نکاح، طلاق اور مملوک ہونے کے اقرار کا بیان۔

دفعہ ۲۲: نکاح کا اقرار کرنے کے بعد انکار نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔[5]

وضاحت:

کسی نے حالت صحت یا مرض میں اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے ہزار درہم پر نکاح کیا ہے اور پھر اس سے انکار کرتا ہے عورت نے اس کی زندگی میں اویا اس کے مرنے کے بعد اس کی تصدیق کی تو نکاح جائز ہو گا، کیونکہ نکاح کا ثبوت اس کے حق میں اقرار کی وجہ سے ہو گیا اور پھر اس کے انکار سے یہ باطل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ اقرار سے رجوع کرنا ہے اور اقرار سے رجوع کرنا باطل ہے۔ جب اس کے ساتھ مقرلہ کی تصدیق شامل ہو گیا تو اس کو اقرار کے وقت تک منسوب کیا گیا، گویا کہ یہ اس وقت ثابت تھا تو نکاح ثابت ہو کر عورت کو مہر اور میراث دونوں ملے گا۔

لیکن اگر نکاح مرض میں واقع ہوا اور مہر میں مہر مثل سے زیادتی ہے تو زیادتی باطل ہو گی، کیونکہ یہ وارث ہے اور اس صورت میں اقرار کی وجہ سے تہمت واقع ہو تا ہے۔

اگر عورت اس طرح کسی مرد سے نکاح کا اقرار کرے اور پھر انکار کرے تو اگر مرد نے اس کی زندگی میں اس کی تصدیق کی۔ تو نکاح جائز ہو گا اور اگر عورت کے مرنے کے بعد مرد نے اس کی تصدیق کی، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح ثابت نہیں ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک نکاح درست ہو گا۔[6]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۲۲:۱۸

(2) نفس مصدر، ۲۰۶:۴

(3) سنن ترمذی، ۴۸۲:۳، حدیث نمبر: ۱۱۸۴۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن غریب کا حکم لگایا ہے۔

(4) كشف الأسرارشرح اصول البزدوی، ۳۶۲:۴

(5) نفس مصدر، ۲۰۶:۴

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۴۲:۱۸

دفعہ ۲۳: اقرار سے پیوست ان شاءاللہ کہنے سے اقرار باطل ہو جاتا ہے۔[1]

وضاحت:

کسی نے نکاح کا اقرار کرتے وقت متصل ان شاءاللہ کہا تو یہ اقرار درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کا استثناء یا تو حکم کو اس کے منعقد ہونے سے پہلے ہی باطل کرنے کے لئے ہے، جیسا کہ امام ابویوسفؒ کی رائے ہے اور یا معلق کرنے کے لئے ہے جیسا کہ امام محمدؒ کی رائے ہے۔

اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہو گا جب چاہت کو مقدم کر کے یوں کہے ان شاءاللہ انت طالق، تو جن کے نزدیک ان شاءاللہ باطل کرنے کے لئے ہے تو ان کے نزدیک طلاق واقع نہ ہو گی اور جن کے ہاں معلق ہونے کے لئے ہے ان کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔

الغرض جو بھی ہو اقرار لازم نہ ہو گا۔ اگر حکم کے باطل ہونے کے لئے ہو، تب تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود ہی باطل کر چکا ہے۔ اور اگر تعلیق کے لئے ہو تو بھی باطل ہے اس لئے کہ اقرار خبر ہونے کی وجہ سے معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا، کیونکہ خبر گزشتہ کی خبر دیتا ہے اور تعلیق آئندہ کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ان دونوں میں تضاد ہے اور یا اس لئے کہ اللہ کی چاہت کی شرط ایسی ہے جس پر وقوف نہیں ہو سکتا۔[2]

دفعہ ۲۴: کلمہ استفہام جب نفی پر داخل ہو جائے تو اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔[3]

وضاحت:

کسی نے عورت سے کہا کہ کیا میں نے تجھ سے کل کے دن نکاح نہیں کیا تھا، یا آیا یہ بات نہیں ہے کہ کل میں نے تجھ سے نکاح کیا ہے اور عورت نے کہا کہ ہاں کیا ہے تو یہ عورت کی طرف سے نکاح کا اقرار ہے، کیونکہ جب کلمہ استفہام نفی پر داخل ہوتا ہے تو اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔[4]

دفعہ ۲۵: ان چیزوں کا مطالبہ کرنا جو سبقت نکاح کا تقاضا کرتا ہے، نکاح کا اقرار قرار دیا جائے گا۔[5]

وضاحت:

عورت نے مرد سے کہا کہ مجھے طلاق دے دو تو یہ نکاح کا اقرار ہے، یا یوں کہا کہ مجھ سے خلع کرے تو یہ بھی نکاح کا اقرار ہے۔ اس لئے کہ طلاق کے ذریعہ ملک نکاحی کو ختم کیا جاتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جب پہلے سے نکاح ثابت ہو اور خلع میں بھی ملک نکاحی عوض کے بدلے ختم ہو جاتا ہے تو دونوں صورتوں میں پہلے نکاح کا ہونا لازمی ہے۔ ظہار اور ایلاء کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔[6]

دفعہ ۲۶: اقرار حرمت کے بعد نکاح کرنا درست نہ ہو گا۔[7]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۷

(2) فتح القدير، ۴:۱۴۰

(3) نفس مصدر، ۴:۲۰۷

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۴۴

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۷

(6) الأصل للشيبانی، ۸:۳۷۱

(7) نفس مصدر، ۴:۲۰۷

وضاحت:

مرد نے اقرار کیا کہ میں نے اس عورت کو تین طلاق دی ہیں اور پھر اس عورت سے اس سے پہلے کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے نکاح کرلیا، یا عورت نے کہا کہ تو نے مجھے کوئی طلاق نہیں دی اور یا عورت نے کہا کہ میں نے دوسرے سے نکاح کیا اور اس نے دخول کیا ہے تو دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی اور شوہر پر عورت کے لئے دخول سے پہلے آدھا مہر واجب ہوگا اور دخول کے بعد پورا مہر اور عدت کا نفقہ واجب ہوگا۔[1]

دفعہ ۲۷: نسب ثابت ہونے کے بعد نکاح کو باطل قرار دیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

ایک عورت جس کا نسب معلوم نہیں۔ اس نے اقرار کیا کہ میں شوہر کے باپ کی بیٹی ہوں اور شوہر کے باپ نے اس کی تصدیق کی تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی کرادے گا، کیونکہ بہن ہونا نکاح کے منافی ہے ابتدا اور انتہاء۔

اسی طرح دو جڑواں بہنوں میں سے ایک نے کسی مرد سے نکاح کیا پھر دوسری نے اقرار کیا کہ میں اپنے بہن کے شوہر کے باپ کی بیٹی ہوں اور شوہر کے باپ نے اس کے قول کی تصدیق کی اور بہن اور اس کی شوہر نے تکذیب کی تو قاضی اس کی بہن اور اس کے شوہر میں جدائی کرادے گا۔[3]

دفعہ ۲۸: مجہول النسب کا کسی کے لئے مملوک ہونے کا اقرار جائز ہے۔[4]

وضاحت:

کسی عورت نے اقرار کیا کہ میں فلاں کی باندی ہوں اور یا مرد نے اقرار کیا کہ میں فلاں کا غلام ہوں اس حال میں کہ کسی کا نسب معلوم نہیں اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی۔ اس صورت میں دونوں کا مملوک ہونا ثابت ہو جائے گا اور ان پر مملوک کے احکامات لاگو ہوں گے۔

لیکن اگر قاضی نے اس پر حد کامل اور اعضاء میں قصاص کا حکم جاری کیا اور اس کے بعد کسی کے لئے باندی یا غلام ہونے کا اقرار کرے تو اس صورت میں ان پر رقیت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔[5]

دفعہ ۲۹: بنی آدم میں اصل حریت ہے۔[6]

وضاحت:

ایک آدمی نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس کا آزاد یا مملوک ہونا معلوم نہیں تو اس کی ظاہری حریت پر نکاح جائز ہوگا۔ اس لئے کہ اصل حریت ہے۔

لیکن اگر عورت نے پھر کسی کے لئے باندی ہونے کا اقرار کیا اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی تو پھر اصل اس کی حق میں رقیت ہو جائے گی اور یہ اس مقرلہ کی باندی ہو جائے گی۔ اگر شوہر اس کی تکذیب کرے تو شوہر کے حق میں اس کا اقرار مؤثر نہ ہوگا یہاں تک کہ مولیٰ کی

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۴۴

(2) نفس مصدر،۴:۲۰۸

(3) المحیط البرهانی،۵:۴۳۰

(4) فتاویٰ عالمگیری،۴:۲۰۸

(5) الأشباه والنظائر ،ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم،۱:۲۲۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان،۱۴۱۹ھ

(6) نفس مصدر،۴:۲۰۸

اجازت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح باطل ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا اور مقرلہ کو اختیار نہیں ہو گا کہ عورت کو اس کے شوہر سے ملنے سے منع کرے، تاہم اس پر باندی کے احکامات جاری کیا جائے گا۔[1]

تاہم جس صورت میں عورت پر تہمت کا شائبہ ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، جیسے شوہر نے عورت کو دو طلاق دی ہیں اور اس کو اس کی حالت معلوم نہ تھی کہ اس نے کسی کے مملوک ہونے کا اقرار کیا ہے تو شوہر رجوع کر سکتا ہے۔ اگر پہلے سے شوہر کو معلوم ہو تو پھر اس کو رجوع کا حق حاصل نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کو ایک طلاق دی گئی ہو اور پھر اس نے مملوک ہونے کا اقرار کیا تو تہمت کا الزام نہ ہونے کی وجہ سے اس کا قول قبول کیا جائے گا اور شوہر دو طلاقوں کا مالک ہو جائے گا۔[2]

دفعہ ۳۰: تعلیق سابق وجود شرط کے وقت حکماً تعلیق ہوتی ہے قصداً تعلیق نہیں ہوتی۔[3]

وضاحت:

اس قاعدہ کی وضاحت ان چار مسائل کے ذریعے کی جاتی ہیں:

۱: شوہر نے حالت صحت میں اپنی بیوی سے کہا کہ جب چاند رات آئے تو تجھے طلاق ہے۔

۲: جب تم گھر میں داخل ہو تو تمھیں طلاق ہے۔

۳: جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے طلاق ہے۔

۴: جب فلاں شخص گھر میں داخل ہو جائے تو تمھیں طلاق ہے۔

اگر شرط شوہر کے مرض وفات میں پائی گئی تو عورت وارث نہیں ہو گی، لیکن اگر شرط اور تعلیق دونوں حالت مرض میں پائی جائیں تو اس صورت میں بیوی وارث ہو گی۔ البتہ دوسری صورت میں بیوی وارث نہ ہو گی۔

ان صورتوں میں شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہے اس کی چند صورتیں بن جاتی ہیں:

۱: شوہر نے کسی وقت کے آنے پر طلاق کو معلق کیا ہو۔

۲: طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر معلق کیا ہو۔

۳: طلاق کو اپنے نفس کے فعل پر معلق کیا ہو۔

۴: طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو۔

ان میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں بنتی ہیں:

تعلیق حالت صحت میں ہو اور شرط حالت مرض میں ہو، تعلیق اور شرط دونوں حالت صحت میں ہوں، دونوں حالت مرض میں ہوں اور تعلیق حالت مرض میں اور شرط حالت صحت میں ہوں۔

تیسری اور چوتھی صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ میراث کی مستحق نہیں ہو گی۔ البتہ پہلی اور دوسری صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی اور عورت وارث ہو گی، کیونکہ ان صورتوں میں شوہر سے فرار متحقق ہو گیا ہے اس لئے کہ شوہر نے ایسی حالت پر طلاق معلق کیا ہے جس حالت میں اس کے مال سے بیوی کا حق معلق ہو گیا ہے۔ اس لئے اس صورت میں شوہر کا یہ فعل فرار کہلائے گا اور اس کی بیوی امرأۃ فار ہو گی اور یہ امرأۃ فار میراث کی مستحق ہوتی ہے اس لئے یہ بیوی اپنے شوہر کے مال میں وارث ہو گی۔[4]

---

(1) بدائع الصنائع، ۶:۲۵۶

(2) البحرالرائق، ۴:۵۴

(3) نفس مصدر، ۴:۲۰۹

(4) تبیین الحقائق، ۲:۲۴۹

دفعہ ۳۱: ماں کی رقیت کا اقرار بیٹے کی رقیت کو مستلزم نہیں۔[1]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں تیری باندی کا بیٹا ہوں اور یہ میری ماں تیری باندی ہے اور میں آزاد ہوں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس نے ماں کی مملوک ہونے کا اقرار کیا اور اس کا اقرار اس پر نافذ ہو جائے گا لیکن اس سے اس کا غلام ہونا ثابت نہیں ہوتا، جیسے کوئی آزاد ہونے میں معروف ہو اور وہ یہ اقرار کرے کہ میرے اجداد میں کوئی غلام تھا تو اس اقرار سے اس کا غلام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔[2]

دفعہ ۳۲: جو بچہ بول نہیں سکتا تو اس کے بارے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا جس کے قبضہ میں ہو۔[3]

وضاحت:

ایک عورت مجہول الحال کے پاس ایک بچہ ہے جو فعل حرام کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اس نے اقرار کیا کہ میں فلاں کی باندی ہوں اور میرا یہ بیٹا اس کا غلام ہے تو عورت کی اقرار کی وجہ سے یہ اس کی باندی اور بچہ اس کا غلام قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ بچہ جب بول نہ سکتا ہو، تو اس کے حق میں قابض کا قول قبول کیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۳۳: ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جا سکتا لیکن بیان کی موضع میں خاموش رہنا بیان ہے۔[5]

وضاحت:

مالک کے تصرف کے وقت غلام کا خاموش رہنا غلام ہونے کا اقرار ہے کہ نہیں۔ تو اگر ایسا تصرف ہو جس میں آزاد اور غلام دونوں مشترک ہوتے ہیں، جیسے مزدوری پر دینا، نکاح اور، خدمت۔ تو ایسے تصرفات میں خاموشی غلام ہونے کا اقرار نہیں ہے۔

اگر تصرف ایسا ہو جو غلاموں سے مختص ہے، جیسے بیع و سپرد کر دینا، ہبہ و رہن کر کے قبضہ دے دینا اور یا جرم میں اس کو دے دینا، تو اس وقت اس کی خاموشی اور رد نہ کر دینا غلام ہونے کا اقرار ہے۔[6]

تقابل:

When the conduct of any person is relevant, any statement made to him or in his presence and hearing, which affects such conduct, is relevant.[7]

قانون شہادت کے مطابق جب کسی کی موجودگی میں کوئی بات کہی جائے اور اس کو سن کر رد نہ کرے تو یہ خاموشی اقرار کی طرح ہے۔ وضعی اور شرعی قوانین میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

دفعہ ۳۴: دو آدمی ایک دوسرے کے لئے اقرار کریں لیکن دونوں میں منافات ہو تو دونوں رد کئے جائیں گے۔[8]

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۹

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۵۶

(3) نفس مصدر، ۴:۲۰۹

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۵۷

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۰۹

(6) الأشباه والنظائر لابن نجیم، ۱:۱۲۹

(7) The Qanun-e-Shahadat1984,P:33,chapter:3,Article:21

(8)۔ نفس مصدر، ۴:۲۰۹

وضاحت:

ایک آدمی نے ایک باندی پر دعویٰ کیا کہ یہ میری باندی ہے اور باندی نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور دونوں کی اصل معلوم نہیں ہے اور کوئی دوسرے کے قبضہ میں بھی نہیں ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کے دعویٰ کی ایک ساتھ تصدیق کی تو یہ باطل ہے، کیونکہ بیک وقت ایک ہی آدمی کا غلام اور مالک نہیں بن سکتا۔

ہاں اگر ایک کا اقرار پہلے اور دوسرے کا بعد میں ہو تو آخر میں اقرار کرنے والا پہلے کا مملوک ہوگا اس لئے جب اس نے اس کے غلام ہونے کا اقرار کیا تو گویا اس نے اس کے اقرار کو رد کیا۔[1]

دفعہ ۳۵: اقرار کرنے والے کا اقرار اس کے حق میں جائز ہے لیکن غیر پر اس کا اقرار نافذ نہ ہوگا۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی کا نسب معلوم نہیں اور اس کا ایک بیٹا آزاد ہے اس مجہول النسب نے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا، پھر اس مجہول نے ایک آدمی کے غلام ہونے کا اقرار کیا اور اس مقرلہ نے اس کی تصدیق کی لیکن آزاد کردہ غلام نے اس کی تکذیب کی تو مجہول کا اقرار اس کے حق میں قبول کیا جائے گا لیکن آزاد کردہ غلام کے حق میں صحیح نہیں۔[3]

باب ۱۷: اقرار نسب کے بیان میں۔

دفعہ ۳۶: نسب کا اقرار اپنی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔[4]

وضاحت:

مقر نے اقرار کیا کہ فلاں بچہ میرا بیٹا ہے تو مقر سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ نسب ان امور میں سے ہے جو خاص طور سے اسی کو لازم ہونے والے ہیں۔ لیکن ثبوت نسب کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱۔ اس جیسا بچہ اس کے یہاں پیدا ہو سکتا ہو تاکہ وہ ظاہری لحاظ سے جھوٹا قرار نہ پائے۔

۲۔ بچہ مجہول النسب ہو۔ اگر معروف النسب ہو تو کسی دوسرے سے اس کے نسب کا ثابت نہ ہونا ایک ظاہری بات ہے۔

۳۔ بچہ اس کی تصدیق کر دے کہ میں اس کا بیٹا ہوں۔ ان شرائط کے ہوتے ہوئے نسب ثابت ہو جائے گا اور یہ لڑکا ورثاء کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا۔[5]

دفعہ ۳۷: ظاہری حالت مقر کی تکذیب نہ کرے۔[6]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ عورت میری بیوی ہے تو یہ اقرار تب درست ہوگی جب عورت اس کی تصدیق کرے، اس کا شوہر نہ ہو اور نہ اس کی عدت میں ہو اور نہ اس اقرار کرنے والے کی نکاح میں اس عورت کی بہن اور یا اس کے سوا چار عورتیں ہو تو پھر یہ اقرار جائز ہے، کیونکہ

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۵۸

(2) نفس مصدر، ۴:۲۱۰

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۵۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۰

(5) قرةعین الأخيار، ۸:۳۰۷

(6) نفس مصدر، ۸:۲۱۰

ظاہری حالت اس کی تکذیب نہیں کرتا۔[1]

دفعہ ۳۸: ثبوت ولاء ثبوت نسب کی طرح ہے۔[2]

وضاحت:

کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ فلاں میرا مولیٰ عتاقہ ہے تو یہ اقرار درست ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ اس کی ولاء غیر مقر سے ثابت نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسے امر کا اقرار ہے کہ جو خود اسی کو لازم ہونے والا ہے اور اس میں نسب کو کسی غیر کی طرف منسوب کرنا بھی نہیں ہے۔[3]

دفعہ ۳۹: دوسرے کی طرف نسب کی نسبت کرنے کا اقرار اس کی تصدیق کے بغیر ثابت نہ ہو گی۔[4]

وضاحت:

ایک غلام جو اپنی ذات سے تعبیر نہیں کر سکتا دو آدمیوں کے مابین مشترک ہے دونوں نے اس کو خریدا ہے ایک نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور تیرا بیٹا ہے اور یا یوں کہا کہ ہم دونوں کا بیٹا ہے تو اگر ملا کر بیان کیا ہو تو اس کا نسب مقر سے ثابت ہو جائے گا خواہ شریک نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب کی ہو۔ اگر درمیان میں چپ رہا تو بھی مقر پر اقرار نافذ ہو گا۔ اگر یوں کہا کہ تیرا بیٹا ہے پھر چپ رہا پھر کہا کہ میرا بیٹا ہے، پس اگر شریک نے اس کی تصدیق کی تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے تکذیب کی تو اس سے نسب ثابت نہیں ہو گا لیکن مقر سے نسب کی ثبوت میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے بھی نسب ثابت نہ ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس سے نسب ثابت ہو گا۔[5]

دفعہ ۴۰: استیلاد نسب کا تابع ہوتا ہے۔[6]

وضاحت:

دو آدمیوں کی مشترک باندی کا بچہ پیدا ہوا پس ایک نے کہا کہ یہ میرا بیٹا یا تیرا بیٹا اور یا ہم دونوں کا بیٹا ہے تو اگر شریک نے اس کی تصدیق کی تو مقر سے اس کا نسب ثابت ہو گا اور نسب ثابت ہونے کی وجہ سے باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔

اور اس کی آدھی قیمت خواہ تنگ دست ہو یا خوش حال شریک کو دے گا اور بچہ کی قیمت کا ضامن نہیں ہو گا۔ اور اگر شریک نے تکذیب کی تو بھی یہی حکم ہے۔[7]

دفعہ ۴۱: دعویٰ استیلاد دعویٰ تحریر سے اولیٰ ہے۔[8]

---

(1) تبیین الحقائق، ۵:۲۷

(2) نفس مصدر، ۴:۲۱۰

(3) الأختیارلتعلیل المختار، ۲:۱۳۸

(4) نفس مصدر، ۴:۲۱۱

(5) بدائع الصنائع، ۴:۱۲۷

(6) نفس مصدر، ۴:۲۱۱

(7) بدائع الصنائع، ۴:۱۲۸

(8) نفس مصدر، ۴:۲۱۱

وضاحت:

ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ میری ام ولد ہے اور اس کے شریک نے کہا کہ میں نے تیرے اس دعویٰ سے پہلے اس کو آزاد کیا ہے اور دوسرے نے اس کی تکذیب کی تو باندی ام ولد قرار دی جائے گی، کیونکہ دعویٰ استیلاد دعویٰ تحریر سے اولیٰ ہے۔ لیکن یہ شریک کو نصف قیمت کا ضمان دے گا۔[1]

اسی طرح باندی دو شخصوں کے درمیان مشترک ہے ان کی ملکیت میں اس نے بچہ جنا ایک نے نسب کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کی آزادی کا دعویٰ کیا تو دعویٰ نسب ثابت ہو گا، کیونکہ یہ دعویٰ استیلاد ہے اور اس میں علوق نطفہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور باندی کا دعویٰ تحریر کا ہے، اس لئے دعویٰ استیلاد مقدم ہو گا۔[2]

دفعہ ۴۲: حقیقت جب متعذر ہو یا مہجور ہو تو مجاز پر عمل کیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

کسی کا ایک غلام ہے اور غلام کا ایک بیٹا ہے اور بیٹے کے دو بیٹے ہیں اور ہر ایک علیٰحدہ بطن سے پیدا ہوا ہے اور ان سب میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ اس کے مثل اس سے پیدا ہو سکتا ہے پھر مولیٰ نے اپنی صحت میں اقرار کیا کہ ان میں سے ایک میرا بیٹا ہے تو جب تک مولیٰ زندہ ہے اس کو حکم کیا جائے گا کہ بیان کرے کہ وہ کونسا ہے پس جس کو اس نے بیان کیا اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس کے مابعد سب آزاد ہوں گے۔

اگر بیان کرنے سے پہلے مر گیا تو غلام اپنی تین چوتھائی قیمت کے لئے سعی کرے گا اور اس کا بیٹا دو تہائی کے لئے اور دونوں پوتے اپنی چوتھائی قیمت کے لئے سعی کرے گا۔

اگر ایک بطن سے پیدا ہو تو سب آزاد ہو جائے گے، کیونکہ جڑواں ثبوت نسب میں دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں نسب ثابت نہیں ہو تا اس لئے اگر مجہول کے لئے نسب ثابت کیا جائے تو یہ بیان کے ساتھ معلق ہو جائے گا اور نسب کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں۔ تو جب نسب کا ثبوت متعذر ہوا تو مجاز کے طور پر اس سے آزادی مراد ہو گی۔[4]

دفعہ ۴۳: عتق سے آزادی کا ثبوت اور ملکیت کا زوال لازم آتا ہے۔[5]

وضاحت:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عتق سے دو حکم ثابت ہو جاتے ہیں۔ آزادی کا ثابت ہونا اور ملکیت کا زائل ہونا اور ملک محل میں تجزی قبول کرتا ہے تو اعتاق بھی قبول کرے گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک اعتاق کی ایک ہی حکم ہے اور وہ آزادی کا ثبوت اور رقیت کا زائل ہونا ہے اور ان میں سے ہر ایک تجزی کو قبول نہیں کرتا تو اعتاق بھی تجزی قبول نہیں کرے گا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ معتق کے تنگدست ہونے کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے اور معتق کے خوشحال ہونے کی صورت میں صاحبینؒ کے ساتھ ہیں۔[6]

---

(1) الدرالمختاروشرح تنویرالأبصار، ۲۷۸:۱

(2) شرح مختصرالطحاوی، جصاص، احمد بن علی، ۲۱۶:۸، دار البشائر الاسلامیۃ، ودار السراج، ۱۴۳۱ھ

(3) نفس مصدر، ۲۱۲:۴

(4) کشف الأسرار، ۹۰:۲

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۲۱۲:۴

(6) ایثارالانصاف فی آثارالخلاف، ابن جوزی، یوسف بن قزغلی، ۱۹۱:۱، دار السلام قاہرہ، ۱۴۰۸ھ

دفعہ ۴۴: شرع میں ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔(1)

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے اپنا یہ غلام کل آزاد کیا تھا حالانکہ وہ جھوٹا ہے تو حکم قاضی سے آزاد ہو جائے گا اور عند اللہ آزاد نہیں ہو گا۔ کیونکہ اقرار خبر ہے اور اس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے لیکن مقر کی دِین اور عقل اس کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں اور قاضی تو ظاہر کے اتباع کا مأمور ہے۔ جب ظاہر میں صدق کی جانب راجح ہوئی تو قاضی اس کے آزادی کا حکم کرے گا۔ لیکن حقیقت میں جھوٹ ہے لہذا عند اللہ آزاد نہیں ہو گا۔(2)

دفعہ ۴۵: اقرار کو ایسے وقت کی طرف منسوب کرنا جس میں مقر اس چیز کا مالک نہ ہو تو اقرار باطل ہو گا۔(3)

وضاحت:

کسی نے کہا کہ میں نے تجھے کل کے روز آزاد کر دیا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کو آج خریدا ہے یا اس طرح کہا کہ میں نے تجھے تیرے خریدنے سے پہلے آزاد کیا ہے تو یہ اقرار باطل ہو گا کیونکہ اس نے اقرار کو ایسے وقت کی طرف منسوب کیا ہے جس وقت وہ اس چیز کا مالک ہی نہ تھا تو یہ اقرار باطل ہو گا۔(4)

دفعہ ۴۶: عتق نفس اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔(5)

وضاحت:

مالک نے اقرار کیا کہ میں نے تجھے مال کے عوض آزاد کیا ہے اور غلام نے کہا کہ عوض کے بغیر آزاد کیا ہے تو غلام کا قول قبول ہو گا۔ اس لئے کہ مولیٰ اس کے آزادی کا اقرار کرتا ہے لیکن اس کے ذمہ اپنے لئے مال لازم کرتا ہے۔ عتق نفس قبول سے درست ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں مال کی ادائیگی نہ ہو تو مولیٰ کے اقرار سے آزادی ثابت ہو جائے گی۔ مال ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرنا لازمی ہے اور یا غلام سے قسم لیا جائے گا۔(6)

دفعہ ۴۷: بدل کتابت میں اختلاف کی صورت میں غلام کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔(7)

وضاحت:

مولیٰ اور غلام کا بدل کتابت میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ مکاتب کہتا ہے کہ آپ نے مجھے ہزار درہم پر مکاتب بنایا ہے اور مولیٰ دو ہزار کا دعویٰ کرتا ہے اور یا جنس مال میں اختلاف پیدا ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کے پہلے قول کے مطابق دونوں قسم اٹھائے گے اور یہ بیع اور اجارہ کی طرح فسخ کیا جائے گا۔ پھر اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ غلام کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اور یا مولیٰ پر گواہ پیش کرنے ہوں گے۔(8)

---

(1) نفس مصدر، ۴:۲۱۲

(2) الأصل للشيباني، ۸:۳۸۰

(3) نفس مصدر، ۴:۲۱۲

(4) المبسوط للسرخسي، ۱۸:۱۶۷

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۲

(6) المبسوط للسرخسي، ۱۸:۱۶۷

(7) نفس مصدر، ۴:۲۱۲

(8) المحيط البرهاني، ۴:۱۵۴

دفعہ ۴۸: عقد کتابت میں کوئی ایسی چیز لانا جو عقد کتابت کے منافی ہو تو اس صورت مولیٰ کا قول قبول کیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

مولیٰ نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو خریدنے سے پہلے مکاتب کیا ہے، یا یوں کہا کہ میں نے کل اس کو مکاتب کیا تھا اور پیوست ان شاء اللہ کہا اور یا غلام اور مالک میں اختلاف ہوا مولیٰ نے اقرار کیا کہ میں اس کو بچپن کی حالت میں مکاتب کیا تھا اور غلام کہتا ہے کہ نہیں تو ان سب صورتوں میں مولیٰ کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔ کیونکہ ان صورتوں میں اقرار کی اضافت ایسی حالت کی طرف کی گئی ہے جو عقد کتابت سے منافی ہے۔

اگر مولیٰ نے یوں کہا کہ میں نے اپنی ذات کے لئے خیار کا استثناء کیا ہے اور مکاتب نے کہا کہ اس میں خیار نہیں تھا تو کاتب کا قول مقبول ہوگا، کیونکہ خیار ایسی چیز ہے جو اصل عقد کے ساتھ منافی ہے اور اس کا حکم معلق بالشرط کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس لئے مولیٰ کی تصدیق نہ ہوگی۔[2]

دفعہ ۴۹: تدبیر کا اقرار کرنا جائز ہے۔[3]

وضاحت:

کسی نے باندی کو مدبرہ[4] کیا اور کہا کہ میرے اس شریک نے بھی اس کو مدبرہ بنایا ہے۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شریک کو پانچ طرح کا اختیار ہے چاہے اپنا حصہ مدبر کر دے یا اپنا حصہ اپنے حال پر چھوڑ دے یا مدبر کرنے والے سے ضمان لے اگر وہ خوشحال ہے اور تنگدست ہونے کی صورت میں باندی سے سعی کرا دے۔

اگر شریک نے مقر سے باندی کی قیمت کی ضمان لی تو آدھی باندی مدبر ہوگی اور باقی آدھی موقوف رہے گی۔ شریک کی تصدیق کی صورت میں دونوں کی مدبرہ ہو جائے گی۔[5]

---

(1) نفس مصدر، ۲۱۲:۴

(2) الأصل للشیبانی، ۳۸۲:۸

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۲۱۳:۴

(4) تدبیر، لغت میں کسی مقصد کے لئے منصوبہ بندی اور موت کے بعد غلام آزاد کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں غلام کی آزادی کو علی الاطلاق اپنی موت کے ساتھ معلق کرنے کو کہتے ہیں۔[تاج العروس، ۲۶۵:۱۱]

مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور تہائی مال سے آزاد ہو جائے گا۔[النهر الفائق، ۴۰:۳]

(5) المحیط البرهانی، ۴۵:۴

فصل دوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ ۴ اقرار کے باب ۱۸ تا باب ۲۰ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب۱۸: خرید و فروخت میں اقرار اور مبیع میں عیب کے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۱: ثمن پر قبضہ کرنے سے بیع جائز ہو جاتا ہے تو ثمن کی مقدار بیان نہ کرنے اقرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(1)

وضاحت:

مبیعہ کی مقدار اور ثمن وصف معلوم و متعین ہونا چاہئے، لہٰذا اگر مبیعہ کا قدر معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے بیع صحیح نہ ہو گی، مثلاً بائع کہے کہ میں پانچ تولہ سونا پانچ لاکھ پاکستانی روپوں کے بدلے بیچنا چاہتا ہوں، تو یہ بیع صحیح ہو گی۔ اراضی کے لیے اس کے حدود اربعہ بیان کرنا کافی ہے، اسی طرح اگر مبیعہ اور ثمن مشار الیہ ہو تو اس کے لیے مقدار معلوم کرنا ضروری نہیں بشرط یہ کہ جانبین سے جو چیزیں مقرر ہوں وہ سودی چیزوں میں سے نہ ہوں۔(2)

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے یہ غلام فلاں کے ہاتھ فروخت کیا اور ثمن وصول کیا لیکن مقدار بیان نہیں کی تو جائز ہے، کیونکہ ثمن قبضہ کرنے کی وجہ سے بیع مکمل ہوا اور یہ اقرار پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ کیونکہ ثمن کی مقدار بیان کرنے کو ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور قبضہ شدہ ثمن میں یہ معدوم ہے۔

اگر ثمن کی مقدار بیان کیا اور قبضہ کرنے کا اقرار کیا تو راجح ہو گا کیونکہ اس صورت میں خصومت بالکل دفع ہو گا جب مبیع میں کوئی استحقاق کا دعویٰ کرے اور یا عیب کی وجہ سے رد کیا جائے، تو ثمن کی مقدار واضح ہونے کی وجہ سے منازعت نہیں رہے گی۔(3)

دفعہ ۲: بیع کا اقرار ثمن کے قبضہ کے اقرار کو شامل نہیں ہوتا۔(4)

وضاحت:

ثمن کی مقدار معلوم ہو اور مشتری کہے کہ بائع نے ثمن پر قبضہ کیا ہے اور بائع اس کا انکار کرتا ہے، تو بائع کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اور یا مشتری گواہ پیش کرے گا۔ کیونکہ ثمن ایسا دین ہے جو بائع کا مشتری کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے اگر مشتری اس کے دینے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر گواہ پیش کرے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہو تو بائع چونکہ منکر ہے اس لئے وہ قسم کھائے گا۔

اس لئے کہ بیع کا اقرار کرنا اس بات کو متضمن نہیں کہ اس نے ثمن وصول کیا ہے، جیسا کہ مشتری کا شراء کا اقرار کرنا اس بات کو شامل نہیں کہ اس نے مبیعہ پر قبضہ کیا ہے۔(5)

دفعہ ۳: بیع کا اقرار کرنا مال لازم ہونے کا اقرار کرنا ہے۔(6)

وضاحت:

بیع میں دو چیزیں ہوتی ہیں: مبیعہ اور ثمن۔ جس طرح مبیعہ کی جہالت اور موجود نہ ہونے کی صورت میں بیع جائز نہیں ہوتا اسی طرح ثمن

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۴

(2) ردالمختار، ۴:۴۲۹۔۴۳۰

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۳۷

(4) نفس مصدر، ۴:۲۱۴

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۳۷

(6) نفس مصدر، ۴:۲۱۴

بیع سے جدا نہیں ہوتا تو بیع کا اقرار کرنا مال کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔[1]

دفعہ ۴: بیع مشتری کے شراء سے انکار کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا۔[2]

وضاحت:

مقر کے اقرار کے بعد مقرلہ نے پہلے خریدنے سے انکار کیا اور پھر اقرار کیا لیکن اب مقر فروخت کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس میں مشتری کا قول قبول کیا جائے گا۔ بائع اس سے ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے، کیونکہ صرف خریدنے سے انکار کی وجہ سے بیع باطل نہیں ہوجاتا۔

لیکن اگر ایسا ہوا کہ جس وقت مشتری نے خریدنے سے انکار کیا اس وقت بائع نے کہا کہ تو نے سچ بولا تو نے اس کو نہیں خریدا ہے پھر اس کے بعد مشتری نے خریدنے کا اقرار کیا تو بائع کے ذمہ بیع لازم نہ آئے گی اور مشتری کے گواہ مقبول نہ ہوں گے۔ ہاں اگر مشتری کی تصدیق کے بعد بائع نے بھی اس کی تصدیق کی تو یہ بمنزلہ بیع جدید کے ہوجائے گا۔[3]

دفعہ ۵: کسی سے خریدنے کا اقرار کرنا اس کی ملکیت کا اقرار ہے۔[4]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ غلام جو میرے پاس ہے یہ فلاں کا ہے اور میں نے اس سے اتنے دراہم پر خریدا ہے اور اس کو ثمن دیا ہے۔ اس کے بعد کہا کہ یہ غلام میں فلاں سے لیا ہے یعنی دوسرے سے خریدنے اور ثمن ادا کرنے کا اقرار کیا۔ گواہ قائم کرنے کے بعد اس کے جواز کا حکم کیا جائے گا۔ اس پر پہلے کے لئے قسم اور دوسرے کے لئے ثمن لازم ہوجائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب گواہ متعین کرنے پر قائم کئے ہو نہ کہ نقد ثمن پر۔ اگر نقد ثمن پر گواہ قائم کئے تو کسی کے لئے کچھ لازم نہ ہوگا۔ جب صرف تعین پر گواہ قائم کئے تو مبیعہ پر قبضہ کرنے کی وجہ سے مشتری پر دونوں کے لئے ثمن لازم کیا جائے گا۔

اگر گواہ قائم نہ کئے تو غلام پہلے مقرلہ کے لئے ہوگا کیونکہ اس سے خریدنے کا دعویٰ کرنا اس کی ملکیت کا اقرار ہے تو انکار بیع کی صورت میں مبیعہ اس کو واپس کیا جائے گا، دوسرے کے لئے اقرار کرتے ہوئے اگر اس نے تصدیق کی تو اس کے لئے مال لازم ہوگا۔[5]

دفعہ ۶: مبیعہ پر مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد ایک دوسرے سے قسم نہیں لیا جاتا۔[6]

وضاحت:

مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد مبیعہ ہلاک ہوگئی اور پھر مقدار ثمن میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہوگیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی اور مقدار ثمن میں مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں سے قسم لی جائے گی۔

اسی طرح اگر مبیعہ مشتری کے قبضہ سے نکل گئی ہو اور یا اس میں ایسا عیب پیدا ہوگئی ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کو واپس نہیں کیا جاتا تو اس صورت میں بھی اگر عاقدین کے درمیان اختلاف واقع ہوجائے تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

---

(1) فتح القدیر، ۵:۲۰۴

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۴

(3) المبسوط، ۱۸:۱۳۸

(4) نفس مصدر، ۴:۲۱۴

(5) الأصل للشيباني، ۸:۴۰۲

(6) نفس مصدر، ۴:۲۱۴

جب کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اس صورت میں بھی تحالف کو لازم کرتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک اس عقد کے علاوہ کا اقرار کرتا ہے، جس کا اس کا ساتھی دعویٰ کرتا ہے، جیسے مشتری ایک ہزار کے عوض بیع کا دعویٰ کرتا ہو اور بائع دو ہزار کے بدلے بیع کا دعویٰ کرتا ہو اور ظاہر ہے کہ اس میں تضاد ہے، لیکن پھر بھی دونوں پر تحالف واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اس میں جو انکار کرتا ہے اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہو گا، چنانچہ اگر مشتری انکار کرے گا تو اس پر دو ہزار ثمن واجب ہو گا اور اگر بائع نے انکار کیا تو مشتری سے ثمن کی زیادتی دور کی جائے گی اور اس پر ایک ہزار ثمن واجب ہو گا۔

اس کی مثال ایسی ہے، جیسے سامان بیع کے ہلاک ہونے کے بعد ثمن کی جنس میں اختلاف کیا ایک نے دراہم کے ثمن ہونے کا دعویٰ کیا اور دوسرے دنانیر کے ثمن ہونے کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں بھی دونوں سے قسم لی جائے گی۔[1]

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبیعہ پر مشتری کے قبضہ کے بعد تحالف واجب کرنا قیاس کے خلاف ہے، کیونکہ بائع نے مشتری کو وہ مال دیا ہے جس کا مشتری دعویٰ کرتا ہے، اور شرع میں تحالف اس صورت میں واجب ہے جب مبیعہ موجود ہو، اس لئے کہ مبیعہ کے موجودگی کے وقت تحالف فسخ کو لازم کرتا ہے۔ لیکن جب مبیعہ ہلاک ہوئی تو اس صورت میں یہ فسخ کو لازم نہیں کرتا، کیونکہ مبیعہ ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد مرتفع ہو گیا، اس لئے کہ اگر مبیعہ ہلاک ہو گئی تب تو تحالف واجب ہو گا، لیکن اگر مبیعہ موجود ہو تو شیخینؒ کے نزدیک تحالف واجب نہ ہو گا۔[2]

دفعہ ۷: بیع فاسد کے بعد مبیعہ دوسرے کو ہبہ کرنا یا اور تصرف کرنا بیع کو نافذ کرتا ہے۔[3]

وضاحت:

بیع فاسد[4] کا حکم یہ ہے کہ اگر مبیع پر مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو یا مشتری کے قبضہ کے بعد مشتری کے ہاتھ میں ہی مبیع ہو تو بائع و مشتری دونوں پر لازم ہے کہ بیع کو ختم کر دیں اور اگر مشتری بائع کی صریح یا دلالۃً اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لے اور بائع اس کو منع بھی نہ کرے تو مشتری اس مبیع کا ملکیتِ خبیثہ کے ساتھ مالک بن جائے گا یعنی شرعاً اس پر ملکیت کے احکام تو لاگو ہوں گے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا اس کے لئے جائز نہ ہو گا لہٰذا اس بیع کو ختم کر کے واپس کرنا ضروری ہو گا۔

البتہ اگر مشتری نے بیعِ فاسد سے خریدی ہوئی مبیع کو بیع صحیح کر کے بائع کو بیچ دی یا کسی اور طریقے سے واپس کر دی تو یہ بیعِ اوّل کو ختم کرنا ہوا، اسی طرح اگر بائع کے علاوہ کسی اور کو بیع صحیح کے ساتھ بیچی یا ہبہ کر دی یا کوئی اور تصرف کر لیا تو یہ تصرف یا بیع کرنا صحیح ہو جائے گا، بیع فاسد نافذ ہو جائے گی اور پھر بیعِ فاسد کو فسخ نہیں کیا جا سکتا۔[5]

دفعہ ۸: وہ اقرار جس سے وارث کی ملکیت زائل ہو جائے تو وہ باطل ہے۔[6]

---

(1) مجمع الأنهر، ۲:۲۶۵

(2) المحیط البرهانی، ۶:۴۴۸

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۵

(4) بیع فاسد: وہ چیز جو کسی دینِ سماوی میں مال ہو اور ہم اسے ثمن بنا سکیں مثلاً خمر اور خنزیر جو کہ دیگر ادیانِ سماویہ میں مال ہیں ان کی بیع کپڑے یا دوسرے چیز کے بدلے ہو یا بیع میں کوئی ایسی شرط شامل کر لی جائے جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو تو اس صورت میں بیع فاسد ہو گی۔

[الدرالمختار، ۵:۵۰]

(5) الدرالمختار، ۵:۸۸

(6) نفس مصدر، ۴:۲۱۵

وضاحت:

ایک آدمی نے دوسرے کو غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا، پھر مؤکل مر گیا اور وکیل نے اقرار کیا کہ اس نے ہزار درہم پر فروخت کر کے قبضہ دے دیا ہے۔ اگر غلام موجود ہو تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ مؤکل کے مرنے سے وکالت ختم ہوئی اور غلام وارث کی ملکیت میں آگئی۔ تو کسی کے لئے اس غلام کا اقرار کرنا وارث کی ملکیت کو ضائع کرنا ہے، اس وجہ سے یہ اقرار باطل ہوگی۔

اگر غلام تلف ہو گیا ہو تو وکیل کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ اس صورت میں اقرار کی وجہ سے وہ وارث کی ملکیت ضائع نہیں کرتا۔[1]

دفعہ ۹: بیع کا اقدام کرنا اس کی طرف سے صحت کا اقرار ہے۔[2]

وضاحت:

اگر غلام کسی اجنبی شخص کا ہو اور مشتری نے اس غلام کو ہلاک کر دیا، مالک غلام نے بائع سے کہا کہ میں نے تجھے اس کی بیع کا حکم دیا تھا تو ثمن میرے لئے ہے اور وکیل اس سے انکار کرتا ہے تو غلام کے مالک کا قول قبول کیا جائے گا اور اس کے لئے ثمن لازم ہوگا، کیونکہ ثمن اس کا حق ہوتا ہے جو اس چیز کا مالک ہو تو غلام کا مالک اس کے ثمن کا حق دار ہے۔

وکیل کے انکار میں ایک طرح کا تناقض ہے، کیونکہ بیع کا اقدام کرنا اس کی طرف سے بیع کے صحیح ہونے کا اقرار ہے اور اس کا صحیح ہونا مالک کی اجازت کی وجہ سے ہے۔

دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو وہ اس انکار سے اپنے لئے کسی چیز کی اثبات کا دعویٰ نہیں کرتا، اس لئے کہ اگر وہ مأذون نہ ہو تو غلام کا مالک مشتری کو اس کی قیمت کا ضامن کر سکتا ہے اور مشتری حصول ثمن کے لئے بائع پر رجوع کرے گا۔ تو جب وکیل اپنے لئے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

اگر مالک غلام نے بائع کو بیع کا حکم نہیں دیا تھا لیکن اب بیع کی اجزت دے دی تو غلام موجود ہونے کی صورت میں بیع درست ہوگا۔ اور اگر تلف کر دیا ہو تو جائز نہیں ہے۔[3]

دفعہ ۱۰: جہاں پر تقسیم میں جبر سے کام لیا گیا ہو تو استحقاق کی صورت میں وہ لینے والے سے ضمان کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔[4]

وضاحت:

جب تقسیم قاضی کے جبر سے ہو تو استحقاق کی صورت میں اس چیز کو جس سے لیا گیا ہو اس پر رجوع نہیں کر سکتا۔

جیسے شفیع نے حق شفعہ کے ذریعہ کسی سے زمین لے لیا اور پھر اس میں درخت لگائے اور یا اس میں کوئی چیز تعمیر کی، اس کے بعد کسی نے استحقاق ثابت کر کے اس زمین کو لے لیا تو شفیع اس تعمیر اور درخت لگانے کے خرچ کا مشتری پر رجوع نہیں کر سکتا۔[5]

اسی طرح اگر کوئی باندی حربی لوگ قید کر کے لے گئے اور ان کے ملک میں جا کر کسی مسلمان نے وہ باندی خریدی اور ثمن ادا کرنے کے بعد اس کو دارالاسلام میں لے آیا، اب مالک قدیم نے آکر اس باندی کو لے لیا اور اس سے بچہ پیدا کیا اب کسی نے آکر اس میں اس استحقاق کا دعویٰ کیا تو یہ مالک قدیم باندی کی قیمت کا رجوع کر سکتا ہے لیکن اس مشتری پر بچہ کی قیمت کا رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ اس نے

---

(1) البحرالرائق، ۷:۱۷۱

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۵

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۴۱

(4) نفس مصدر، ۴:۲۱۵

(5) بدائع الصنائع، ۷:۲۵

اس کو کوئی دھوکا نہیں دیا ہے۔[1]

دفعہ ۱۱: شے موہوب کی موجودگی میں واہب رجوع کر سکتا ہے۔[2]

وضاحت:

کسی نے کوئی چیز ایک شخص کو ہبہ کر دیا اوراس کے سپرد کر دیا پھر رجوع کرنا چاہا، لیکن موہوب لہ نے کہا کہ میں نے وہ چیز دوسرے کو سپرد کر دی ہے اور پھر اس نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو حکم دیا جائے گا کہ اس کو واہب کے حوالہ کر دے۔ اگر وہ دوسرا شخص آکر موہوب لہ کی تکذیب کرے تو موہوبہ چیز واہب کے پاس رہنے دیا جائے گا اور اگر اس نے تصدیق کی تو واہب کو اس کے حوالہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۱۲: مالی حقوق کے حصول کے لئے اقرار کرنے سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔[4]

وضاحت:

کسی نے ایک شخص کو کوئی چیز ہبہ کر دی، پھر واہب نے موہوب لہ سے وہ چیز واپس لینا چاہا تو موہوب لہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ تم میرے بھائی ہو اور یا یوں کہا کہ میں نے اس کے بدلے آپ کو کچھ دیا ہے، اس لئے موہوبہ چیز کو آپ واپس نہیں لے سکتے تو یہاں پر قسم اوراس کے لوازمات سے فراغت اور مدّعیٰ علیہ کے قسم سے انکار کے بعد واہب سے موہوبہ چیز ممتنع کر دی جائے گی اور ہبہ واپس نہیں ہوگا، لیکن موہوب لہ سے واہب کا رشتہ ثابت نہیں ہوگا، اس لئے کہ ان میں مالی حقوق مقصود ہوتے ہیں نسب کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا۔[5]

دفعہ ۱۳: وکیل کے اقرار کو جب بائع کے قول سے تقویت ملے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔[6]

وضاحت:

وکیل اور مؤکل کے مبیعہ کے ثمن میں اختلاف پیدا ہوا، لیکن وکیل کی تصدیق بائع نے کی تو وکیل کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ وکیل اور مؤکل دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی۔

اس لئے کہ بائع کے قول سے وکیل کے اقرار کو تقویت مل گئی تو اس کا قول راجح ہو گا اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ وکیل اور مؤکل کو بائع اور مشتری کی طرح قرار دے کر دونوں سے قسم لی جائے گی اور اس عقد کو فسخ کیا جائے گا۔[7]

دفعہ ۱۴: وکیل اور مؤکل کی اختلاف کی صورت میں جس کا قول ظاہر کے موافق ہوں وہ قبول کیا جائے گا۔[8]

---

(1) البحرالرائق،۱۵۵:۸

(2) فتاویٰ عالمگیری،۲۱۵:۴

(3) تحفة الفقهاء،۱۶۶:۳

(4) نفس مصدر،۲۱۶:۴

(5) فتح القدير،۱۸۹:۸

(6) نفس مصدر،۲۱۶:۴

(7) البناية شرح الهداية،۲۵۹:۹

(8) فتاویٰ عالمگیری،۲۱۶:۵

وضاحت:

ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیئے اوراس سے کہا کہ اس ہزار درہم کے عوض میرے لئے ایک باندی خریدلو، چنانچہ وکیل نے مؤکل کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے لئے ایک باندی خریدلی،اس کے بعد مؤکل نے کہا کہ تم نے یہ باندی پانچ سودرہم پرخریدی ہےاوروکیل نے کہاکہ میں ایک ہزاردرہم میں خریداہے۔اب اس اختلاف کےوقت باندی کی مالی حالت میں غور کیاجائے گا۔اگروہ باندی ایک ہزاردرہم کے برابر ہوگی اوراس کی مالیت بھی ہزاردرہم کی مساوی ہوگی،تب تووکیل کا قول مقبول ہوگا۔اس لئے کہ اس صورت میں وکیل امین ہےاوراس قول کی وجہ سے وہ عہدہ امانت سے نکلناچاہتاہےاور عہدہ امانت سے نکلنے میں امین کا قول معتبر ہوتاہے اس لئے اس صورت میں وکیل کا قول قبول کیاجائے گا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں مؤکل وکیل پرپانچ سو کے ضمان کا مدّعی ہےاوروکیل اس کامنکر ہےاورمؤکل کے پاس گواہ موجود نہیں اس لئے منکر یعنی وکیل کا قول معتبر ہوگا۔

اگرخریدی ہوئی باندی کی قیمت پانچ سودرہم کے برابر ہواور پھروکیل اورمؤکل کے درمیان اختلاف ہوجائے تواس صورت میں مؤکل کا قول قبول کیاجائے گا،اس لئے کہ مؤکل نے اس کوہزاردرہم کی مالیت والی باندی خریدنے کا حکم دیا تھا۔اوروکیل پانچ سو کی مالیت والی باندی خریدی ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں مؤکل کے حکم کی مخالفت ہےاوراس میں مؤکل کانقصان بھی ہےاس لئے یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی اورمؤکل کا دعویٰ معتبر ہوگا۔جب مؤکل کا دعویٰ معتبر ہوا تو وکیل اس کے لئے اس کی رقم کا ضامن ہوگا۔[1]

دفعہ ۱۵: کسی کے حق کوساقط کرنے کااقرار کرے تو یہ گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔[2]

وضاحت:

بائع نے اقرار کیا کہ میں نے یہ غلام فلاں کے ہاتھ اس عیب کی حالت میں فروخت کیا تھااور یہ دعویٰ کیا کہ مشتری نے مجھے اس عیب سے بری کردیا تھا۔اگر مشتری اس سے انکار کرے تواس پر گواہ لاناواجب ہوں گے،اس لئے کہ مطلق بیع مبیعہ کی سلامتی کا تقاضا کرتاہے اور عیب کاثابت ہونامشتری کورد کرنے کاحق دیتاہےاور بائع اس کے اس حق کورد کرتاہے تو

گواہ پیش کرنالازمی ہوگا۔اگراس کے پاس گواہ نہ ہوتومشتری سے قسم لی جائے گی کہ میں نے بائع کواس عیب سے بری نہیں کیااور جب سے دیکھاہے تب سے مبیعہ کوبیع کے لئے پیش نہیں کیااورنہ دیکھ کرراضی ہواہوں اورنہ مبیعہ میری ملک سے خارج ہوئی ہے۔قسم کھانے کے بعد یہ بائع کوواپس کیاجائے گا۔[3]

دفعہ ۱۶: مشتری ایسے ظاہری عیب کااقرار کرے جو حادث ہواور عقد کے وقت سے دعویٰ کے وقت تک اس کاپیداہوناممکن ہوتوبائع کا قول قسم کے ساتھ قبول کیاجائے گااور عیب کی وجہ سے ضامن ہوگا۔[4]

وضاحت:

ظاہری عیب کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:

۱۔وہ عیب جو قدیم ہو یعنی پیدائشی ہو مثلاً غلام خریدے اور اس کی زائد انگلی ہو۔

۲۔وہ عیب جو حادث ہو لیکن عقد کے وقت سے دعوی کے وقت تک اس کاپیداہوناممکن نہ ہو مثلاً چیچک کے نشانات۔

---

(1) بداية المبتدي،١:١٦١

(2) نفس مصدر،٤:٢١٧

(3) المبسوط للسرخسي،١٨:١٣٣

(4) فتاویٰ عالمگیری،٤:٢١٧

۳۔ وہ عیب جو حادث ہو اور عقد کے وقت سے دعوی کے وقت تک اس کا پیدا ہونا ممکن ہو مثلاً زخم۔

۴۔ وہ عیب جو حادث ہو لیکن عقد کے بعد ہونا یقینی ہو۔

مشتری نے عیب قدیم کا دعوی کیا یا عیب حادث کا دعوی کیا جس کے مثل عقد کے وقت سے دعوی کے وقت تک پیدا ہونا ممکن ہی نہ ہو تو قاضی مشتری کو لوٹانے کا اختیار دے گا کیونکہ اس عیب کی حالت مشاہدہ کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ عیب بائع کے پاس ہی پیدا ہوا تھا۔ البتہ اگر بائع دعوی کرے کہ مشتری اس عیب پر عقد بیع کے وقت راضی ہو گیا تھا اور اس پر گواہ قائم کرے تو مشتری کو لوٹانے کا اختیار نہیں ہو گا۔

اگر عیب ایسا ہو جو حادث ہو اور ایسا جیسا عیب پیدا ہونا ممکن ہو اور مشتری اس کا دعویٰ کرتا ہے لیکن بائع اس کا منکر ہے تو منکر کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔[1]

اگر بائع کے پاس گواہ نہ ہو تو بائع کے مطالبہ کے ساتھ مشتری سے بالاتفاق قسم لی جائے گی اور اگر بائع مطالبہ نہ کرے تو مشتری سے قسم نہیں لی جائے گی، علامہ ابن نجیم[2] رحمہ اللہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قسم لینا جھگڑا ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور یہاں قسم کے ساتھ جھگڑا پیدا کرنا ہے۔[3]

تقابل:

"A person who rightly rescinds as a contract is entitled to compensation for any damage which he has sustained through the non-fulfillment of the contract"[4]

وہ شخص جو معاہدہ کو جائز طور پر فسخ کرنا چاہے تو معاہدہ کی مکمل نہ ہونے کی وجہ جو ضرر اور نقصان پہنچا ہو اس کے عوض لینے کا حق دار ہوتا ہے۔ وضعی اور شرعی قوانین میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

دفعہ ۱۷: بائع کا اقرار عیب صرف اس کے حق میں لازم ہو گا۔[5]

وضاحت:

اگر بائع دو آدمی ہوں ان میں سے ایک نے عیب کا اقرار کیا اور دوسرے نے انکار کیا۔ تو مشتری صرف مقر کو واپس کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک آدھے کا بائع ہے اور مقر کا اقرار اس کے حق میں حجت ہے دوسرے کے حق میں نہیں۔[6]

دفعہ ۱۸: حقوق عقد جس کی طرف راجع ہوتے ہیں تو اقرار کی صورت میں وہ عیب کا ضامن ہو گا۔[7]

---

(1) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۳۴

(2) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر مصری (پیدائش: ۹۲۶ھ-۹۷۰ھ)، ابن نجیم کے ساتھ معروف ہیں۔ قاہرہ میں ولادت ہوئی، فقہ حنفی کے بڑے فقیہ اور اصول فقہ کے بڑے ماہر تھے، اساتذہ میں قاسم بن قطلوبغا، برہان کرکی اور امین بن عبد العال وغیرہ مشہور ہیں۔ کثیر التصانیف ہیں، جن میں الاشباہ والنظائر فی اصول الفقہ، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، فتح الغفار او التحفۃ المرضیۃ فی الاراضی المصریۃ وغیرہ شامل ہیں۔

[معجم المؤلفین، عمر بن رضا بن محمد راغب، ۴:۱۹۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ت ن]

(3) البحرالرائق، ۶:۶۶

(4) The Contract Act 1872, Chapter : 6, Section: 75

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۱۷

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۳۴

(7) نفس مصدر، ۴:۲۱۷

وضاحت:

جن عقود میں حقوق عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں، جیسے وکالت، مضاربت، شرکت۔ ان صورتوں میں اگر کوئی چیز عیب کی وجہ سے لوٹایا جائے تو یہ سب خود خصومت کریں گے اور ان کو معیوب چیز لوٹایا جائے گا۔ یعنی وکیل، مضارب اور یا شریک نے کسی کے لئے عیب کا اقرار کیا تو یہ اقرار ان پر لازم ہو گا، مؤکل، رب المال اور دوسرا شریک اس کا ضامن نہ ہو گا۔[1]

دفعہ ۱۹: خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلے کے بغیر مبیعہ لوٹایا گیا تو بائع اس کو اپنے بائع اول کی طرف لوٹانے کا مجاز نہیں ہو گا۔[2]

وضاحت:

مشتری خیار عیب کی وجہ سے بائع ثانی کو مبیعہ لوٹانے کا ارادہ کرے تو اس کی درج ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

آپس کی رضامندی سے مبیعہ واپس کرے گا یا قاضی کے فیصلے کے ساتھ، پہلی صورت میں بائع ثانی کو بائع اول کی طرف لوٹانے کا اختیار باطل ہو گا، دوسری صورت میں بائع ثانی کو عیب کی وجہ سے بائع اول کی طرف مبیعہ لوٹانے کا اختیار ہو گا۔[3]

دفعہ ۲۰: مشتری عیب کی وجہ سے مبیعہ لوٹانا چاہے تو بائع کو قاضی کے فیصلے سے پہلے نہ لینے کا اختیار ہے بشرطیکہ اس نے خود مبیعہ کسی سے خریدا ہو۔[4]

وضاحت:

مشتری نے مبیعہ میں عیب کا دعوی کیا اور بائع جانتا ہے کہ یہ عیب فروخت کرتے وقت اس میں موجود تھا، اگر بائع نے خود مبیعہ کسی سے خریدا ہو تو اس کو اختیار ہے کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے اس کو لینے سے انکار کرے۔[5] اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بغیر اگر مبیعہ واپس کیا گیا تو مشتری اول کے لیے جائز نہیں کہ وہ بائع اول کو مبیعہ واپس کرے، لہذا اس سے بچنے کے لیے بائع ثانی کو قاضی کے فیصلے تک نہ لینے کا اختیار دیا جائے گا۔ البتہ اگر بائع نے خود کسی سے خریدا نہ ہو تو اس پر فی الحال لینا لازم ہو گا۔

دفعہ ۲۱: عیب کا ثبوت گواہوں، انکار قسم اور بائع کے اقرار عیب سے ثابت ہو جائے تو بائع کو واپس کیا جائے گا۔[6]

وضاحت:

ان صورتوں میں مبیعہ کو رد کیا جائے گا۔ عیب سے انکار کیا جائے لیکن اس کو گواہوں سے ثابت کیا جائے، یا اس پر قسم پیش کیا جائے اور یہ قسم سے انکار کرے اور یا اس بات پر گواہ پیش کئے جائے کہ اس نے خود عیب کا اقرار کیا تھا اور اب اس سے انکار کرتا ہے تو ان سب صورتوں میں مبیعہ بائع کو لوٹایا جائے گا۔[7]

دفعہ ۲۲: عیب وہ شمار ہو گا جو قیمت میں نقصان پیدا کرے۔[8]

---

(1) تحفة الفقهاء،۲:۱۰۱

(2) نفس مصدر،۴:۲۱۷

(3) دررالحكام شرح غررالأحكام،۱۶۳؛۲

(4) نفس مصدر،۴:۲۱۷

(5) المحيط البرهانى،۶:۵۸۳

(6) فتاویٰ عالمگیری،۴:۲۱۷

(7) دررالحكام شرح غررالأحكام،۲:۱۶۳

(8) نفس مصدر،۴:۲۱۸

وضاحت:

ہر وہ چیز جو تاجروں کے نزدیک قیمت اور ثمن کی کمی کا باعث بنے وہ عیب شمار ہو گا اور جو قیمت یا ثمن میں کمی کا باعث نہ بنے وہ عیب میں داخل نہیں۔[1]

دفعہ ۲۴: مشتری کے پاس مبیعہ میں عیب جدید پیدا ہو جائے تو واپس نہیں کر سکتا۔[2]

وضاحت:

مشتری کے قبضہ میں مبیعہ میں عیب جدید پیدا ہو جائے تو مشتری کو خیار عیب کے ساتھ مبیعہ لوٹانے کا مجاز نہیں، کیونکہ اس میں بائع کو ضرر ہے، البتہ مشتری کو اس بات کا اختیار ہے کہ بائع سے عیب کے نقصان کا ضمان وصول کرے۔ اگر بائع اسی عیب کے ساتھ لینے پر راضی ہو تو مشتری کے لیے جائز ہے کہ مبیعہ کو کل ثمن کے بدلے بائع کو لوٹا دے۔[3]

جیسے ایک غلام کا ایک ہاتھ کاٹا ہوا تھا پھر مشتری اس کو دونوں ہاتھ کٹا ہوا لایا تو اس کو واپس نہیں کر سکتا۔

دفعہ ۲۵: باندی کی زانی، مجنون یا چور ہونے کا اقرار کرنا عیب ہے۔[4]

وضاحت:

عیوب کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک جو ظاہری بدن سے تعلق رکھتے ہوں، جیسے اندھا ہونا، لنگڑا ہونا، گونگا ہونا، ایک انگلی کا زیادہ یا کم ہونا اور سر یا پیٹ کا زخم اور وہ سب امراض جو ظاہری بدن سے متعلق ہو اس میں داخل ہیں۔

۲۔ جو باطن سے متعلق ہو یعنی معنوی ہو، جیسے کھانسی، حیض کی مدت کا طویل ہونا یعنی کم از کم دو مہینوں تک بڑھنا اور بوڑھا ہونا باندی اور غلام کا۔ منہ اور بغل سے بدبو نکلنا باندی میں عیب ہے غلام میں نہیں۔

اسی طرح زناکاری، حاملہ ہونا اور چوری کرنا باندی میں عیب ہیں۔ غلام میں زانی ہونا اس وقت عیب ہے جب اس کو اس کا لت پڑ جائے۔[5]

باب ۱۹: مضارب اور شریک کے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۲۶: مال مضاربت میں دین کا اقرار کرنا جائز ہے۔[6]

وضاحت:

مضارب کو عقد مضاربت میں عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور یہ مضاربت کے لوازمات میں سے ہیں اور وہ چیزیں جو اسی عقد پر متفرع ہوتے ہیں۔ جیسے مضارب کے لئے یہ امور جائز ہیں:

۱۔ مال کی خرید و فروخت منافع کے لئے کرنا۔ ہاں اگر غبن فاحش[7] سے کوئی چیز خریدے تو وہ اس کا ہو گا، مال مضاربت سے شمار نہ ہو گا۔

---

(1) تحفة الفقهاء، ۹۳:۲

(2) نفس مصدر، ۲۱۸:۴

(3) الهداية، ۳۸:۳

(4) نفس مصدر، ۲۱۸:۴

(5) تحفة الفقهاء، ۹۵:۳

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۲۱۸:۴

(7) غبن فاحش سے مراد وہ نقصان ہے جو تاجروں کے نزدیک قیمت نہیں بن سکتی یا لوگ اس طرح کا نقصان عرف میں نہیں کرتے۔ [كتاب التعريفات، ۱۶۱:۱]

۲۔ ثمن قلیل اور کثیر کے عوض نقد اور ادھار خرید و فروخت کرنا۔

۳۔ حوالہ قبول کرنا۔

۴۔ دوسرے شخص کو خرید و فروخت کے لئے وکیل مقرر کرنا۔

۵۔ مال مضاربت کے ساتھ سفر کرنا اور کسی کو اجارہ یا کسی اور طریقہ پر پکڑنا۔[1]

اسی وجہ سے اگر مضارب کسی کے لئے مال مضاربت میں دین کا اقرار کرے تو یہ اقرار جائز ہے، اگرچہ رب المال اس سے انکار کرے۔ اس لئے کہ تجارت میں دین لازم ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر رب المال کو رأس مال دیا اور پھر دین کا اقرار کیا تو یہ جائز نہ ہو گا، کیونکہ اس صورت میں جب اس نے رأس مال حوالہ کیا تو یہ اس بات کا اقرار ہے کہ اس پر دین نہیں اور اب اس کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ صریح تناقض ہے۔[2]

دفعہ ۲۷: مضارب اپنے اقرار سے جس کو نقصان پہنچائے تو اس کے لئے ضامن ہو گا۔[3]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ ہزار درہم مجھے فلاں نے مضاربت پر دی ہے اور پھر دوسرے کے لئے اس طرح کا اقرار کیا اور ہر ایک نے اس پر دعویٰ کیا کہ میں نے آدھے نفع کی مضاربت پر اس کو دیئے ہیں۔ مضارب نے تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کیا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے مقرلہ کو ہزار درہم اور آدھا نفع دے گا اور دوسرے کو صرف رأس المال یعنی ہزار درہم دے گا اور نفع نہیں دے گا۔ کیونکہ اس نے اول کے لئے اقرار سے اس کا مال ضائع کیا ہے اور نفع میں اس لئے شریک نہ ہو گا کہ اقرار کے دن اس نے اس مال کے ذریعے کوئی نفع نہیں کمایا تھا۔

امام محمدؒ کے نزدیک ہر ایک کو ہزار درہم دے گا اور نفع مضارب کا ہو گا اور وہ اس کو صدقہ کرے گا۔ کیونکہ ہر ایک کے لئے اقرار سے وہ دوسرے کے لئے ضامن ہو گا۔[4]

دفعہ ۲۸: اقرار میں تبدیلی اس وقت درست ہے جب وہ اتصال کے ساتھ ہو۔[5]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میرے پاس مضاربت کا مال فلاں اور فلاں کا ہے اور دونوں نے اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد مضارب نے جدا بیان کیا کہ ایک کے لئے دو تہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی ہے تو اس کا اقرار جائز نہیں، کیونکہ یہ کلام میں تغییر لانا ہے اور تغییر متصلاً تو درست ہے لیکن مفصولاً درست نہیں۔ اور دونوں میں یہ آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔[6]

دفعہ ۲۹: کسی چیز کا اقرار کرے پھر اس میں خطاء ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔[7]

---

(1) مجلة الأحكام العدلية،۱:۲۷۳

(2) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۱۳

(3) نفس مصدر،۴:۲۱۹

(4) الأصل للشيبانی،۸:۳۲۴

(5) فتاویٰ عالمگیری،۲۱۹:۴

(6) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۲۱

(7) نفس مصدر،۴:۲۱۹

وضاحت:

مضارب نے مال میں ہزار درہم نفع کا اقرار کیا پھر اس نے کہا کہ میں نے غلطی کی ہے یہ تو پانچ سو درہم تھے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ اقرار کے بعد غلطی کا دعویٰ درست نہیں ہوتا اور اقرار کے موافق مال کا ضامن ہوگا۔[1]

دفعہ ۳۰: دو آدمیوں کے اتفاق سے جو چیز ثابت ہو جائے وہ ایسا ہے جیسے وہ مشاہدہ سے ثابت ہو۔[2]

وضاحت:

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں اور فلاں شرکت مفاوضہ کے اعتبار سے شریک ہوں اور دوسرے نے اس کی تصدیق کی تو دونوں ان سب میں شریک قرار دیئے جائے گے جو مقر کے قبضہ میں ہو خواہ وہ دین ہو یا عین، غلام ہو یا زمین۔

اس مال میں شریک ہوں گے جو تجارت کے قابل ہو اور اس میں تصرف کیا جا سکتا ہو۔ تو اس کا اور اہل و عیال کا طعام اور کپڑے اسی مقر کے ہوں گے۔ اسی طرح ام ولد اور مدبر کا حکم ہے۔ استحسان کے اعتبار سے اس کا یہ حکم ہے۔

قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے اموال کی طرح اس میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔[3]

دفعہ ۳۱: شرکت مفاوضہ میں قرض کا اقرار قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔[4]

وضاحت:

شرکت مفاوضہ کی صورت میں ایک شریک نے قرض کا اقرار کیا تو اگر دوسرے شریک نے اس کی تصدیق کی تو دونوں پر لازم ہو جائے گا، اور انکار کی صورت میں مقر کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا، یعنی جب مقر یہ دعویٰ کرے کہ یہ قرض شرکت کرنے کے بعد کا ہے اور شریک کہے کہ نہیں کہ یہ تجھ پر پہلے سے قرض ہے تو مقر اس صورت میں قسم کھائے گا۔[5]

دفعہ ۳۲: عقد مفاوضہ میں وکالت اور کفالت دونوں درست ہیں، اس لئے کفیل کا کسی کے لئے دین کا اقرار کرنا جائز ہے۔[6]

وضاحت:

شرکت مفاوضہ میں ہر شریک دوسرے کی طرف سے وکیل اور کفیل دونوں بن سکتا ہے، اس لئے اگر شریک نے حالت صحت یا مرض میں کفالت کا اقرار کیا تو اس کے شریک سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک شریک سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کفالت کا دین تجارت کا دین نہیں، اس لئے کہ کفیل اس میں احسان کرنے والا ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر شریک دوسرے کی طرف سے وکیل اور کفیل بن سکتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ تجارت کے جنس سے ہے، اس لئے یہ اقرار درست ہوگا۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ کفالت مکفول عنہ کے حکم سے ہو اور اگر اس کے حکم کے بغیر کفالت کی ہو تو سب کے نزدیک صرف اس مقر پر لازم ہوگا، شریک سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

---

(1) غمزعیون البصائر، ۶۲:۳

(2) نفس مصدر، ۲۱۹:۴

(3) الأصل للشیبانی، ۳۱۷:۸

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۲۱۹:۴

(5) المبسوط، ۱۱۲:۱۸

(6) نفس مصدر، ۲۱۹:۴

یہ اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ ایک شریک اقرار کرے کہ میں اپنے شریک کی طرف سے اس کی بیوی کے مہر، نفقہ اور یا جرم کی کفالت کی ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں پر لازم ہو جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک صرف مقر پر لازم ہو گا۔[1]

دفعہ ۳۳: جس میں تصرفات کی اہلیت نہ ہو ان کے ساتھ شرکت مفاوضہ کرنا جائز نہیں۔[2]

وضاحت:

شرکت مفاوضہ ان لوگوں کے ساتھ جائز نہیں جن میں کفیل بننے اور دوسرے تصرفات کرنے کی اہلیت نہ ہو۔ اس لئے اس میں یہ ضروری ہیں کہ یہ مسلمان، آزاد، بالغ اور عاقل کے مابین ہو۔ مکاتب، ذمی، بچے اور مجنون سے شرکت مفاوضہ جائز نہیں۔ اس لئے اگر کوئی ان افراد کے لئے شرکت مفاوضہ کا اقرار کرے تو اس کا اقرار جائز نہ ہو گا۔[3]

دفعہ ۳۴: مسلمان کا اقرار ذمی کے لئے اور ذمی کا مسلمان کے لئے شرکت مفاوضہ کا اقرار جائز نہیں۔[4]

وضاحت:

ذمی کا مسلمان کے لئے شرکت مفاوضہ کا اقرار کرنا اور مسلمان کا ذمی کے لئے اقرار کرنا جائز نہیں، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار جائز ہے۔

طرفینؒ کے نزدیک جس طرح انشاء عقد ان کے درمیان جائز نہیں اسی طرح اقرار کرنا بھی جائز نہیں، تاہم جو کچھ دونوں کے قبضہ میں ہے وہ دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۳۵: کسی کے لئے اقرار کرنا کہ یہ مال تجارت میں میرے ساتھ شریک ہے تو وہ ہر قسم کے مال تجارت اس کے ساتھ شریک ہو گا۔[6]

وضاحت:

کسی نے دوسرے کے لئے اقرار کیا کہ یہ میرے ساتھ تجارتی مال میں شریک ہے۔ تو دونوں ان اموال میں شریک ہوں گے جو تجارت کے زمرے میں آتا ہے۔

۱۔ ان میں وہ اموال داخل ہوں گے جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، جیسے دراہم اور دنانیر۔

۲۔ فلوس اگر کاسدہ ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں اور فلوس نافقہ میں شرکت جائز نہیں۔ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس لئے کہ ثمن میں داخل نہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ متعین ہو جاتے ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کے ساتھ ثمنیت لازم ہو جاتی ہیں، اس لئے یہ جائز ہو گا۔

۳۔ مکیلات اور موزونات میں بھی شرکت جائز نہیں۔

۴۔ جو مال تجارت معلوم نہ ہو، جیسے مسکن اور یا وہ اموال جو حاجت اصلی میں کارآمد ہوں وہ تجارت کے لئے شمار نہ ہوں گے، اگرچہ اقرار کے وقت ان کا ہر ایک کے قبضہ میں ہونا ثابت ہو۔[7]

---

(1) المبسوط، ۱۷:۱۹۵

(2) نفس مصدر، ۴:۲۲۰

(3) تحفة الفقهاء، ۳:۹

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۰

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۱۵

(6) نفس مصدر، ۴:۲۲۰

(7) بدائع الصنائع، ۶:۶۰

دفعہ ۳۶: کسی کے لئے عمل میں شرکت کا اقرار کرے تو اقرار کرنے والا جس چیز میں شرکت کو بیان کرے تو اسی کو قبول کیا جائے گا۔[1]

وضاحت:

کسی کاریگر نے دوسرے کے لئے اقرار کیا تو دوسرا صرف اس کے ساتھ اس کے عمل میں شریک ہوگا متاع میں نہیں، اگرچہ مقرلہ ہر چیز میں شرکت کا دعویٰ کرے تو مقر کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان شرکت مقر کے اقرار سے ثابت ہوا تو جس چیز کی وہ صراحت کرے وہی مراد ہوں گے۔

اگر مقر یوں اقرار کرے کہ فلاں میرے ساتھ اس دکان اور عمل دونوں میں شریک ہے تو اس قول کا اعتبار کیا جائے گا اور مقرلہ اس کے ساتھ اس میں برابر شریک ہوگا۔[2]

باب ۲۰: وصی کے قبضہ کر لینے کے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۳۷: وصی میت کے قرض کے حصول کا اقرار کرے تو اس اقرار کی وجہ سے غریم بری ہو جائے گا۔[3]

وضاحت:

وصی نے اقرار کیا کہ میت کے جو دین فلاں کے ذمہ تھا میں نے اس کو پورا قبضہ کیا ہے اور مقدار بیان نہیں کی۔ اس کے بعد کہا کہ میں نے صرف سو درہم وصول کئے ہے اور قرض دار کہتا ہے کہ میت کے میرے ذمہ ہزار درہم تھے اور وصی نے پورے وصول کئے ہیں۔

اگر یہ قرض میت کے ادھار دینے سے اس کے ذمہ لازم ہوا تھا اور وصی نے مفصول کہا کہ میں نے سو درہم وصول کئے تھے اور قرض دار کہتا ہے کہ پورے وصول کئے تھے تو وہ قرض سے بری ہو جائے گا اور وصی کو اس سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا۔ اور وصی کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔

اگر میت کے ورثاء اس بات پر گواہ قائم کرے کہ قرض دار پر قرض ہزار درہم تھا تو وصی ان کے لئے نو سو درہم کا ضامن ہوگا۔ وصی اگر موصولاً بیان کرے کہ میں نے سو درہم وصول کئے ہے اور قرض دار کہتا ہے کہ ہزار درہم وصول کئے ہے تو اس صورت میں وصی کا قول قبول کیا جائے گا۔[4]

دفعہ ۳۸: وجوب مال میں وصی کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔[5]

وضاحت:

وصی نے اقرار کیا کہ میت کا فلاں کے ذمہ جو قرض تھا میں نے وصول کیا اور وہ سو درہم تھے۔ پھر اس پر گواہ قائم کئے گئے کہ اس پر دو سو درہم تھے۔ تو قرض دار سے بقیہ رقم وصول کیا جائے گا اور وصی کا قول کہ سو درہم تھے باطل ہو جائے گا کیونکہ مال کا واجب ہونا عقد کی وجہ سے ہوا ہے نہ کہ وصی کے قول سے۔ اس لئے زیادتی کے ابطال میں وصی کے قول کی تصدیق نہ ہوگی۔[6]

دفعہ ۳۹: گواہوں سے ثابت ہونا ایسا ہے جیسے وہ مشاہدہ سے ثابت ہو۔[7]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۲۲۱

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۱۸

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۱

(4) الأصل للشيباني، ۸:۳۳۵

(5) نفس مصدر، ۴:۲۲۲

(6) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۳۰

(7) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۲

وضاحت:

وصی نے اقرار کیا کہ میت کا جو مال فلاں کے پاس ودیعت، مضاربت، شرکت اور یا عاریت کے تھا، پورا وصول کیا، اس کے بعد اقرار کیا کہ میں نے اس سے سو درہم وصول کئے ہیں اور قرض دار نے کہا کہ ہزار درہم وصول کئے ہیں اور اس پر گواہ قائم کئے تو وصی اس کا ضامن ہو گا، کیونکہ گواہوں سے جو چیز ثابت ہو جائے وہ ایسا ہے جیسے گواہوں کے ذریعہ سے ثابت ہو جائیں۔[1]

دفعہ ۴۰: مجہول سے قبضہ کا اقرار کرنا جائز نہیں، جیسے اس کے لئے دین کا اقرار باطل ہے۔[2]

وضاحت:

وصی نے اقرار کیا کہ فلاں میت کے لوگوں کے ذمہ جو حقوق تھے میں نے وصول کر لئے۔ پھر ایک قرض دار نے آکر کہا کہ میں نے تجھ کو اس قدر مال دیا ہے اور وصی نے کہا کہ میں نے کوئی چیز قبضہ نہیں کیا ہے اور نہ مجھے معلوم ہے کہ میت کا آپ کے ذمہ کچھ ہے تو وصی کا قول قبول کیا جائے گا۔ قرض دار قرض سے بری تصور نہیں کیا جائے گا۔

اگر گواہوں کے ذریعے قرض کے وصولی کا اقرار کیا تو اس سے وصی پر کچھ لازم نہ ہو گا، کیونکہ اس نے کسی خاص شخص سے وصولی کا اقرار نہیں کیا ہے۔[3]

---

(1) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۳۰

(2) نفس مصدر،۴:۲۲۲

(3) المبسوط للسرخسی،۱۸:۱۳۱

فصل سوم

فتاویٰ عالمگیری حصہ اقرار کے باب ۲۱ تا باب ۲۳ کی دفعہ بندی اور سِول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء و قانون شہادت ۱۹۸۴ء سے تقابل

باب ۲۱: میت کے مال کا وارث اور موصیٰ لہ کے لئے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۱: عادل گواہوں سے کسی چیز کا ثابت ہونا ایسا ہے جیسے وہ قاضی کے علم سے ثابت ہو۔[1]

وضاحت:

ایک آدمی کے پاس غائب کا مال ہے اور وہ مر گیا کسی نے آکر یہ دعویٰ کیا کہ میں اس کا بیٹا ہوں اور میرے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ وہ اس کا وارث ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں۔ اس صورت میں استحسان یہ ہے کہ اس کا قول قبول کیا جائے گا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ میرے علم میں اس کو کوئی دوسرا وارث نہیں۔

۲۔ یہ وارث ہے اور اس کے علاوہ ہمیں کوئی وارث معلوم نہیں۔ اس صورت میں اکثر علما کے نزدیک اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

۳۔ یہ اس کا وارث ہے اور اس شہر میں اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس لئے شہر والوں پر اکثر کسی کا وارث پوشیدہ نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں پورا مال اس کے حوالہ کیا جائے گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایک شہر میں نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شہر میں نہ ہو۔[2]

دفعہ ۱: استصحاب حال ثابت حقوق کو برقرار رکھنے کا فائدہ دیتا ہے لیکن نئے حق کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔[3]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ یہ فلاں کا مال ہے اور وہ مر گیا کسی نے آکر اقرار کیا کہ میں اس کا بیٹا ہوں اور مقر نے اس کی تصدیق کی تو قاضی اس کو مال حوالہ نہیں کرے گا بلکہ انتظار کرے گا یہاں تک کہ وہ سمجھ لے کہ اگر دوسرا وارث ہوتا تو وہ اس مدت میں ضرور حاضر ہو جاتا۔ اس لئے کہ یہاں حالت تقاضا کرتا ہے کہ دوسرا وارث موجود نہیں اگر دوسرا وارث ہوتا تو ضرور موجود ہوتا تو استصحاب حال[4] یہ بات ثابت ہوئی اور استصحاب حال ثابت حقوق کو برقرار رکھنے کا فائدہ دتا ہے لیکن نئے حق کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ قاضی کتنی مدت انتظار کرے گا؟ فقہاء نے اس کی مدت ایک سال بتایا ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مبتلیٰ بہ کی رائے کو اعتبار دیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۳: مولیٰ العتاقہ نسب کی طرح ہے۔[6]

وضاحت:

قابض مال نے کسی شخص کی نسبت شوہر یا زوجہ ہونے کا یا ماں کی طرف سے بھائی ہونے کا یا چچا یا ماموں کی نسب کا اقرار کیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ قاضی انتظار کرے گا کہ اگر کوئی وارث ہو تو وہ حاضر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی حاضر نہ ہو جائے تو ان کو مال حوالہ کرے گا۔ مولیٰ

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۳

(2) بدائع الصنائع، ۶:۲۷۶

(3) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۳

(4) استصحاب حال: استصحاب کے معنی ہے ساتھی بنانا اور صحبت کو برقرار رکھنا اور اصلاح میں اس سے مراد پہلے حکم یا حالت کو برقرار رکھنا جب تک کہ اس کے خلاف کوئی واضح دلیل یا ثبوت نہ آجائیں۔ شافعیہ اور حنابلہ نے استصحاب کو علی الاطلاق استعمال کیا ہے۔ لیکن احناف اور مالکیہ نے اسکو صرف دلیل دافع مانا ہے یعنی یہ ثابت حقوق کو برقرار رکھنے کا فائدہ تو دیتا ہے لیکن نئے حق کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ [البحرالمحیط فی اصول الفقہ، زرکشی، بدر الدین، محمد بن عبد اللہ، ۸:۱۳، دار الکتبی، ۱۴۱۴ھ]

(5) المحیط البرھانی، ۸:۳۷۵

(6) نفس مصدر، ۴:۲۲۳

العتاقہ اس صورت میں نسب کی طرح ہے، جیسے اگر کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ میں میت کی بیٹی ہوں اور ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے میت کو آزاد کیا ہے اور قابض نے دونوں کا اقرار کیا تو دونوں حکم میں برابر ہے اور مال دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۴: مشہود بہ کا معلوم ہونا قاضی کے فیصلہ کے لئے ضروری ہے۔[2]

وضاحت:

مال کے قبضہ کرنے والے نے اقرار کیا کہ تو میت کا ماں وباپ کی طرف سے بھائی ہے اور میں نہیں جانتا کہ میت کا کوئی اور وارث ہے۔ مدّعی نے بھی اس طرح کہا کہ میں اس کا ماں وباپ کی طرف سے بھائی ہوں اور میرے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ تو اس کو میراث نہیں ملے گا جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشہود بہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اگر مجہول ہو تو جائز نہیں، اس لئے کہ فیصلہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ قاضی کو مشہود بہ کا علم ہو۔[3]

دفعہ ۵: مدّعی وصیت سے مدّعی نسب اولیٰ ہے۔[4]

وضاحت:

کسی نے دعویٰ کیا کہ میں غائب کا بھائی ہوں اور وہ مر گیا اور اس کا میرے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ یا یوں دعویٰ کیا کہ میں اس کا بیٹا، باپ، ماں اور یا اس کے مولیٰ کا آزاد کنندہ ہوں۔ اسی طرح کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ میں میت کی پھوپھی، خالہ اور یا اس کی بہن کی بیٹی ہوں اور میرے سوا اس کا کوئی وارث نہیں۔ لیکن ایک دوسرے شخص نے دعویٰ کیا کہ میت نے تہائی مال میں میرے حق میں وصیت کی ہے اور قابض نے دونوں کی تصدیق کی۔ تو اس صورت میں مدّعی وصیت کو کچھ نہیں ملے گا اور دوسرے ورثاء کو مال دیا جائے گا۔[5]

دفعہ ۶: مولیٰ الموالات موصیٰ لہ سے مقدم ہے۔[6]

وضاحت:

مولیٰ الموالات[7] اجنبی سے مقدم ہوتا ہے، کیونکہ یہ قریب کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریبی وارث کی عدم موجودگی میں یہ میراث کا حق دار ہوتا ہے۔ تو یہ ذوی الارحام سے مؤخر ہوتا ہے۔[8]

دفعہ ۷: مقر نے اقرار کیا کہ میت نے اس مال کی وصیت فلاں اور فلاں کے لئے کی ہے تو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[9]

---

(1) البحرالرائق، ۷:۴۴

(2) نفس مصدر، ۴:۲۲۴

(3) بدائع الصنائع، ۶:۲۷۷

(4) نفس مصدر، ۴:۲۲۴

(5) قرۃعین الأخیار، ۷:۴۵۰

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۴

(7) مولیٰ الموالات۔ وہ مجہول النسب شخص ہے جس نے کسی کو اپنا مولیٰ بنایا کہ اگر میں مروں تو میرا وارث تو ہے اور اگر کوئی جنایت کروں جس سے دیت لازم آئے تو اس کو تو ادا کرے اور وہ قبول کرے۔[المحیط البرھانی، ۴:۱۸۷]

(8) الجوھرۃالنیرۃ، ۲:۳۰۶

(9) نفس مصدر، ۴:۲۲۴

وضاحت:

قابض مال نے اقرار کیا کہ میت نے پورے مال کی فلاں کے لئے وصیت کی ہے اور پھر اقرار کیا کہ اس دوسرے فلاں کے لئے وصیت کی ہے تو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔[1]

دفعہ ۸: وارث کی عدم موجودگی میں میت پر کوئی قرض ثابت نہیں کیا جائے گا۔[2]

وضاحت:

کسی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا کہ مال کے مالک پر میرے ہزار درہم ہے اور وہ مر گیا اور جس کی طرف سے مجھے مال ملے گی اس نے بھی میری تصدیق کی ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کوئی وارث موجود نہ ہو۔ اگر مدّعی اور جس کی طرف سے مال ہے اس نے اقرار کیا کہ اس کا کوئی وارث نہیں تو قاضی انتظار کرے گا۔ پھر میت کی طرف سے وصی مقرر کر کے اس کو حکم دے گا کہ وہ پورا مال قبضہ کرے اور مدّعی کو کہے گا کہ اپنی دعویٰ پر گواہ قائم کروں، گواہ قائم کرنے کے بعد مال اس کو حوالہ کیا جائے گا۔

کئی زمانہ گزرنے کے بعد مالک زندہ نکل آیا تو اس کو حکم کیا جائے گا کہ وہ مال مالک کو حوالہ کر دوں۔ اگر مال ضائع کیا ہو تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک قرض کی صورت میں جس کی طرف سے مال ملا ہے اس سے ضمان لے گا اور غصب اور ودیعت کی صورت میں قابض سے ضمان لے گا۔ جب کہ امام محمدؒ کے نزدیک ودیعت بھی غصب کی طرح ہے۔[3]

باب ۲۲: قتل اور جنایت کے اقرار کے بیان میں۔

دفعہ ۹: مقر کا بعض مقربہ میں تصدیق کرنا جائز ہے۔[4]

وضاحت:

کسی نے دوسرے کو خطاء سے قتل کرنے کا اقرار کیا اور گواہ قتل کے اس مقر کے علاوہ دوسرے پر قائم ہوئے اور مدّعی ان دونوں پر دعویٰ کرتا ہے تو مقر پر نصف دیت لازم ہو گا اور دوسرے پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی۔ مقر نے دیت کامل کا اقرار کیا، کیونکہ وہ اپنے گمان کے مطابق قتل میں متفرد ہے۔ لیکن جب دوسرے پر گواہ قائم ہوئے گویا انہوں نے آدھی دیت میں اس کی تصدیق کی۔ اور مقربہ کے بعض میں مقر کا تصدیق کرنا جائز ہے اور مشہود علیہ پر کچھ لازم نہ آئے گا۔ اس لئے کہ جب مدّعی اپنے گواہوں کی تکذیب کرے تو مشہود علیہ پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی۔

اگر ولی مقر کی تصدیق کرے یعنی قتل کا دعویٰ صرف اس پر کرے تو اس پر پوری دیت لازم ہو جائے گی اور عاقلہ پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی۔[5]

”لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ عَمْدًا، وَلَا عَبْدًا، وَلَا صُلْحًا، وَلَا اعْتِرَافًا“[6]

ترجمہ: عاقلہ پر قتل عمد، غلام کسی کی جنایت کرے، صلح اور اقرار کی صورت میں کوئی چیز لازم نہیں آتی۔

جب اس نے خود اقرار کیا تو اس پر دیت لازم آئے گی اس کے عاقلہ پر نہیں۔

---

(1) البحرالرائق، ۸:۲۶۷

(2) نفس مصدر، ۴:۲۲۴

(3) المحیط البرهانی، ۵:۵۳۷

(4) نفس مصدر، ۴:۲۲۵

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۲۶

(6) سنن الدارقطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ، ۴:۲۳۳، حدیث نمبر: ۳۰۷۹

اگر مدّعی نے مقر کی تکذیب کی اور دوسرے پر گواہ قائم کئے تو تکذیب کی وجہ سے مقر پر کوئی چیز لازم نہیں آئے گی اور جس پر اس قتل کا ثبوت گواہوں کے ذریعہ ہوا تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آئے گی۔

تقابل:

پاکستان کے قانون قصاص ودیت میں جو مجموعہ تعزیرات پاکستان کا حصہ ہے، عاقلہ کا تصور اس میں موجود نہیں اور دیت کی ادائیگی اس شخص پر عائد کی گئی ہے جس کی خطأ سے قتل واقع ہوا ہو۔[1] شرعی اور وضعی قوانین میں تضاد پایا جاتا ہے۔

دفعہ ۱۰: قتل عمد کا اقرار کیا اور ولی نے اس کی تصدیق کی تو قصاص لازم ہو جائے گا۔[2]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کو قصداً قتل کیا ہے اور دوسرے نے بھی اسی طرح اقرار کیا اور ولی نے دونوں کی تصدیق کی۔ تو دونوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[3]

دفعہ ۱۱: دعویٰ اور شہادت فی السبب میں تفاوت کی صورت میں گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے۔[4]

وضاحت:

ولی نے دو آدمیوں پر قتل پر دعویٰ کیا۔ ایک پر قتل ثابت کرنے کے لئے دو گواہ قائم کئے اور دوسرے پر پر بھی دو گواہ قائم کئے۔ تو ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ گواہ دعویٰ سے زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے اور دعویٰ اور سبب کے درمیان اختلاف کی صورت میں گواہوں کی قبول نہیں کی جائے گی اور ان پر کوئی چیز لازم نہیں آئے گی۔[5]

دفعہ ۱۲: اقرار تصدیق کو واجب نہیں کرتا اور اس کا باطل ہونا تکذیب پر موقوف ہے۔[6]

وضاحت:

کسی غلام کے حق میں جرم کا اقرار کیا پھر مالک ہونے کا اقرار کیا اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پہلے جرم کا اقرار اور پھر ملکیت غیر کا دعویٰ کیا۔ مقر نے کسی غلام معروف کے حق میں جرم کا اقرار کیا اور پھر دوسرے کے غلام ہونے کا اقرار کیا تو اگر مقرلہ نے اس کی تصدیق کی تو مقرلہ سے کہا جائے گا کہ یا غلام کو دے دے اور یا اس کا فدیہ دے۔

اگر مقرلہ نے ملک اور جرم دونوں میں اس کی تکذیب کی تو مقر فدیہ کا مختار نہیں ہوگا۔ اگر ملک میں اس کی تصدیق اور جنایت کرنے میں اس کی تکذیب کی تو مقر فدیہ کا مختار ہو گیا۔

۲۔ پہلے ملکیت کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد جنایت کا اقرار کیا۔ اگر مقرلہ نے اس کی دونوں باتوں میں تصدیق کی تو مقرلہ فقط خصم بن سکتا ہے اور تکذیب کی صورت میں مقر ہی خصم ہوگا۔ لیکن اگر ملک میں تصدیق کی اور جنایت میں تکذیب کی تو جنایت ضائع ہو جائے گی۔[7]

---

(1) The Pakistan penal code1860,Order:319

(2) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۵

(3) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۲۶

(4) نفس مصدر، ۴:۲۲۵

(5) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۲۶

(6) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۵

(7) البحرالرائق، ۸:۴۲۴

باب ۲۳: متفرقات کے بیان میں۔

دفعہ ۱۳: بچپن کی حالت میں نکاح کا اقرار کرنا اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہو گا۔[1]

وضاحت:

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا تھا اور میں نابالغ تھا تو اس اقرار سے دونوں کے درمیان جدائی نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اس سے معلوم کیا جائے گا کہ تیرے والد نے اجازت دے دی تھی، یا بالغ ہونے کے بعد اجازت دی اور یا اب اس کی اجازت دیتے ہوں تو اگر اس نے انکار کیا تو ان کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔[2]

دفعہ ۱۴: مقربہ کی جہالت اقرار کی صحت پر اثرانداز نہیں ہوتا۔[3]

وضاحت:

جس چیز کا اقرار کیا جائے اگر وہ مجہول ہو تو اس سے اقرار کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، بلکہ مقر سے پوچھا جائے گا کہ اس کا کیا مراد ہے، جیسے کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے کوئی چیز غصب کی ہے تو اس کے بیان سے اس کی وضاحت کیا جائے گا۔[4]

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر اس قدر قرض ہے جس قدر اس کا فلاں پر ہے اور قرض کی کوئی مقدار بیان نہیں کی تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا وہ جتنا بیان کرے اسی قدر اس پر لازم ہو گا۔

دفعہ ۱۵: اقرار کے بعد ایسی چیز ذکر کرنا جو اقرار کو باطل کرتا ہے جائز نہیں۔[5]

وضاحت:

دوسرے کے غلام کی نسبت اقرار کیا کہ یہ فلاں کا ہے اور قابض نے انکار کیا۔ اس کے بعد مقر نے کہا کہ اگر میں اس کو خریدوں تو یہ آزاد ہو جائے گا۔ مقر نے اس کو خریدا تو عتق باطل ہے اور یہ غلام مقر لہ کا ہو گا۔

اسی طرح اگر اقرار کیا کہ یہ فلاں کا ہے اور پھر کہا آزاد ہے تو اس صورت میں بھی غلام مقر لہ کو ملے گا۔[6]

دفعہ ۱۶: اقرار کے آخر میں ایسا لفظ ذکر کرنا جو اقرار کو تبدیل کرتا ہے تو موصولا جائز ہے مفصولا جائز نہیں۔[7]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے میرے پاس ہزار درہم ودیعت ہے پھر کہا کہ وہ میرے اقرار سے پہلے ضائع ہو گئے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور وہ ضامن ہو گا۔ لیکن اگر اقرار کرتے وقت متصل کہا کہ وہ ضائع ہو گئے تو اس کا قول استحسانا قبول کیا جائے گا۔

اگر یوں کہا کہ ودیعت ضائع ہو گئی اور معلوم نہیں کہ کیسے ضائع ہوئی تو اس کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ امین ہے اور اس نے اس چیز کی خبر دی جس کا وہ احتمال رکھتا ہے۔[8]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۲۲۵

(2) الأصل للشیبانی، ۱۰:۲۱۳

(3) نفس مصدر، ۴:۲۲۶

(4) اللباب فی شرح الکتاب، ۲:۷۶

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۶

(6) المحیط البرهانی، ۴:۲۰

(7) نفس مصدر، ۴:۲۲۶

(8) المحیط البرهانی، ۵:۵۴۶

دفعہ ۱۷: معلوم النوع اور مجہول الصفت چیز کے اقرار میں وسط چیز لازم ہو گی۔[1]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے تو وہ جو ہر وی کپڑا لائے گا تو اس کی تصدیق تب کی جائے گی جب وہ قسم کھالے۔ یہ امام محمدؒ کی رائے ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اوسط درجہ کا کپڑا لے گا اور یہ قول راجح ہے۔

اسی طرح اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر ایک غلام ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اوسط درجہ کا غلام لازم کیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک غلام اور اس کی قیمت کے باب میں مدّعی کا قول قبول ہو گا۔[2]

دفعہ ۱۸: حقیقت متعذر ہونے کی صورت میں مجاز پر عمل کیا جائے گا۔[3]

وضاحت:

کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر ایک دار، زمین اور باغ ہے۔ تو اس کلام کو حقیقت پر محمول کرنا محال ہے۔ اس لئے کہ دین کا اقرار ہے اور یہ چیزیں دین نہیں بن سکتے۔ جب کلام کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور اس میں مجاز کا احتمال ہو تو اس کو مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ تو اس کو ان اشیاء کے واپس کرنے کا حکم کیا جائے گا اگر یہ چیزیں موجود ہو۔

تو یہ غصب کے اقرار کی طرح ہوا۔[4]

دفعہ ۱۹: مجہول النوع اور وصف کا اقرار جائز ہے۔[5]

وضاحت:

اپنے اوپر چوپایہ کا اقرار کیا تو جس چوپایہ کو چاہے اس کی قیمت اس پر واجب ہو گی۔ لیکن مہر کی صورت میں ثوب، دار اور دابہ کا ذکر کیا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے مہر مثل لازم ہو جائے گا۔[6]

دفعہ ۲۰: اقرار مجہول کی صورت میں مقر کا وہ قول متعبر ہو گا جو عرف کے موافق ہو۔[7]

وضاحت:

کسی آدمی کے لئے دار، زمین اور یا ملک میں حق ہونے کا اقرار کیا تو اس پر اس کی مقدار بیان کرنا لازمی ہے۔ اگر وہ بیان کرنے سے انکار کرے تو قاضی اس سے پوچھے گا، کہ کیا آدھا ہے، تہائی اور یا چوتھائی۔ یہاں تک کہ ایسی مقدار تک نوبت پہنچے کہ عرف میں اس سے کم کی ملکیت نہیں ہوا کرتی، پس اس قدر اس پر ضرور لازم ہو گا اور زیادتی کی صورت میں اس سے قسم لی جائے گی۔

اگر یوں کہا کہ اس آدمی کا حق اس شہتیر، جڑا ہوا دروازہ، آبادی میں زمین کے بغیر اور یا صرف زراعت میں ہے۔ تو اتصال کی صورت میں اس کا قول قبول کیا جائے گا اور انفصال کی صورت میں قبول نہیں کیا جائے گا۔[8]

---

(1) نفس مصدر، ۴:۲۲۶

(2) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۷۷

(3) نفس مصدر، ۴:۲۲۶

(4) المبسوط للسرخسی، ۱۸:۱۷۷

(5) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۶

(6) الأختيارلتعليل المختار، ۳:۱۰۷

(7) نفس مصدر، ۴:۲۲۷

(8) مجمع الضمانات، ۱:۳۷۰

دفعہ ۲۱ مقدار بیان کرے اوراس کی اضافت دو قسم کے مالوں کی طرف کی جائے تو دونوں میں سے ہر ایک کا آدھا مراد ہو گا۔(1)

وضاحت:

کسی دو آدمیوں کے لئے اقرار کرے تو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔ جیسے کوئی اقرار کرے کہ مجھ پر دو سو مثقال(2) سوناو چاندی ہے تو ہر ایک میں سے سو مثقال واجب ہو جائے گی۔

اسی طرح کہے کہ فلاں کا مجھ پر سو مثقال سوناو چاندی اور ایک کر گندم اور جَو کا ہے تو ان میں ہر ایک کا آدھا مراد ہو گا۔(3)

دفعہ ۲۲: قرض کا اقرار عتق سے اقویٰ ہے۔(4)

وضاحت:

ایک آدمی کا انتقال ہوا اور اس نے ترکہ میں ایک غلام چھوڑا اور اس غلام نے میت کے بیٹے سے کہا کہ تیرے باپ نے حالت صحت میں مجھے آزاد کیا تھا اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ میرا تمہارے باپ پر ایک ہزار درہم قرض ہے۔ میت کے بیٹے نے دونوں کی تصدیق کی تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور میت پر ہزار درہم دین ثابت ہو گا۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہاں غلام پر اپنی قیمت کے بقدر کمائی کرنا واجب ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر کمائی کرنا لازم نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ جب میت کے وارث نے ایک ہی قول سے غلام اور قرض دونوں کی تصدیق کی تو یہ واضح ہو گیا، کہ عتق اور دین دونوں ایک ساتھ اور صحت کی حالت میں واجب ہوئے ہیں اور حالت صحت میں واقع ہونے والا عتق سعایہ واجب نہیں کرتا، اگرچہ معتق مدیون اور مقروض ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے، کہ دین کا اقرار عتق کے دین سے اقویٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ حالت مرض کا دین پورے مال سے نافذ ہوتا ہے، جب کہ حالت مرض کا عتق تہائی مال سے نافذ ہوتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اقویٰ ادنیٰ کو دفع کرتا ہے۔

اس صورت میں دین جو عتق سے اقویٰ ہے اسے عتق کو بالکل باطل کر دینا چاہیئے تھا، لیکن عتق ایک مرتبہ واقع ہونے کے بعد باطل ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اس لئے ہم اس کو ظاہری اعتبار سے باطل نہیں کریں گے لیکن معنوی اعتبار سے یہ باطل ہو جائے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہو گی کہ اس پر سعایہ لازم کیا جائے۔(5)

دفعہ ۲۳: جہاں پر ہر کوئی اپنے نفس کوئی چیز نفی کرے تو ولاء موقوف رہے گا۔(6)

وضاحت:

جن صورتوں میں ولاء موقوف رہے گا تو ان کی میراث بیت المال میں رکھا جائے گا۔(7)

---

(1) نفس مصدر، ۴:۲۲۷

(2) مثقال: مثقال دراصل وزن کی ایک اکائی ہے اور اس کو اکثر طلائی دینار اور چاندی کے درہم کے وزن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ایک مثقال کا وزن ۱۰۰ اجَو کے دانوں کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ [جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع، ۳:۳۹۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی]

(3) تبیین الحقائق، ۵:۷

(4) فتاویٰ عالمگیری، ۴:۲۲۸

(5) الجامع الصغیر، ۱:۵۲۶

(6) نفس مصدر، ۴:۲۲۸

(7) المحیط البرہانی، ۴:۱۸۵

جیسے ایک نے دوسرے پر گواہی دی کہ اس نے اپنے مملوک کو مدبر کیا ہے پھر بیع واقع ہوئی تو ہر ایک مملوک کا آزاد ہونا بائع کے مرنے پر ہو گا، مشتری کے مرنے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو گا اور اس صورت میں ولاء موقوف رہے گی۔

خلاصہ باب چہارم

باب چہارم میں بھی تین فصول ہیں، جن میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الاقرار کے گیارہ (۱۱) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ پہلی فصل میں مشترک چیز کے اقرار کا ذکر ہے، اس کے علاوہ اقرار سے رجوع کرنے کی جو صورتیں ہیں کے احکام ذکر کئے ہیں۔ اس فصل میں اُنچاس (۴۹) دفعات ہیں۔ دوسری فصل میں بیع کا اقرار اور مبیعہ میں عیب کے احکام کا بیان ہے، یہ فصل چالیس (۴۰) دفعات پر مشتمل ہے۔ فصل سوم میں وصی کے اقرار کے احکام کو بیان کیا گیا ہے جو چوبیس (۲۴) دفعات پر مشتمل ہے۔ مجموعی طور پر اس باب میں کل ایک سو تیرہ (۱۱۳) دفعات ہیں۔ چار (۴) مقامات پر وضعی قوانین کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔

خلاصۂ بحث، نتائج بحث اور تجاویز و سفارشات

خلاصۂ بحث

زیر نظر مقالہ چار ابواب اور بارہ فصول پر مشتمل ہے۔ اس مقالہ میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الدعویٰ اور کتاب الاقرار کے ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ باب اول میں فتاوی عالمگیری کے آٹھ ابواب کو زیر بحث لایا گیا ہے جو کہ تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اوّل میں تعریف دعویٰ، شرائط، حکم، انواع کا بیان ہے، اس کے علاوہ عین، دین، اور عقار میں دعویٰ کی صورتیں کیا ہوں گی اور انکار کی صورت میں مدّعیٰ علیہ سے قسم لینے کا طریقہ کیا ہوگا؟۔ یہ فصل پچپن (۵۵) دفعات پر مشتمل ہے۔ بارہ (۱۲) مقامات پر وضعی قوانین سے تقابل کیا گیا ہے۔

فصل دوم میں تنازع کی صورت میں ایک دوسرے کے دعویٰ پر قسم کھانا، کونسے لوگ خصم بن سکتے ہیں اور کون خصم نہیں بن سکتے اور دعویٰ کو کون سی صورتوں میں رد کیا جاسکتا ہے۔ اس فصل میں اُنچاس (۴۹) دفعات ذکر ہیں۔ دو (۲) جگہوں پر وضعی قوانین سے تقابل کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں ان الفاظ کا بیان ہیں جو مدّعیٰ علیہ کی طرف سے جواب شمار ہوتی ہیں اور جو مدّعیٰ علیہ کی طرف سے جواب شمار نہیں ہوتا اور دعویٰ یا گواہوں کے بیان میں تناقض آجائیں تو دعویٰ کی صحت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور دعویٰ سے تناقض کس طرح دور کیا جائے گا۔ اس فصل میں چوبیس (۲۴) دفعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ صرف ایک جگہ پر اس کا تقابل وضعی قوانین سے کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر اس باب اول میں کل ایک سو (۱۲۸) دفعات ہیں۔ پندرہ (۱۵) جگہوں پر شرعی اور وضعی قوانین سے تقابل کیا گیا ہے۔

دوسرا باب بھی تین فصول پر مشتمل ہے جس میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الدعویٰ کے نو (۹) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر ایک چیز پر دو افراد دعویٰ کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور دیوار پر دعویٰ کی صورت میں کس کا قول قبول کیا جائے گا۔ یہ فصل چون (۵۴) دفعات پر مشتمل ہے۔ پانچ (۵) مقامات پر وضعی قوانین سے تقابل کیا گیا ہے۔

دوسری فصل میں راستے اور نالہ پر دعویٰ، دین سے متعلق دعاوی، وکالت، کفالت اور حوالہ سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس فصل میں کل چونتیس (۳۴) دفعات ہیں۔ دو مقامات پر وضعی قوانین سے تقابل پایا جاتا ہے۔

تیسری فصل میں ثبوت نسب سے متعلق احکامات، کسی چیز میں استحقاق کا دعویٰ اور دعویٰ میں دھوکہ سے متعلق احکام کا بیان ہے۔ اس فصل میں ایک سو ایک (۱۰۱) دفعات مذکور ہیں۔ ایک جگہ پر وضعی قوانین سے تقابل موجود ہے۔

مجموعی طور پر باب دوم میں کل ایک سو نواسی (۱۸۹) دفعات ہیں۔ آٹھ (۸) مقامات پر شرعی اور وضعی قوانین سے تقابل پایا جاتا ہے۔

تیسرے باب میں تین فصول ہیں جن میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الاقرار کے بارہ (۱۲) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں اقرار کی تعریف، شرائط، اکراہ اور نشہ کی حالت میں اقرار کا حکم اور مقرلہ کا اقرار کرنے والے کے تصدیق کا بیان ہے۔ اسی طرح جو صورتیں اقرار میں شمار ہوتی ہیں اور جو شمار نہیں ہوتی کا تذکرہ بھی اس فصل میں کیا گیا ہے۔ اس فصل میں کل اکتالیس (۴۱) دفعات ہیں اور چار (۴) مقامات پر وضعی قوانین سے تقابل کیا گیا ہے۔

دوسری فصل میں حالت مرض میں اقرار، مبہم چیز کے اقرار کو زیر بحث لایا گیا ہے، یہ فصل اُنچاس (۴۹) دفعات پر مشتمل ہے۔ ایک مقام پر وضعی قانون سے تقابل کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں چھیالیس (۴۶) دفعات ہیں جن میں اقرار سے رجوع کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ایک جگہ پر وضعی قانون سے تقابل کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر اس باب میں ایک سو چھتیس (۱۳۶) دفعات ہیں اور چھ (۶) مقامات پر تقابل پایا جاتا ہے۔

باب چہارم میں بھی تین فصول ہیں، جن میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الاقرار کے گیارہ (۱۱) ابواب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں مشترک چیز کے اقرار کا ذکر ہے، اس کے علاوہ اقرار سے رجوع کرنے کی جو صورتیں ہیں کے احکام ذکر کئے ہیں۔ اس فصل میں اُنچاس(۴۹) دفعات ہیں اور چار جگہوں پر وضعی قوانین سے تقابل موجود ہے۔

دوسری فصل میں بیع کا اقرار اور مبیعہ میں عیب کے احکام کا بیان ہے، یہ فصل چالیس (۴۰) دفعات پر مشتمل ہے۔ فصل سوم میں وصی کے اقرار کے احکام کو بیان کیا گیا ہے جو چوبیس (۲۴) دفعات پر مشتمل ہے۔

مجموعی طور پر اس باب میں کل ایک سو تیرہ (۱۱۳) دفعات ہیں۔ چار (۴) مقامات پر وضعی اور شرعی قوانین میں تقابل کیا گیا ہے۔

لہٰذا زیر نظر مقالہ فتاوی عالمگیری کے کتاب الدعویٰ کے سترہ (۱۷) ابواب اور کتاب الاقرار کے تیئیس (۲۳) ابواب پر مشتمل ہے، جس میں کل پانچ سو چھیاسٹھ (۵۶۶) دفعات ہیں۔ مقالے میں مجموعی طور پر تینتیس (۳۳) مقامات پر پاکستان کے وضعی قوانین یعنی سول پروسیجر کوڈ ۱۹۰۸ء، قانون شہادت، ۱۹۸۴ء اور لینڈ ریونیو ایکٹ ۱۹۶۷ء کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے، اکثر مقامات پر وضعی اور شرعی قوانین میں یکسانیت پائی گئی، جہاں پر وضعی قوانین میں سقم موجود تھا اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

نتائج بحث

- فتاوی عالمگیری وہ بے مثال علمی سرمایہ ہے جو برصغیر پاک وہند میں بطور قانون ملک کی سطح پر ایک طویل عرصہ تک رائج رہا ہے۔ یہ ایک ایسی جامع اور مستند دستاویز ہے جس میں نہایت تدقیق کے ساتھ تمام فقہی مسائل جمع کی گئی ہیں جو کہ قضاۃ اور اہل علم کو فقہ کی بہت سی کتابوں کی ورق گردانی سے بے نیاز کرتا ہے۔
- فتاوی عالمگیری کے حصہ دعویٰ اوراقرار کی ضابطہ بندی سے یہ معلوم ہوگیا کہ قدیم علمی ذخیرہ میں جو فقہی اصطلاحات مذکور ہیں اس کو اگر جدید رائج اصطلاحات سے بدلا جائے تو موجودہ دور میں اس علمی اور فقہی ذخیرہ کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- اس تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ پاکستان میں دعویٰ اوراقرار سے متعلق رائج وضعی قوانین میں اکثر، شرعی قوانین سے مطابقت رکھتی ہیں، البتہ بعض قوانین میں تعارض پایا جاتا ہے جن پر شریعت کی روشنی میں نظر ثانی کی ضرورت ہے۔
- زیر نظر تحقیق سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی دفعہ بندی کر کے اس میں جدید اصطلاحات اگر شامل کیا جائے تو ایک قانون کے طور پر رائج کرانا ممکن ہے۔

تجاویز و سفارشات

- فتاوی عالمگیری کے حصہ دعویٰ اور اقرار کے علاوہ دیگر ابواب کو دفعہ وار مرتب کر کے وضعی قوانین کے ساتھ ان کا تقابل کیا جائے۔
- فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ کو اگر جدید قوانین کی صورت میں دفعہ وار مرتب کیا جائے تو عصر حاضر میں اسے قابل استفادہ بنایا جا سکتا ہے اور بطور قانون کے ملکی قانون کے نافذ کیا جا سکتا ہے۔
- جہاں وضعی اور شرعی قوانین میں مکمل مطابقت نہیں پائی جاتی وہاں شریعت کی روشنی میں نظر ثانی کی ضرورت ہے، لہذا پاکستان میں جتنے بھی رائج وضعی قوانین ہیں، ان کا تقابل قوانین شرعیہ سے کیا جائے تو ان میں موجود خامیوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

فنی فہارس

فہرس آیات

فہرس احادیث

فہرس اعلام

فہرس مصادر و مراجع

فہرس آیات

نمبر شمار		سورۃ و آیت نمبر	صفحہ
1	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً	البقرۃ،۲:۲۰۸	ق
2	وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ	البقرۃ،۲:۲۸۲	52
3	وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا	الاحقاف،۴۶:۱۵	129
4	وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ	لقمان،۳۱:۱۴	129
5	وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ	البقرۃ،۲:۲۸۲	164
6	قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي	آل عمران۳:۸۱	164
7	قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا	المزمل،۷۳:۲	205
8	وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ	الحجر،۱۵:۳۹	205
9	فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ	النساء۴:۱۲	219
10	أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ	الفاطر،۳۵:۴۰	219
11	وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ	القمر،۵۴:۲۸	220
12	قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ	الشعراء،۲۶:۱۵۵	220
13	إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى	اللیل،۹۲:۱۲	222
14	إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيت	ق،۵۰:۴۳	222

فہرس احادیث

صفحہ	احادیث	نمبر شمار
4	رفع القلم عن ثلاثة	1
5	ان الله سيهدى قلبلک ويثبت لسانک	2
6	ان الخصمين يقعدان بين يدى الحاكم	3
9	البينة على المدّعى واليمين على من انكر	4
11	من اسلف فى شئ ففى كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم	5
16	لايحل مال امرئ مسلم الابطيب نفس منه	6
21	ان البينة على المدّعى	7
22	ن رسول الله ﷺ قضى بيمين وشاهد	8
27	من حلف بغيرالله فقد اشرك	9
28	انشدك بالله الذى انزل التورٰةعلى موسىٰ	10
30	ألك بينة قال لاقال فلك يمينه	11
36	اذااختلف المتبايعان والسلعة قائمة تحالفا وترادداالبيع	12
82	ان رجلين اختصما الىٰ رسول الله ﷺ	13
82	ان رجلين ادعيا البعير	14
95	يتنازعان شياء فى يد احدهما	15
122	الزعيم ضامن	16
134	انت ومالك لابيك	17
142	الولد للفراش وللعاهر الحجر	18
147	من ابتاع نخلا بعد أن تؤبر فثمرتها للذي باعها	19
164	رأيت ماعز بن مالك	20

صفحہ	احادیث	نمبر شمار
185	أعمارامتی مابین الستین الی سبعین	21
186	لاوصیة لوارث ولااقراربدین	22
195	علی الید مأأخذت حتی تؤدی	23
225	ان هذا سرق فقال ما اخاله سرق	24
226	ادرءوالحدود عن المسلمین مااستطعتم	25
228	ثلاث جدهن جد	26
256	لاتعقل العاقلة عمدا ولاعبدا ولاصلحا	27

فہرس اعلام

5	سیدنا علیؓ بن طالب	21
164	سیدنا ماعزؓ	22
19	شمس الائمہ اوزجندیؒ	23
ش	شیخ نظامؒ	24
104	طحاویؒ	25
19	ظہیر الدین مرغینانیؒ	26
ر	عبدالکریم زیدان	27
94	عیسیٰ بن ابانؒ	28

فہرس مصادر و مراجع

نمبر شمار	نام کتب، نام مصنف، نام مکتبہ، وسن اشاعت
1	القرآن الکریم
2	صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۲ء
3	صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، قشیری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ت ن
4	سنن ترمذی، محمد بن عیسی ترمذی، شرکۃ مکتبۃ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۹۵ھ = ۱۹۷۵ء
5	سنن ابی داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ت ن
6	سنن نسائی، احمد بن شعیب خراسانی، نسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
7	سنن ابن ماجہ، ابن ماجہ، محمد بن یزید، داراحیاء الکتب العربیۃ، ت ن
8	احکام القرآن، احمد بن علی، جصاص، حنفی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۴ء
9	الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود حنفی، مطبعۃ الحلبی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ = ۱۹۳۷ء
10	ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، محمد ناصر الدین، البانی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۰۵ء
11	اسد الغابۃ، ابن اثیر محمد بن محمد، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۹ھ
12	الاشباہ النظائر، ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم مصری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء
13	الاصابہ فی تمیز الصحابہ، احمد بن علی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ
14	الاصل المعروف بالمبسوط، محمد بن حسن شیبانی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراتشی، ت ن
15	انیس الفقہاء فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ، قونوی، قاسم بن عبد اللہ، حنفی، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ
16	ایثار الانصاف فی آثار الخلاف، ابن جوزی، ابو المظفر، یوسف بن قزاوغلی، دار السلام، قاہرہ، ۱۴۰۸ھ۔
17	البحر الرائق، ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم حنفی، دار الکتاب الإسلامی، ت ن
18	بدایۃ المبتدی، برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی،، مکتبہ محمد علی صبح، قاہرہ، ت ن

19	بدائع الصنائع، علاء الدین أبو بکر بن مسعود کاسانی، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
20	البحر المحیط فی اصول الفقہ، زرکشی، بدر الدین، محمد بن عبد اللہ، دار الکتبی، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء
21	البنایۃ، بدر الدین عینی ابو محمد محمود بن احمد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ = ۲۰۰۰ء
22	تاج العروس من جواہر القاموس، زبیدی، محمد بن محمد، دار الھدایۃ، ت ن
23	تبیین الحقائق، فخر الدین عثمان بن علی حنفی زیلعی،، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق قاہرہ، ۱۳۱۳ھ
24	تحفۃ الفقھاء، علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی، باب الشراء والبیع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء
25	الجامع الصحیح للسنن والمسانید، صہیب عبد الجبار، ۲۰۱۴ء
26	الجامع الصغیر وشرحہ النافع الکبیر، محمد عبد الحیی بن محمد عبد الحلیم، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۶ھ
27	جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۲۰۱۰ء
28	جواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، محیی الدین عبد القادر بن محمد بن نصر اللہ حنفی،، مکتبہ میر محمد، کراچی، ت ن
29	الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری، ابو بکر بن علی الحنفی، المطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۲۲ھ
30	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، اصبہانی، ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
31	رد المحتار، ابن عابدین محمد امین حنفی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء
32	درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام، علی حیدر خواجہ امین آفندی، دار الجیل، ۱۴۱۱ھ = ۱۹۹۱ء
33	الدرر الکامنہ فی الأعیان المائۃ الثامنۃ، ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ہند، ۱۳۹۲ھ
34	سلم الوصول الی طبقات الفحول، مصطفی بن عبد اللہ القسطنطینی، مکتبہ ارسیکا، استانبول ترکیا، ۲۰۱۰ء
35	السنن الکبری، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۳ء
36	سنن دار قطنی، ابو الحسن، علی بن عمر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۴ھ
37	سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
38	شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، عبد الحیی بن احمد بن محمد، دار ابن کثیر، دمشق بیروت، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء

39	شرح مختصر الطحاوی، احمد بن علی ابو بکر جصاص رازی، دار البشائر الاسلامیۃ، ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء
40	شرح معانی الاثار، طحاوی، ابو جعفر، احمد بن محمد، عالم الکتب، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء
41	طبقات الفقہاء، ابو اسحاق، ابراہیم بن علی، شیرازی، دار الرائد العربی، بیروت، ۱۹۷۰ء
42	عمدۃ القاری، بدر الدین، عینی، محمود بن احمد، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ت ن
43	العنایۃ، شمس الدین محمد بن محمد بن محمود، دار الفکر، ت ن
44	عیون المسائل، ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی،، مطبعۃ اسعد بغداد، ۱۳۸۶ھ
45	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، احمد بن محمد حنفی، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
46	فتح القدیر، ابن الھمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد،، دار الفکر، ت ن
47	الفروق، اسعد بن محمد بن حسین کرابیسی حنفی، وزارۃ الاوقاف الکویتیۃ، ۱۴۰۲ھ = ۱۹۸۲ء
48	قرۃ عین الاخیار لتکملۃ رد المحتار، ابن عابدین علاء الدین محمد بن عمر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ت ن
49	القواعد لابن رجب، زین الدین، عبد الرحمٰن بن احمد، دار الکتب العلمیۃ، ت ن
50	کتاب التعریفات، علامہ علی بن محمد سید شریف جرجانی، دار الفضیلۃ للنشر والتوزیع والتصدیر، ت ن
51	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، علاء الدین عبد العزیز بن احمد حنفی، دار الکتاب الاسلامی، ت ن
52	کنز الدقائق مع البحر الرائق، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، دار الکتاب الاسلامی، ت ن
53	اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، جمال الدین، علی بن ابی یحیٰی، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء
54	اللباب فی شرح الکتاب، عبد الغنی بن طالب میدانی حنفی، المکتبۃ العلمیۃ بیروت، لبنان، ت ن
55	لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام، احمد بن محمد لسان الدین حلبی، مکتبۃ البابی الحلبی، قاہرہ، ۱۳۹۳ھ = ۱۹۷۳ء
56	المبسوط، شمس الائمہ احمد بن ابی سہل سرخسی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء
57	مجلۃ الاحکام العدلیۃ، لجنۃ من علماو فقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ، نور محمد کارخانہ کراچی، ت ن
58	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الانہر، عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان، دار احیاء التراث العربی، ت ن

59	مجمع الضمانات، ابو محمد غانم بن محمد حنفی، دارالکتاب الاسلامی، ت ن
60	مجموعہ قوانین اسلام، ڈاکٹر تنزیل الرحمان، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء
61	المحیط البرھانی، برہان الدین محمود بن احمد حنفی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۴ء
62	المخارج فی الحیل، محمد بن حسن، الثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، ۱۴۱۹ھ
63	مختصر القدوری، قدوری، احمد بن محمد، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
64	مسند ابی یعلی، ابویعلیٰ، احمد بن علی، دارالمأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ = ۱۹۸۴ء
65	مسند احمد، احمد بن محمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء
66	المستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبداللہ نیسابوری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ = ۱۹۹۰ء
67	المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی، دارالحرمین، قاہرہ، ت ن
68	معجم المؤلفین، عمر بن رضا بن محمد راغب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ت ن
69	ملتقی الابحر، ابراہیم بن محمد حنفی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء
70	الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ کویت، ۱۴۰۴ھ
71	النتف فی الفتاوی، ابوالحسن علی بن حسین سغدی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۴ھ = ۱۹۸۴ء
72	نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، عبدالحیی بن فخر الدین بن عبدالعلی، دارابن حزم، بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ = ۱۹۹۹ء
73	النہر الفائق، ابن نجیم سراج الدین عمر بن ابراہیم، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۲ء
74	نیل الاوطار، محمد بن علی بن محمد شوکانی یمنی، دارالحدیث، مصر، ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۳ء
75	الھدایۃ، ابوالحسن برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی، داراحیار التراث العربی، بیروت، لبنان، ت ن
76	Civil Procedure Code 1908

The Qanun-e-Shahadat 1984	77
Land Revenue Act1967	78
Specific Relief Act 1877	79
https://en.wikipedia.org/wiki/yusuf_al-Qaradawi	80